الكوثر
في تفسير القرآن

١

الکوثر
فی تفسیر القرآن

جلد نہم

سورۃ الواقعۃ ۵۶ تا سورۃ المرسلات ۷۷

محسن علی نجفی

مصباح القرآن ٹرسٹ۔ لاہور

تفسیر القرآن

واقعة ۵۶۔ حدید ۵۷۔ مجادلة ۵۸۔ حشر ۵۹۔ ممتحنة ۶۰۔ صف ۶۱۔ جمعة ۶۲۔ منافقون ۶۳۔ تغابن ۶۴۔ طلاق ۶۵۔ تحریم ۶۶۔ ملك ۶۷۔ قلم ۶۸۔ حاقة ۶۹۔ معارج ۷۰۔ نوح ۷۱۔ جن ۷۲۔ مزمل ۷۳۔ مدثر ۷۴۔ قیامة ۷۵۔ دھر ۷۶۔ مرسلات ۷۷۔

نام کتاب: الکوثر فی تفسیر القرآن (جلدنہم)
مفسر: محسن علی نجفی
کمپوزنگ و فارمٹنگ: خادم حسین
انتظامی امور: علی حیدری
تعداد: ایک ہزار
باراول: محرم الحرام ۱۴۳۶ھ/نومبر۲۰۱۴ء
باردوم: ربیع الاول ۱۴۳۷ھ/جنوری ۲۰۱۶ء
مطبع: عاشق شاہ زیب پریس۔ لاہور
پیشکش: جامعۃ الکوثر۔ اسلام آباد
ناشر: مصباح القرآن ٹرسٹ۔ لاہور
فون: 0321 448 1214
ای میل: info@misbahulqurantrust.com
ویب: www.misbahulaqurantrust.com

اس کتاب میں نقل شدہ اکثر روایات کے متن اور حوالوں کی اصلاح وتطبیق، کتب احادیث پر مبنی سافٹ ویئر ”جامع الاحادیث“ تیار کردہ کمپیوٹر ریسرچ سینٹر آف اسلامک سائنسز اور المحدث سے کی گئی ہے۔

نہج البلاغۃ کے اکثر اقتباسات کا ترجمہ نہج البلاغۃ ترجمہ مفتی جعفر حسینؒ مطبوعہ امامیہ کتب خانہ لاہور سے نقل کیا گیا ہے۔

تشریح کلمات مفردات القرآن راغب اصفہانی، ترجمہ مولانا محمد عبدہ فیروز پوری سے ماخوذ ہے۔

ملنے کا پتہ: محمد علی بک ایجنسی۔ کراچی کمپنی۔ اسلام آباد
معراج کمپنی۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

قارئین کرام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ!مصباح القرآن ٹرسٹ عہد حاضر کی بعض عظیم ترین تفاسیر و تالیفات کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں ایک عظیم اور پُروقار مرکز کی حیثیت سے امت مسلمہ کے لیے اپنی عاجزانہ خدمات انجام دے رہا ہے۔ ادارہ ہذا کی یہ شہرت اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور آپ حضرات کی تائید و اعانت کا ثمرہ ہے۔

خالقِ کائنات نے ''انسان'' کو روح و بدن سے مرکب، عقلِ سلیم اور قوتِ گویائی کی نعمات سے مالا مال فرما کر موجوداتِ عالم میں منفرد و ممتاز مقام عطا فرمایا ہے۔ جس طرح بدن کو اپنے ہی اعضا کی تقویت وارتقا کے لیے خوراک کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح روح کی بلندی اور تازگی کے لیے زہد و تقویٰ سے ملبوس ہو کر علمی تفکر کے میدان میں اترنا پڑتا ہے۔ روحانی تسکین اور معرفت کی بلندیوں سے فیض یاب ہونے کے لیے آیاتِ قرآن پر غور و فکر کرنا، اس کے رموز وحقائق کو سمجھنا اور فرمودات الٰہی پر عمل پیرا ہو کر اپنی زندگی گزارنا آخرت کی کامیابی کا باعث ہے۔

بلاشبہ قرآنِ مجید دین اسلام کا حقیقی آئین و دستور ہے۔ دنیا کے ہر طبقہ اور ہر نسل کو اپنی استعداد کے مطابق اس سے استفادہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول روایت میں حضرت امام صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا: کیا وجہ ہے کہ قرآن مجید کو جس قدر بیان اور نشر کیا جاتا ہے اسی قدر اس میں مزید تازگی آ جاتی ہے؟ جواب میں امام علیہ السلام نے فرمایا: '' اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو نہ ایک زمانے کے ساتھ مخصوص فرمایا، نہ کچھ لوگوں کے ساتھ بلکہ یہ ہر دور میں جدت اور ہر قوم کے لیے قیامت تک تازگی رکھتا ہے۔''

کامیاب زندگی گزارنے کے لیے دنیا کے ہر شخص کے لیے قرآنی آیات کے مفہوم اور تفاسیر کا سمجھنا ضروری ہے۔ اس ضرورت کے پیش نظر علمائے اسلام نے عربی، فارسی، انگریزی اور دیگر کئی زبانوں میں قرآن مجید کی بہت سی تفاسیر اور تراجم مرتب فرمائے ہیں۔ اس سلسلے میں برصغیر پاک و ہند کے اہل تشیع و اہل

سنت علماء نے بھی اردوزبان میں قرآن کریم کے متعدد تراجم و تفاسیر پیش کیے ہیں۔ پاکستان میں اردو زبان میں طبع شدہ اکثر تراجم و تفاسیر لکھنؤ (انڈیا) کے مترجمین و مفسرین کی محنت کا نتیجہ ہیں۔لکھنؤ کی اُردو پاکستان کی موجودہ اردو سے ذرا مختلف ہے۔

دنیا کا ہر شخص دوسری زبانوں کے علاوہ اپنی قومی زبان بلکہ اپنے خطے کی زبان سے زیادہ مانوس ہوتا ہے لہٰذا خطے کی موجود ہ اردو زبان کے پیش نظر اور قرآنی تصریحات کے بارے میں نئی نسل کی طرف سے اٹھنے والے سوالات کے جوابات اورجدید معاندانہ تحریروں اور الزام تراشیوں کے مقابلے میں مکتب اہل بیت علیہم السلام کا موقف بیان کرنے کے لیے ۱۰ جلدوں پر مشتمل زیر نظر تفسیر قرآن '' الکوثر فی تفسیر القرآن '' کی جلدنہم قارئین کرام کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ یہ تفسیری مجموعہ حجۃ الاسلام والمسلمین الشیخ محسن علی نجفی مدظلہ العالیٰ کی غیر معمولی مساعی اورشبانہ روز محنت کا ثمر ہے۔ خداوندعالم اُن کا سایہ ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے اور انہیں طاقت وصحت کی نعمت سے سرفراز فرمائے۔

اراکین مصباح القرآن ٹرسٹ قبلہ موصوف کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے ادارہ ہذا کو یہ تفسیری مجموعہ پرنٹ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

مزید برآں آپ ہماری کتب مصباح القرآن ٹرسٹ کی ویب سائٹ:

www.misbahulqurantrust.com

کے ذریعے گھر بیٹھے بھی پڑھ سکتے ہیں۔

ہمیں اُمید ہے کہ صاحبانِ علم وتحقیق حسبِ سابق مصباح القرآن ٹرسٹ کی اس کوشش کو بھی پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں گے۔ اس گوہر نایاب سے بھرپور علمی وعملی استفادہ فرمائیں گے اور ادارے کو اپنی قیمتی تجاویز وآراء سے ضرور مستفید فرمائیں گے۔

والسلام
اراکین
مصباح القرآن ٹرسٹ لاھور۔
پاکستان

سُوْرَۃُ الْوَاقِعَۃِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ الواقعۃ مضمون کے اعتبار سے مکی ہے اور اس پر سب کا اتفاق بھی ہے۔ اس سورۃ المبارکۃ میں قیامت واقع ہونے، قیامت کے روز لوگوں کے تین گروہوں میں منقسم ہونے، ہر گروہ کے انجام کا ذکر ہے اور اعادۂ حیات کے بارے میں اس سورۃ میں ایک مؤثر استدلال ہے۔

فضیلت سورہ: روایت ہے: حضرت عثمان، حضرت عبد اللہ بن مسعود کے مرض الموت میں ان کی عیادت کے لیے گئے۔ حضرت عثمان نے پوچھا:

آپ کو کس چیز کی شکایت ہے؟

اپنے گناہوں کی۔

کس چیز کی خواہش ہے؟

رب کی رحمت کی۔

طبیب کو بلائیں؟

طبیب نے ہی مجھے مریض کیا ہے۔

آپ کو کچھ دینے کا حکم دوں؟

جب مجھے ضرورتھی اس وقت کچھ نہیں دیا۔ اب میں بے نیاز ہو گیا ہوں تو دیتے ہو؟

اپنی بچیوں کے لیے ضرورت ہو گی؟

انہیں بھی ضرورت نہیں ہے۔ انہیں میں نے سورۃ الواقعۃ پڑھنے کا حکم دیا ہے چونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سنا ہے:

من قرأة سورة الواقعة كل ليلة لم تصبه فاقة ابداً۔[1]	جو ہر شب سورہ واقعہ کی تلاوت کرے گا وہ کبھی بھی فاقے کا شکار نہیں ہو گا۔

ابی بن کعب راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قرأ سورة الواقعة كتب ليس من الغافلين۔[2]	جو سورہ واقعہ کی تلاوت کرے گا اس کے بارے میں لکھا جائے گا کہ وہ غافلوں میں سے نہیں ہے۔

[1] الدر المنثور۔ زبدة التفاسير۔ مجمع البيان [2] مجمع البيان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ بنام خدائے رحمٰن رحیم

اِذَا وَقَعَتِ الۡوَاقِعَۃُ ۙ﴿۱﴾ ۱۔ جب ہونے والا واقعہ ہو چکے گا۔

لَیۡسَ لِوَقۡعَتِہَا کَاذِبَۃٌ ۘ﴿۲﴾ ۲۔ تو اس کے وقوع کو جھٹلانے والا کوئی نہ ہوگا۔

وقف لازم

تفسیر آیات

۱۔ جب قیامت کا واقعہ واقع ہو چکے گا تو اس کے مشاہدے کے بعد اسے جھٹلانے والا کوئی نہ ہوگا۔

چنانچہ کافروں کے بارے میں فرمایا:

لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِہٖ حَتّٰی یَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِیۡمَ ﴿﴾[۱] پھر بھی وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک دردناک عذاب دیکھ نہ لیں۔

وَ لَا یَزَالُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فِیۡ مِرۡیَۃٍ مِّنۡہُ حَتّٰی تَاۡتِیَہُمُ السَّاعَۃُ بَغۡتَۃً ...[۲] اور کافر لوگ تو اس کی طرف سے ہمیشہ اسی شک میں مبتلا رہیں گے یہاں تک کہ ان پر یکایک قیامت آ جائے گی۔

خَافِضَۃٌ رَّافِعَۃٌ ۙ﴿۳﴾ ۳۔ وہ تہ و بالا کرنے والا (واقعہ) ہوگا۔

تفسیر آیات

یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو کسی کو پست کر دیتا ہے تو کسی کو بلند کر دیتا ہے۔ کسی کو عزت دیتا ہے تو کسی

---

۱ ۲٦ شعراء: ۲۰۱ ۲ ۲۲ حج: ۵۵

کو ذلت کی گہرائیوں میں گرا دیتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے:

الْغِنَى وَ الْفَقْرُ بَعْدَ الْعَرْضِ عَلَى اللّٰهِ۔[1]	اصل فقر و غنا (قیامت میں) اللہ کے سامنے پیش ہونے کے بعد ہو گا۔

دنیا میں کیے گئے اعمال کے مطابق عزت و ذلت اور امیری اور غریبی کا فیصلہ ہو گا۔ امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت ہے:

خَافِضَةٌ خفضت و اللّٰہ باعداء اللّٰهِ الی النار رَّافِعَةٌ رفعت واللّٰہ اولیاء اللّٰہ الی الجنۃ...۔[2]	یہ واقعہ قسم بخدا دشمنان خدا کو جہنم رسید کر کے پست کر دے گا اور قسم بخدا اللہ کے دوستوں کو جنت کی طرف بلند درجہ دے گا۔

اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ﴿۴﴾	۴۔ جب زمین پوری طرح ہلا دی جائے گی،
وَّ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ﴿۵﴾	۵۔ اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے،
فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ﴿۶﴾	۶۔ تو یہ منتشر غبار بن کر رہ جائیں گے،

تشریح کلمات

رج: (ر ج ج) الرَّجُّ کے معنی کسی چیز کو ہلانے اور جنبش دینے کے ہیں۔

بس: (ب س س) بِسٌّ کے معنی ریزہ ریزہ ہو جانے کے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ قیامت کا مطلب ایک کائناتی انقلاب ہے۔ موجودہ نظام کو درہم برہم کر کے ایک نئی کائنات کی تعمیر ہے۔ چنانچہ اس زمین کی موجودہ صورت باقی نہیں رہے گی:

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَ السَّمٰوٰتُ ...۔[3]	یہ (انتقام) اس دن ہوگا جب یہ زمین کسی اور زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی۔

اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ: زمین کو اس حد تک ہلا دیا جائے گا کہ زمین پر گاڑے ہوئے بلند و بالا پہاڑوں کو بھی ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔ وہ زلزلہ کس قدر ہولناک ہو گا جس سے صرف عمارتیں نہیں پہاڑ بھی منتشر غبار میں تبدیل ہو جائیں گے۔

---

[1] نہج البلاغۃ حکمت: ۴۵۲　[2] خصال ۱: ۶۴　[3] ۱۴ ابراہیم: ۴۸

وَّ کُنۡتُمۡ اَزۡوَاجًا ثَلٰثَۃً ؕ﴿۷﴾ ۷۔ اور تم تین گروہوں میں بٹ جاؤ گے۔

فَاَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِ ۬ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِ ؕ﴿۸﴾ ۸۔ رہے داہنے ہاتھ والے تو داہنے ہاتھ والوں کا کیا کہنا۔

وَ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَۃِ ۬ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَۃِ ؕ﴿۹﴾ ۹۔ اور رہے بائیں ہاتھ والے تو بائیں ہاتھ والوں کا کیا پوچھنا۔

وَ السّٰبِقُوۡنَ السّٰبِقُوۡنَ ﴿۱۰﴾ ۱۰۔ اور سبقت لے جانے والے تو آگے بڑھنے والے ہی ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ وَّ کُنۡتُمۡ اَزۡوَاجًا ثَلٰثَۃً: قیامت کے ان تمام انسانوں کو ان کے اعمال کی روشنی میں تقسیم کیا جائے گا تو تین گروہ میں بٹ جائیں گے: اصحاب یمین، اصحاب شمال اور سابقین۔

اصحاب یمین: داہنے ہاتھ والے یا برکت والے۔ اصل میں لفظ الۡمَیۡمَنَۃِ استعمال ہوا ہے جو کبھی میسرۃ کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے جیسے لشکر کا میمنہ اور میسرہ کہتے ہیں اور جب یہ لفظ الۡمَشۡـَٔمَۃِ کے مقابلے میں استعمال ہو تو اس کے معنی نیک بخت کے ہو جاتے ہیں۔ اس لیے مفسرین نے فرمایا: المیمنۃ من الیمن مقابل الشوم۔ لفظ میمنۃ، یمن سے ہے جو نیک بخت کے معنوں میں اور شومیت کے مقابلے میں ہے۔ بعض فرماتے ہیں: انہیں اصحاب یمین اس لیے کہا ہے کہ قیامت کے دن ان کا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں آئے گا جو نجات کی علامت ہے۔

مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِ: اس جماعت کی سعادت اور خوش بختی کے بارے میں تعجب آمیز لہجے میں سوالیہ جملہ ہے کہ ان کی سعادتمندی اور نیک نصیبی کا کیا کہنا۔

وَ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَۃِ: لفظ مشئمۃ کو شوم سے ماخوذ سمجھا جائے تو آیت کا مطلب یہ ہو گا یہ وہ لوگ ہوں گے جو شومی قسمت اور بد نصیبی سے دوچار ہوں گے۔ اور اگر بائیں ہاتھ والے معنی کیا جائے تو آیت کا مطلب یہ ہو گا یہ ذلت و رسوائی سے دوچار ہوں گے چونکہ داہنے ہاتھ کی بہ نسبت بائیں ہاتھ کو بے اہمیت اور بے وقعت سمجھا جاتا ہے اور عربوں میں رواج تھا کہ کم اہمیت کے لوگوں کو بائیں ہاتھ کی طرف بٹھاتے تھے۔

وَ السّٰبِقُوۡنَ: السّٰبِقُوۡنَ وہ لوگ ہیں جو حق کے ظہور کے موقع پر ایمان و اطاعت میں دوسروں پر سبقت حاصل کریں۔ شیخ طوسیؒ نے سابقین کی تعریف میں: فصاروا ائمۃ الھدی کا اضافہ کیا ہے یعنی سبقت کے نتیجے میں وہ ہدایت کے امام ہو گئے۔

السّٰبِقُوۡنَ کی یہ تعریف اگلی آیات کے سیاق و سباق کے مطابق ہے۔ پس سابقین وہ ہیں جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے جب بھی حق کا ظہور ہوا اور اللہ کی طرف دعوت شروع ہوئی، اس پر لبیک کہنے میں پہل کی۔

السّٰبِقُوۡنَ: جو لوگ ایمان اور دعوت الی اللّٰہ پر لبیک کہنے میں سبقت لے جانے والے ہیں۔ السّٰبِقُوۡنَ وہ جزائے عمل اور حصول مراتب میں بھی سبقت لے جانے والے ہوں گے۔ دوسرے لفظوں جن لوگوں نے ایمان میں اول درجہ حاصل کیا وہ فضیلت میں بھی اول درجے پر فائز ہوں گے۔

احادیث میں آیا ہے کہ السّٰبِقُوۡنَ کے مصادیق میں صف اول کی مصادیق چند ہستیاں ہیں:

عن ابن عباس قال: نزلت فی حزقیل مومن آل فرعون و حبیب النحار الذی ذکرنی یسٓ و علی بن ابی طالب و کل منهم سابق امته و علی افضلهم۔[1]

ابن عباس سے روایت ہے: یہ آیت نازل ہوئی آل فرعون کے مومن حزقیل، حبیب النجار جس کا سورہ یسٓ میں ذکر ہے اور علی بن ابی طالب کے بارے میں۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنی امت میں سبقت لی ہے اور علی ان میں افضل ہیں۔

اس مضمون سے قریب روایت کو بیان کیا ہے حضرت ابن عباس سے درج ذیل راویوں نے:

i۔ مجاہد

ii۔ ضحاک: ان کی روایت میں ذاك علی و شیعته الی الجنة

iii۔ سدی: نزلت فی علی

iv۔ مالک الغفاری: سابق هذه الامة علی بن ابی طالب۔ ابونعیم نے اپنی کتاب مانزل من القرآن فی علی میں ذکر کیا ہے۔

v۔ عطا بن ابی ریاح۔ ابن مردویہ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔

نیز ملاحظہ ہو الدر المنثور۔ تفسیر ابن کثیر ۴: ۲۸۳ طبع مصر۔ فتح القدیر ۵: ۱۴۸ طبع مصر۔

اُولٰٓئِکَ الۡمُقَرَّبُوۡنَ ﴿۱۱﴾　　　　۱۱۔ یہی مقرب لوگ ہیں۔

تفسیر آیات

یہی لوگ درگاہ الٰہی میں مقرب ہوں گے۔ اس آیت سے بھی السّٰبِقُوۡنَ کے تعین میں مدد ملتی ہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

---

[1] روح المعانی ذیل آیت

وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ؀ [1]	وہ دنیا و آخرت میں آبرومند ہو گا اور مقرب لوگوں میں سے ہو گا۔

واضح رہے تمام درجات میں بلند ترین درجہ قرب الٰہی ہے۔ جنت کی تمام نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت قرب الٰہی ہے چونکہ قربت رضایت خداوندی کی صورت میں میسر ہوتی ہے۔ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ اللہ کی خوشنودی ہر نعمت سے بڑی نعمت ہے۔

فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ⑫	۱۲۔ نعمتوں سے مالا مال جنتوں میں ہوں گے۔

تفسیر آیات

فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ: نعمت بھری جنت میں ہوں گے۔ چنانچہ اسی سورہ کے آخر میں فرمایا:

فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ؀ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ڏ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ؀ [2]	پھر اگر وہ (مرنے والا) مقربین میں سے ہے تو (اس کے لیے) راحت اور خوشبودار پھول اور نعمت بھری جنت ہے۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ⑬	۱۳۔ ایک جماعت اگلوں میں سے۔
وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ⑭	۱۴۔ اور تھوڑے لوگ پچھلوں میں سے ہوں گے۔

تشریح کلمات

ثُلَّةٌ: (ث ل ل) اصل میں بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کو کہتے ہیں اور اجتماع کے معنی کی وجہ سے انسانوں کی جماعت کو ثُلۃ کہتے ہیں۔

تفسیر آیات

الْاَوَّلِيْنَ سے سابقہ امتیں اور الْاٰخِرِيْنَ سے امت محمدی مراد ہونا اصطلاح قرآن کے قریب ہے۔ یعنی سابقہ امتوں سے السّٰبِقُوْنَ زیادہ ہوں گے اور امت محمدی سے تھوڑے ہوں گے۔

ہم نے سابقین کی تعریف اس طرح کی ہے کہ سابقین وہ حضرات ہیں جو حق کے ظہور کے موقع پر ایمان و اطاعت میں دوسروں پر سبقت لے جانے والے ہوں۔

اس تعریف میں ''ظہور حق'' سے مراد انبیاء علیہم السلام کا اللہ کی طرف سے مبعوث ہونا ہے۔ جب کوئی نبی

---

[1] ۳ آل عمران: ۴۵ [2] ۵۶ واقعہ: ۸۸۔ ۸۹

مبعوث ہوتا اور ایمان کی دعوت دیتا ہے تو اس دعوت پر سب سے پہلے لبیک کہنے والا سابقون میں سے ہوگا۔
چونکہ اکثر انبیاء علیہم السلام اوّلین میں مبعوث ہوئے ہیں لہٰذا ان کی دعوت پر لبیک کہنے میں سبقت لے جانے والے سابقین اولین بھی زیادہ ہوں گے۔
وَقَلِيۡلٌ مِّنَ الۡاٰخِرِيۡنَ: امت محمد یہ اگرچہ عددی اعتبار سے سابقہ امتوں سے زیادہ ہے تاہم ظہور حق کے موقع پر رسول آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہنے میں سبقت لے جانے والی چند ایک ہستیاں ہو سکتی ہیں۔
وہ ہستیاں جو سب سے پہلے دعوت ایمان پر لبیک کہنے والوں کے درجہ ایمان پر فائز ہیں، درجہ سابقین میں شامل ہوں گی۔ اسی سے ہے یہ روایت جو حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے:
نحن السابقون و نحن الآخرون۔[1] ہم ہی سابقین اور ہم ہی آخرین ہیں۔

عَلٰی سُرُرٍ مَّوۡضُوۡنَۃٍ ﴿۱۵﴾ ۱۵۔ جواہر سے مرصع تختوں پر،
مُّتَّکِـِٕیۡنَ عَلَیۡہَا مُتَقٰبِلِیۡنَ ﴿۱۶﴾ ۱۶۔ تکیے لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔

تشریح کلمات

مَّوۡضُوۡنَۃٍ: (و ض ن) الوضن۔ العین میں آیا ہے: الوظن: نسج السریر و شبهه بالحوهر و الثیاب الوضن۔ تخت وغیرہ کو جواہر اور کپڑوں سے مرصع کرنے کو کہتے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ عَلٰی سُرُرٍ: یہ اولین و آخرین کے سابقین ایسے تخت اور مسندوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے جو جواہر سے مرصع ہوں گے۔

۲۔ مُتَقٰبِلِیۡنَ: احباب کی محفل ہو گی جس میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ باہم مانوس ہوں گے۔ ایک دوسرے کے روبرو ہو کر اس وقت بیٹھا جاتا ہے جب آپس میں انس و محبت ہو اور ذہنی طور پر فارغ البال، بے غم ہوں۔

یَطُوۡفُ عَلَیۡہِمۡ وِلۡدَانٌ مُّخَلَّدُوۡنَ ﴿۱۷﴾ ۱۷۔ ان کے گرد تا ابد رہنے والے لڑکے پھر رہے ہوں گے۔

---
[1] بصائر الدرجات ص ۶۲

تفسیر آیات

ا۔ يَطُوفُ عَلَيْهِمْ : ان کے گرد پھر رہے ہوں گے یعنی خدمت گزاری کے لیے ہر وقت آمادہ ہوں گے۔ متحرک ہوں گے۔ يَطُوفُ اچھی خدمت گزاری کی طرف لطیف اشارہ ہے۔

وِلۡدَانٌ : یہ خدمت گزار ایسے نوعمر لڑکے ہوں گے جو ہمیشہ نوعمر رہیں گے جس طرح اہل جنت ہمیشہ رہیں گے۔ چونکہ یہ نوعمر لڑکے خدمت کے لیے خلق ہوئے ہیں اس لیے انہیں خدمت کرنے میں اسی طرح لطف آئے گا جس طرح خدمت لینے میں لطف آتا ہے۔ لہٰذا یہ سوال نہیں آئے گا کہ ان نوعمر لڑکوں کا کیا قصور ہے کہ ان سے ہمیشہ خدمات لی جائیں۔

حضرت علی علیہ السلام سے ایک روایت ہے:

الولدان اولاد اهل الدنيا لم يكن لهم	یہ لڑکے اہل دنیا کی اولاد ہیں جن کی نہ نیکیاں ہیں
حسنات فيثابون عليها و لا سيئات	کہ ان کو ثواب دیا جائے نہ ان کا گناہ ہے کہ
فيعاقبون عليها فأنزلوا هذه المنزلة۔[1]	عذاب دیا جائے اس لیے انہیں اسی مقام پر رکھا ہے۔

بِاَكۡوَابٍ وَّ اَبَارِيۡقَ ۙ وَ كَاۡسٍ مِّنۡ مَّعِيۡنٍ ۙ﴿۱۸﴾	۱۸۔ (ہاتھوں میں) پیالے اور آفتابے اور صاف شراب کے جام لیے،
لَّا يُصَدَّعُوۡنَ عَنۡهَا وَ لَا يُنۡزِفُوۡنَ ﴿۱۹﴾	۱۹۔ جس سے انہیں نہ سر کا درد ہو گا اور نہ ان کی عقل میں فتور آئے گا،

تشریح کلمات

يُصَدَّعُوۡنَ: (ص د ع) الصَّدۡعُ کے معنی کسی ٹھوس جسم میں شگاف ڈالنا کے ہیں۔ اسی سے لفظ صُداع مستعار ہے جس کے معنی دردسر کے ہیں۔

يُنۡزِفُوۡنَ: (ن ز ف) أنزف ختم کرنے کو کہتے ہیں۔ اسی سے عقل زائل ہونے کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

تفسیر آیات

ا۔ یہ نوعمر لڑکے اپنے ہاتھوں میں پیالوں، آفتابوں کو تھامے ہوئے اور صاف شراب کے جام لیے دوڑ رہے ہوں گے۔ ان خدمات کی نوعیت کا بیان ہے جو یہ لڑکے انجام دے رہے ہوں گے۔ مَّعِيۡنٍ صاف

---

[1] بحار الانوار ۵: ۲۹۱

چشمے کو کہتے ہیں لیکن جب یہ لفظ کَاْسٍ (جام) کے ساتھ مذکور ہوگا تو شراب سمجھی جائے گی۔

۲۔ جنت کی شراب میں وہ منفی خصوصیات نہ ہوں گی جو دنیا کی شرابوں میں ہیں۔

وَاَنۡهٰرٌ مِّنۡ خَمۡرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيۡنَ ...[1] اور ایسی شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لیے لذت بخش ہوگی۔

وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوۡنَ ۝۲۰

وَلَحۡمِ طَيۡرٍ مِّمَّا يَشۡتَهُوۡنَ ۝۲۱

وَحُوۡرٌ عِيۡنٌ ۝۲۲

كَاَمۡثَالِ اللُّؤۡلُؤِ الۡمَكۡنُوۡنِ ۝۲۳

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۝۲۴

۲۰۔ اور طرح طرح کے میوے لیے جنہیں وہ پسند کریں،

۲۱۔ اور پرندوں کا گوشت لیے جس کی وہ خواہش کریں،

۲۲۔ اور خوبصورت آنکھوں والی حوریں ہوں گی،

۲۳۔ جو چھپا کر رکھے گئے موتیوں کی طرح (حسین) ہوں گی۔

۲۴۔ یہ ان اعمال کی جزا ہے جو وہ کرتے رہے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ وَفَاكِهَةٍ: یہ نوعمر لڑکے پسند کے میوے اور پرندوں کا گوشت پیش کریں گے۔ ان دو آیتوں میں میوؤں کے بعد پرندوں کے گوشت کا ذکر اس بات کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے کہ ماکولات میں پھلوں کو پہلے کھایا جائے۔ اس کے بعد پرندوں کے گوشت کا ذکر اس بات کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے کہ پرندوں کا گوشت باقی جانوروں کے گوشت کے مقابلے میں طبع انسانی کے ساتھ زیادہ سازگار ہے۔ یہ ایک امکانی صورت ہے۔ قطعی تفسیر نہیں ہے۔ 18

۲۔ يَتَخَيَّرُوۡنَ اور يَشۡتَهُوۡنَ سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں خواہشات کی تکمیل کے دو ذرائع موجود ہیں: ایک خدمت گزار لڑکوں کے ذریعے۔ دوسرا اپنے ارادے سے چونکہ جنت میں انسان کا ارادہ نافذ ہوگا۔ جس چیز کی خواہش کی، تیار مل جائے گی۔

۳۔ اور ان سابقین کے لیے بڑی آنکھوں والی حوریں بھی ہوں گی۔

۴۔ كَاَمۡثَالِ اللُّؤۡلُؤِ الۡمَكۡنُوۡنِ: موتیاں جب صدف میں محفوظ اور پوشیدہ ہوتی ہیں اور کسی ہاتھ نے انہیں مس نہیں کیا ہوتا ہے تو انتہائی صفائی، پاکیزگی اور زیبائی میں ہوتی ہیں۔

۵۔ جَزَآءًۢ: یہ سب نعمتیں بلا استحقاق انہیں نہیں ملتیں بلکہ ان اعمال کی جزا ہیں جو انہوں نے دنیا

---

[1] ۴۷ محمد: ۱۵

کی زندگی میں تلخیاں برداشت کر کے انجام دیے ہیں۔

لَا یَسۡمَعُوۡنَ فِیۡهَا لَغۡوًا وَّ لَا تَاۡثِیۡمًا ﴿۲۵﴾ ۲۵۔ وہاں وہ نہ بیہودہ کلام سنیں گے اور نہ ہی گناہ کی بات۔

اِلَّا قِیۡلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾ ۲۶۔ ہاں! سلام سلام کہنا ہو گا۔

تفسیر آیات

۱۔ جنت کی زندگی میں بیہودہ کلاموں کی گنجائش نہیں ہے چونکہ لغو نا قابل اعتنا کلام کو کہتے ہیں جو چڑیا کی آواز کی طرح بے فکر سے صادر ہوتا ہے۔

۲۔ وَّ لَا تَاۡثِیۡمًا: جنت میں ایک دوسرے سے اس قسم کی بات کرنے کی نوبت نہیں آئے گی کہ تم نے غلط کیا۔ کسی کی طرف گناہ اور خلاف ورزی کی نسبت دینے کی نوبت نہیں آئے گی۔ بعض نے تاثیم کا معنی کذب سے کیا ہے چونکہ جنت کا معاشرہ ایسا پاکیزہ معاشرہ ہو گا کہ وہاں کسی سے کوئی غلطی سرزد ہونے کا امکان نہیں ہے۔ یہ بھی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔

۳۔ اِلَّا قِیۡلًا سَلٰمًا سَلٰمًا: ہر طرف سلام، سلام ہی کی فضا ہو گی۔ سلام کا لفظ دو مرتبہ تکرار کرنے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جنت میں کثرت سے سلام رائج ہو گا۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں معاشرہ کس قدر پیار، محبت، الفت و انس کا معاشرہ ہے۔

وَ اَصۡحٰبُ الۡیَمِیۡنِ ۬ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡیَمِیۡنِ ﴿۲۷﴾ ۲۷۔ اور داہنے ہاتھ والے تو داہنے والوں کا کیا کہنا،

تفسیر آیات

السّٰبِقُوۡنَ کے بعد اَصۡحٰبُ الۡیَمِیۡنِ کے بارے میں تفصیل کا ذکر ہے۔ دوسری جگہ فرمایا:

کُلُّ نَفۡسٍۭ بِمَا کَسَبَتۡ رَهِیۡنَةٌ ﴿ۙ﴾ اِلَّاۤ اَصۡحٰبَ الۡیَمِیۡنِ ﴿ؕ﴾ [۱] ہر شخص اپنے عمل کا گروی ہے سوائے دائیں والوں کے۔

یعنی اصحاب یمین وہ لوگ ہوں گے جو نا مطلوب اعمال کی گرفت سے آزاد ہیں۔

---

[۱] ۷۴ مدثر: ۳۸۔۳۹

فِیۡ سِدۡرٍ مَّخۡضُوۡدٍ ﴿۲۸﴾	۲۸۔ وہ بے خار بیریوں میں،
وَّ طَلۡحٍ مَّنۡضُوۡدٍ ﴿۲۹﴾	۲۹۔ اور کیلوں کے گچھوں،
وَّ ظِلٍّ مَّمۡدُوۡدٍ ﴿۳۰﴾	۳۰۔ اور لمبے سایوں،
وَّ مَآءٍ مَّسۡکُوۡبٍ ﴿۳۱﴾	۳۱۔ اور بہتے پانیوں،

تشریح کلمات

مَّخۡضُوۡدٍ: (خ ض د) ایسے درخت جن کے کانٹے توڑ دیے گئے ہوں انہیں مخضود کہا جاتا ہے۔

مَّنۡضُوۡدٍ: (ن ض د) منضود اس چیز کو کہتے ہیں جس کا گچھا تہ بہ تہ ہو۔

تفسیر آیات

اصحاب یمین کو جنت میں جن نعمتوں سے نوازا جائے گا ان کا ذکر ہے:

۱۔ وہ بیر کے درخت کے سائے میں ہوں گے۔ جنت کے بیر بے خار ہوں گے بلکہ روایات میں آیا ہے کہ جنت کی بیریوں میں خار کی جگہ انواع و اقسام کے میوے ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت کا بیر بالکل وہی نہیں ہے جو دنیا میں ہے بلکہ قریب المعنی ہونے کی وجہ سے بیر کا ذکر ہوا ہے۔

چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

اغۡسِلُوا رُءُوسَکُمۡ بِوَرَقِ السِّدۡرِ فَاِنَّهٗ قَدَّسَهٗ کُلُّ مَلَكٍ مُقَرَّبٍ وَ کُلُّ نَبِیٍّ مُرۡسَلٍ۔۔۔۔[1]	اپنے سروں کو بیر کے پتے سے دھویا کرو چونکہ ہر مقرب فرشتے اور نبی مرسل نے اس کے تقدس کو بیان کیا ہے۔

۲۔ وَّ طَلۡحٍ مَّنۡضُوۡدٍ: اور اصحاب یمین ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے کیلوں میں ہوں گے۔ یعنی تہ بہ تہ کیلوں کے میوؤں سے بھی محظوظ ہوں گے۔

واضح رہے جدید ترین طبی تحقیقات کے مطابق پھلوں کی سرداری سیب کی جگہ کیلے کو حاصل ہو رہی ہے۔

۳۔ وَّ ظِلٍّ مَّمۡدُوۡدٍ: لمبے سائے۔ روایت کے مطابق:

فِی مِثۡلِ مَا بَیۡنَ طُلُوعِ الۡفَجۡرِ اِلَی طُلُوعِ الشَّمۡسِ وَ اَطۡیَبُ مِنۡ ذَلِكَ۔۔۔۔[2]	یہ سائے ایسے ہوں گے جیسے طلوع فجر سے طلوع آفتاب کے درمیانی حصہ کا سایہ ہوتا ہے بلکہ زیادہ پرلطف ہوں گے۔
ان اوقات الجنة کغدوات الصیف لا	جنت کے اوقات موسم بہار کی صبح سویرے کی طرح

[1] الکافی ۱: ۱۲۵ [2] الکافی ۸: ۹۹

یکون فیہ حر و لا برد۔[1] ہوں گے۔ نہ گرمی نہ سردی۔

لَا یَرَوْنَ فِیۡهَا شَمۡسًا وَّ لَا زَمۡهَرِیۡرًا[2] جنت میں نہ دھوپ کی گرمی دیکھنے کا اتفاق ہوگا، نہ سردی کی شدت۔

۴۔ وَّ مَآءٍ مَّسۡکُوۡبٍ: بہتے پانی کا مطلب یہ ہے کہ پانی اوپر سے نیچے کی طرف بہتا ہے تو اس کی صورت آبشار کی ہو سکتی ہے۔

چونکہ پانی کا جاری ہونا اور صورت ہے اور بہنا اور صورت ہے۔ قرآن مجید میں جنت کے پانی کا مختلف تعبیروں کے ساتھ ذکر ملتا ہے:

i۔ فِیۡهَاۤ اَنۡهٰرٌ مِّنۡ مَّآءٍ[3] پانی کی نہریں ہوں گی۔

ii۔ فِیۡهَا عَیۡنٌ جَارِیَةٌ[4] اس میں جاری چشمے ہوں گے۔

iii۔ عَیۡنًا یَّشۡرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ یُفَجِّرُوۡنَهَا تَفۡجِیۡرًا۔[5] یہ ایسا چشمہ ہے جس سے اللہ کے (خاص) بندے پئیں گے اور خود اسے (جیسے چاہیں) جاری کر دیں گے

حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سوموار کے دن مبعوث برسالت ہوئے۔ بدھ کے دن کی صبح کو میں نے اسلام قبول کیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نماز پڑھتے تھے تو میں ان کے دائیں طرف کھڑے ہو کر نماز پڑھتا تھا۔ (بعض دیگر روایات میں اس کے بعد حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی شمولیت کا ذکر ہے۔) مردوں میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ میرے علاوہ کوئی نہ تھا۔ اللہ نے میرے بارے میں آیت وَ اَصۡحٰبُ الۡیَمِیۡنِ ۬ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡیَمِیۡنِ نازل فرمائی۔

ملاحظہ ہو: تاریخ دمشق ۲: ۴۸۔ مناقب خوارزمی حدیث ۸ فصل رابع۔ اس موضوع کی حدیث بروایت ابن مسعود ملاحظہ ہو: مجمع الزوائد باب حالات حضرت خدیجہ۔ شواھد التنزیل ذیل آیت۔

وَّ فَاکِهَةٍ کَثِیۡرَةٍ ﴿۳۲﴾ ۳۲۔ اور فراوان پھلوں میں ہوں گے،

لَّا مَقۡطُوۡعَةٍ وَّ لَا مَمۡنُوۡعَةٍ ﴿۳۳﴾ ۳۳۔ جو نہ ختم ہوں گے اور نہ ان پر کوئی روک ٹوک ہوگی۔

تفسیر آیات

ا۔ یہاں میوے کثرت سے ہوں گے۔ مقدار اور انواع دونوں میں کثرت ہوگی۔ کم پڑنے کی

---

[1] بحار الانوار ۸: ۱۰۹ [2] ۷۶ انسان: ۱۳ [3] ۴۷ محمد: ۱۵ [4] ۸۸ غاشیہ: ۱۲ [5] ۷۶ دھر: ۶

نوبت کبھی نہیں آئے گی اور ایک دو قسموں پر انحصار کرنے کی بھی نوبت نہیں آئے گی۔
۲۔ لَّا مَقۡطُوۡعَۃٍ: یہ میوے موسمی نہ ہوں گے کہ کبھی ہوں اور کبھی نہ ہوں۔ ہر وقت موجود ہوں گے۔
۳۔ وَّ لَا مَمۡنُوۡعَۃٍ: نہ ہی انہیں حاصل کرنے میں کوئی رکاوٹ ہوگی۔ جنت میں اہل جنت کا ارادہ نافذ ہوگا۔ جیسے ہی ارادہ کیا، پھل سامنے آ گیا۔

وَّ فُرُشٍ مَّرۡفُوۡعَۃٍ ﴿۳۴﴾　　۳۴۔ اور اونچے فرش ہوں گے۔

تفسیر آیات

اونچے درجے کے فرش پر ہوں گے یا یہ اونچے درجے کی زوجات ہوں گی چونکہ لفظ فُرُشٍ زوجہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور اس پر اگلی آیت کو قرینہ سمجھا جاتا ہے جس میں هُن کی ضمیر موجود ہے اور ضمیر کا مرجع پہلے مذکور ہونا ضروری ہے وہ فرش ہی ہو سکتا ہے۔

اِنَّاۤ اَنۡشَاۡنٰہُنَّ اِنۡشَآءً ﴿ۙ۳۵﴾　　۳۵۔ ہم نے ان (حوروں) کو ایک انداز تخلیق سے پیدا کیا۔
فَجَعَلۡنٰہُنَّ اَبۡکَارًا ﴿ۙ۳۶﴾　　۳۶۔ پھر ہم نے انہیں باکرہ بنایا۔
عُرُبًا اَتۡرَابًا ﴿ۙ۳۷﴾　　۳۷۔ ہمسر دوست، ہم عمر بنایا۔

تشریح کلمات

22

عُرُباً: (ع ر ب) چاہنے والی بیوی۔

تفسیر آیات

۱۔ لفظ اِنۡشَآءً قرآنی استعمالات میں ایجاد و ابداع کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے:
قُلۡ یُحۡیِیۡہَا الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَہَاۤ اَوَّلَ مَرَّۃٍ ...[1]　　کہد یجیے: انہیں وہی زندہ کرے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔
وَ ہُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ ...[2]　　اور وہی ہے جس نے تم سب کو ایک ہی ذات سے پیدا کیا۔
لہٰذا اس آیت کا اشارہ ان حور العین کی طرف ہو سکتا ہے جنہیں اللہ نے خصوصی طور پر خلق فرمایا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ دنیا کی عورتیں ہیں جنہیں اللہ نے نئے سرے سے خلق فرمایا ہے۔

---
[1] ۳۶ یٰسٓ: ۷۹　　[2] ۶ انعام: ۹۸

۲۔ اِنۡشَآءً :ایک خصوصیت کے ساتھ انہیں خلق فرمایا جس میں قابل توجہ باتیں ہیں۔اگلی آیت میں ان باتوں کا ذکر ہے۔

۳۔ فَجَعَلۡنٰهُنَّ اَبۡكَارًا: فجعلنا میں فاء انشاء کی تفصیل بیان کرنے کے لیے ہے کہ ان عورتوں کو اس طرح خلق فرمایا کہ انہیں کنواری بنایا۔ان کی خلقت میں کنوار پن ودیعت فرمایا کہ ہمیشہ کنواری رہیں۔

۴۔ عُرُبًا: اپنے شوہر کو چاہنے والی ہوں گی۔شوہر پرستی ان میں رچی بسی ہو گی۔بعض کہتے ہیں عُرُبًا کا مطلب ہے اپنے شوہروں سے خوش فعلی کرنے والیاں۔

۵۔ اَتۡرَابًا: یہ زوجات ہم عمر بھی ہوں گی۔اپنے شوہروں کی ہم سن ہوں گی۔بعض کہتے ہیں کہ یہ عورتیں آپس میں ہم سن ہوں گی جب کہ شوہر کی ہم سن ہونا خوبی ہے۔آپس میں ہم سن ہونا شوہروں کے لیے پرکشش نہیں ہے۔

لِّاَصۡحٰبِ الۡيَمِيۡنِ ۝۳۸	۳۸۔(یہ سب) داہنے والوں کے لیے۔
ثُلَّةٌ مِّنَ الۡاَوَّلِيۡنَ ۝۳۹	۳۹۔ایک جماعت اگلوں میں سے ہو گی،
وَثُلَّةٌ مِّنَ الۡاٰخِرِيۡنَ ۝۴۰	۴۰۔اور ایک جماعت پچھلوں میں سے۔

تفسیر آیات

۱۔ جن نعمتوں کا ذکر ہوا ہے یہ اصحاب یمین کے لیے ہیں۔ اصحاب یمین کے بارے میں فرمایا کہ اولین و آخرین میں سے ایک ایک جماعت ہو گی جب کہ سابقین کے بارے میں فرمایا اولین میں سے ایک جماعت ہو گی اور آخرین میں سے تھوڑے لوگ ہوں گے۔ چونکہ اولین میں انبیاء علیہم السلام کے اوصیاء اور ان کی دعوت پر لبیک کہنے میں سبقت لے جانے والے زیادہ ہیں۔

وَاَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ۝۴۱	۴۱۔ رہے بائیں والے تو بائیں والوں کا کیا پوچھنا۔

تفسیر آیات

اصحاب یمین اور ان کے درجات کے بیان کے بعد اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ، ان کی عاقبت اور برے انجام کا ذکر ہے۔اور مَاۤ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ بائیں والوں کا کیا پوچھنا کی تعبیر میں ان پر ٹوٹنے والے عذاب کا اجمالی ذکر ہوا ہے۔آگے تفصیل ہے:

فِیۡ سَمُوۡمٍ وَّ حَمِیۡمٍ ﴿۴۲﴾	۴۲۔ وہ جلتی ہوا اور کھولتے پانی میں،
وَّ ظِلٍّ مِّنۡ یَّحۡمُوۡمٍ ﴿۴۳﴾	۴۳۔ اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں ہوں گے،
لَّا بَارِدٍ وَّ لَا کَرِیۡمٍ ﴿۴۴﴾	۴۴۔ جس میں نہ خنکی ہے اور نہ راحت۔

تفسیر آیات

اصحاب شمال کو تین اطراف سے مختلف اذیتوں کا سامنا ہو گا۔

i۔ بادسموم: ایک طرف سے جلا دینے والی ہوا کی لپیٹ میں ہوں گے جس سے جھلس جائیں گے۔

ii۔ وَّ حَمِیۡمٍ: دوسری طرف سے کھولتے پانی میں ہوں گے جس سے جسم گھل جائیں گے۔

iii۔ وَّ ظِلٍّ مِّنۡ یَّحۡمُوۡمٍ: تیسری طرف سے یہ لوگ یَّحۡمُوۡمٍ کے سایے میں ہوں گے۔ یَّحۡمُوۡمٍ سیاہ دھوئیں کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ الحممۃ سے ہے جو کوئلے کے ٹکڑے کو کہتے ہیں۔ اسے سایہ کہنا از راہ طنز ہے کہ انہیں سایہ کی جگہ سیاہ دھواں ملے گا۔

۴۔ لَّا بَارِدٍ: اس سایے میں نہ خنکی ہو گی نہ قابل ستائش ہو گا۔ عام طور پر سایے سے خنکی اور آرام ملتا ہے لیکن اس جہنمی سایے میں نہ خنکی ہو گی نہ راحت۔

۵۔ وَّ لَا کَرِیۡمٍ: اہل لغت کہتے ہیں: الکریم صفۃ لکل ما یرضی و یحمد۔[1] ہر پسندیدہ قابل ستائش چیز کو کریم کہتے ہیں۔ چنانچہ اس سائے میں نہ پسند کی کوئی چیز ہو گی نہ قابل ستائش بلکہ عذاب کی ایک الگ صورت ہو گی۔

اِنَّہُمۡ کَانُوۡا قَبۡلَ ذٰلِکَ مُتۡرَفِیۡنَ ﴿۴۵﴾	۴۵۔ یہ لوگ اس سے پہلے ناز پروردہ تھے،

تفسیر آیات

یہ لوگ ان مختلف دردناک عذابوں میں مبتلا کیوں ہوئے؟ اس آیت میں اس بات کی وضاحت فرمائی کہ یہ لوگ ناز پرور تھے۔

دولت اور نعمت کی فراوانی سے انسان میں موجود خواہشات کا درندہ اپنے سینگ، دانت اور پنجے نکالتا ہے اور جب اس کی خواہشات بیدار ہو جاتی ہیں تو اس کا کنٹرول ناممکن ہو جاتا ہے۔ یہ درندہ اسے ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔ ہر جرم و گناہ کو زیبا کر کے دکھاتا ہے اور تمام مراعات کو اپنا حق تصور کراتا ہے۔ اس طرح یہ مراعات یافتہ طبقہ جب ہر جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو اس جرم کے ارتکاب کے انجام کا بھی وہ منکر ہو جاتا ہے۔

---
[1] لسان العرب

وَ كَانُوۡا یُصِرُّوۡنَ عَلَی الۡحِنۡثِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۴۶﴾ ۴۶۔ اور گناہ عظیم پر اصرار کرتے تھے،

تشریح کلمات

الۡحِنۡثِ: گناہ کو کہتے ہیں۔ دراصل یہ لفظ قسم توڑنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے:

وَ خُذۡ بِیَدِکَ ضِغۡثًا فَاضۡرِبۡ بِّہٖ وَ لَا تَحۡنَثۡ ...[1] (ہم نے کہا) اپنے ہاتھ میں ایک گچھا تھام لیں اور اسی سے ماریں اور قسم نہ توڑیں۔

لَا تَحۡنَثۡ یعنی قسم نہ توڑ۔ بعض اہل علم نے حنث کے یہ معنی کیے ہیں: قیامت کے انکار پر قسم کھانے کو کہتے ہیں۔ یہ اس لفظ کے لغوی معنی اور شرعی استعمال کے اعتبار سے بہتر تشریح ہے۔

تفسیر آیات

نازپروری اور دولت کے نشے نے انہیں انکار آخرت جیسے عظیم گناہ پر ڈٹ جانے پر آمادہ کیا ہے۔

اصرار کسی گناہ کو جاری رکھنے اور اس سے باز نہ آنے کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

لَا صَغِیرَۃَ مَعَ الْاِصْرَارِ وَ لَا کَبِیرَۃَ مَعَ الْاِسْتِغْفَارِ۔[2] اصرار کے ساتھ گناہ، صغیرہ نہیں رہتا اور استغفار کے ساتھ گناہ، کبیرہ نہیں رہتا۔

وَ كَانُوۡا یَقُوۡلُوۡنَ ۬ۙ اَئِذَا مِتۡنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ ﴿۴۷﴾ ۴۷۔ اور کہا کرتے تھے: کیا جب ہم مر جائیں گے اور خاک اور ہڈیاں بن جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟

اَوَ اٰبَآؤُنَا الۡاَوَّلُوۡنَ ﴿۴۸﴾ ۴۸۔ اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی؟

تفسیر آیات

۱۔ قیامت اور اعادۂ حیات کو وہ اپنے خیال میں ناممکن تصور کرتے تھے کہ جب انسان مٹی اور ہڈی کے ٹکڑوں میں بٹ جاتا ہے تو اسے دوبارہ زندگی ملنا کیسے ممکن ہے؟ اس پر شاہد کے لیے اپنے آباء و اجداد کو پیش کرتے تھے کہ انہیں مرے ہوئے سالہا سال گزر چکے ہیں۔ ان کو کوئی زندہ کر سکتا ہے؟ یہ دیکھئے ابھی تک کوئی انسان زندہ ہو کر اس دنیا میں واپس آیا ہے؟ حالانکہ وہ زمین میں اعادہ حیات کا منظر ہمیشہ دیکھتے ہیں:

---

[1] ۳۸ ص: ۴۴ [2] الکافی ۲: ۲۸۸

وَیُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا ؕ وَکَذٰلِکَ تُخۡرَجُوۡنَ ۝ [1] — اور زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے اور اسی طرح تم بھی نکالے جاؤ گے۔

قُلۡ اِنَّ الۡاَوَّلِیۡنَ وَالۡاٰخِرِیۡنَ ﴿۴۹﴾ — ۴۹۔ کہد یجیے: اگلے اور پچھلے یقیناً،

لَمَجۡمُوۡعُوۡنَ ۬ۙ اِلٰی مِیۡقَاتِ یَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ ﴿۵۰﴾ — ۵۰۔ایک مقررہ دن مقررہ وقت پر جمع کیے جائیں گے۔

تفسیر آیات

۱۔ قُلۡ: ان سے کہد یجیے تمہارے باپ دادا کا کیا ذکر، ان سے پہلے اولین اور قدیم لوگوں کو بھی آخرین کے ساتھ ایک جگہ جمع ہونا ہوگا۔

۲۔ اِلٰی مِیۡقَاتِ: اس مقرر وقت میں جسے اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھا ہے۔اس وقت کے آنے میں نہ تاخیر ہوگی نہ تقدیم۔

۳۔ یَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ: یہ یوم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔

ثُمَّ اِنَّکُمۡ اَیُّہَا الضَّآلُّوۡنَ الۡمُکَذِّبُوۡنَ ﴿۵۱﴾ — ۵۱۔ پھر یقیناً تم اے گمراہو! تکذیب کرنے والو!

لَاٰکِلُوۡنَ مِنۡ شَجَرٍ مِّنۡ زَقُّوۡمٍ ﴿۵۲﴾ — ۵۲۔زقوم کے درخت میں سے کھانے والے ہو۔

فَمَالِـُٔوۡنَ مِنۡہَا الۡبُطُوۡنَ ﴿۵۳﴾ — ۵۳۔ پھر اس سے پیٹ بھرنے والے ہو۔

فَشٰرِبُوۡنَ عَلَیۡہِ مِنَ الۡحَمِیۡمِ ﴿۵۴﴾ — ۵۴۔ پھر اس پر کھولتا ہوا پانی پینے والے ہو۔

فَشٰرِبُوۡنَ شُرۡبَ الۡہِیۡمِ ﴿ؕ۵۵﴾ — ۵۵۔ پھر وہ بھی اس طرح پینے والے ہو جیسے پیاسے اونٹ پیتے ہیں۔

ہٰذَا نُزُلُہُمۡ یَوۡمَ الدِّیۡنِ ﴿۵۶﴾ — ۵۶۔جزا کے دن یہ ان کی ضیافت ہوگی۔

تشریح کلمات

زَقُّوۡمٍ: اس کی سورہ صافات آیت ۶۲ میں تشریح ہوگئی ہے۔

---

[1] ۳۰ روم: ۱۹

اَلْهِيْمِ: شدید پیاس۔ الهیام ایک بیماری کا نام جو اُنٹوں کو لاحق ہوتی ہے اور پیاس لگتی ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ ثُمَّ اِنَّكُمْ: خطاب کفار قریش اور ان کے ہمنواؤں سے ہے۔

الضَّآلُّوْنَ: انبیاء علیہم السلام کے مبعوث ہونے سے پہلے یہ لوگ گمراہی میں تھے اور انبیاء علیہم السلام کے مبعوث ہونے کے بعد یہی لوگ الْمُكَذِّبُوْنَ ہو گئے۔ رسالت اور قیامت کی تکذیب کرنے والے۔

۲۔ لَاٰكِلُوْنَ: جہنم میں انہیں بھوک کا عذاب دیا جائے گا اور کھانے کی شدید خواہش ہو گی۔

زَقُّوْمٍ کے درخت میں سے کھائیں گے۔ زقوم کا درخت سدر کے درخت کے مقابلے میں ہے۔ اس کے بارے میں سورہ دخان آیت ۴۳ تا ۴۵ میں آیا ہے:

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۙ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ۛ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ۙ

بے شک زقوم کا درخت، گناہگار کا کھانا ہے، پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہے جو شکموں میں کھولتا ہے۔

وہ بھوک کے عذاب سے نجات کے لیے زقوم کے درخت سے کھائیں گے تو عذاب میں اضافہ ہو جائے گا۔

۳۔ فَمَالِئُوْنَ: پگھلے ہوئے تانبے کی طرح کی چیز سے اپنے پیٹ بھر لیں گے تو اس سے بھوک میں افاقے کی جگہ پیاس لگے گی۔

۴۔ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ: اس پر کھولتا ہوا پانی پی لیں گے اور اس کھولتے ہوئے پانی کو بھی اتنی تیزی سے پی لیں گے جیسے ایک شدید پیاسا پیتا ہے۔ یعنی اس عذاب بالائے عذاب کو شد و مد کے ساتھ اختیار کریں گے۔ یہ ایک انتہائی اضطراب اور بے چارگی کے عالم کا منظر پیش ہو رہا ہے جس میں مبتلا شخص اس سے نکلنے کی کوشش میں مزید مبتلائے بلا ہو جاتا ہے۔

۵۔ هٰذَا نُزُلُهُمْ: یہ ہے ان کافروں کی ضیافت اور ان کو ملنے والی پذیرائی۔ اس میں کافروں کے لیے ایک قسم کا استہزاء ہے جس طرح فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔[1] "انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیں" اور ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ۔[2] "چکھ، بے شک تو (جہنم کی ضیافت میں) بڑی عزت والا اکرام والا ہے" میں طنز و استہزاء کا لہجہ اختیار کیا گیا ہے۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾

۵۷۔ ہم ہی نے تمہیں پیدا کیا ہے، پھر تم تصدیق کیوں نہیں کرتے؟

---

[1] ۳ آل عمران: ۲۱ [2] ۴۴ دخان: ۴۹

تفسیر آیات

جب ہم نے تمہیں عدم سے خلق کیا ہے، اسے تو تم مانتے ہو تو اعادۂ خلق کی تصدیق کیوں نہیں کرتے؟ خلق کا ماننا اور اعادۂ خلق کا نہ ماننا، کسی منطق کے اعتبار سے قابل توجہ موقف نہیں ہے۔

ہم نے انسانی تخلیق کے بارے میں تفصیل سورۃ النساء آیت ۱۱۹ میں بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ مرد و زن کے دو ناقص سیلز کو جوڑ کر کس طرح ایک کامل سیل تشکیل دیتا ہے۔ پھر اس سیل سے جو نہایت حقیر ناتواں ہے، کس طرح ایک انسان بناتا ہے جو اس کائنات میں اللہ کا ایک عظیم معجزہ ہے:

وَلَئِنۡ سَاَلۡتَہُمۡ مَّنۡ خَلَقَہُمۡ لَیَقُوۡلُنَّ اللّٰہُ فَاَنّٰی یُؤۡفَکُوۡنَ ۝ [1]

اور اگر آپ ان سے پوچھیں: انہیں کس نے خلق کیا ہے؟ تو یہ ضرور کہیں گے: اللہ نے، پھر کہاں الٹے جا رہے ہیں۔

اَفَرَءَیۡتُمۡ مَّا تُمۡنُوۡنَ ﴿۵۸﴾

۵۸۔ یہ تو بتاؤ کہ جس نطفے کو تم (رحم میں) ڈالتے ہو،

ءَاَنۡتُمۡ تَخۡلُقُوۡنَہٗۤ اَمۡ نَحۡنُ الۡخٰلِقُوۡنَ ﴿۵۹﴾

۵۹۔ کیا اس (انسان) کو تم بناتے ہو یا بنانے والے ہم ہیں؟

تفسیر آیات

۱۔ اَفَرَءَیۡتُمۡ: سید رضی فرماتے ہیں: ارئیت کی ترکیب اگرچہ رأیت بمعنی ابصرتَ یا عرفتَ سے منقول ہے۔ گویا کہ کہا گیا ہو: کیا تو نے اس کے عجیب حال کو دیکھا ہے تو مجھے بتاؤ۔ فلا یستعمل الا فی الاستخبار۔ یہ ترکیب صرف حال پوچھنے کے بارے میں استعمال ہوتی ہے۔ لہٰذا درست ترجمہ "یہ تو بتاؤ" ہے۔

۲۔ مَّا تُمۡنُوۡنَ: جو نطفہ تم رحم مادر میں ڈالتے ہو۔ یہ عمل تم نے انجام دیا تو تمہارا کام ختم ہو گیا۔ اس سے آگے کے مراحل میں سے کسی مرحلے میں تمہارا عمل دخل نہیں ہے۔ آگے صرف اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اس بوند سے ایک انسان بناتا ہے۔

ءَاَنۡتُمۡ تَخۡلُقُوۡنَہٗۤ: کیا اس انسان کے خالق تم ہو یا ہم ہیں؟ اگر خالق ہم ہیں تو کیوں نہیں مانتے کہ ہم دوبارہ بھی خلق کر سکتے ہیں۔

---

[1] ۴۳ زخرف: ۸۷

نَحۡنُ قَدَّرۡنَا بَیۡنَکُمُ الۡمَوۡتَ وَ مَا نَحۡنُ بِمَسۡبُوۡقِیۡنَ ﴿۶۰﴾

۶۰۔ ہم ہی نے موت کو تمہارے لیے مقدر کر رکھا ہے اور ہم عاجز نہیں ہیں،

عَلٰۤی اَنۡ نُّبَدِّلَ اَمۡثَالَکُمۡ وَ نُنۡشِئَکُمۡ فِیۡ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۱﴾

۶۱۔ کہ تمہاری شکلوں کو تبدیل کر کے تمہیں ایسی شکلوں میں پیدا کریں جنہیں تم نہیں پہچانتے۔

تفسیر آیات

۱۔ نَحۡنُ قَدَّرۡنَا: ہم تمہارے درمیان موت مقدر کر کے تمہیں اس دنیا سے اٹھا لیتے ہیں اور تمہاری جگہ اور لوگوں کے لے آتے ہیں۔ ہم دنیا میں ایک قوم کو موت کی وادی میں ڈال کر اس کی جگہ نئی قوم زندہ کرنے سے عاجز نہیں ہیں۔

۲۔ وَ نُنۡشِئَکُمۡ: اسی طرح ہم اس سے بھی عاجز نہیں ہیں کہ تمہیں ایسی صورت وشکل میں پیدا کریں جسے تم اس عالم خاکی میں نہیں جانتے۔ وہ عالم اپنے طریقہ حیات و قوانین زندگی میں اس دنیا سے مختلف ہو گا۔ وہاں رحم مادر کی جگہ خاک کے شکم میں انسان کی شکل سازی ہو گی۔ یہاں ارتقائی مراحل کے لیے زمانہ درکار ہے۔ وہاں ایک صور کا پھونکنا کافی ہو گا۔ تمہیں نہیں معلوم وہاں تمہیں زندہ رہنے کے لیے کس قسم کی غذا، ہوا، ماحول کی ضرورت ہے اور اس خاک سے کس قسم اور کس خاصیت کے حامل خلیات وجود میں آئیں گے۔

وَ لَقَدۡ عَلِمۡتُمُ النَّشۡاَۃَ الۡاُوۡلٰی فَلَوۡ لَا تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۶۲﴾

۶۲۔ اور بتحقیق پہلی پیدائش کو تم جان چکے ہو، پھر تم عبرت حاصل کیوں نہیں کرتے؟

تفسیر آیات

۱۔ پہلی پیدائش کے بارے میں تو تم جانتے ہو کہ عالم خاک سے شکلیں بدل کر عالم نبات میں، پھر عالم جرثومہ میں، پھر عالم جنین میں پھر عالم طفولیت میں منتقل ہوتے رہے ہو۔ ہر عالم میں تمہیں آنے والے عالم کے بارے میں کچھ علم نہ تھا۔ ہر عالم کا قانون زندگی دوسرے عالم سے مختلف تھا۔ تخم مادر اور جرثومہ پدر کو خلیہ (Cell) سازی کے قوانین کا علم نہ تھا اور وہ عالم جنین کے حیاتیاتی قوانین سے بے خبر تھے۔ بالکل اسی طرح تم آنے والے عالم کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔

۲۔ فَلَوۡ لَا تَذَکَّرُوۡنَ: پھر تم عبرت حاصل کیوں نہیں کرتے۔ چنانچہ اس جگہ ایک حدیث نبوی ہے۔ فرمایا:

عَجِبْتُ لِلْمُكَذِّبِ بِالنَّشْأَةِ الْأُخْرَى وَ هُوَ يَرَى النَّشْأَةَ الْأُولَى وَ عَجِبْتُ لِلْمُصَدِّقِ بِدَارِ الْخُلُودِ كَيْفَ لَا يَسْعَى لِدَارِ الْخُلُودِ وَ عَجِبْتُ لِلْمُخْتَالِ الْفَخُورِ وَ قَدْ خُلِقَ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ يَعُودُ جِيفَةً۔[1]

مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو نشاۃ آخرت کی تکذیب کرتا ہے حالانکہ وہ نشاۃ اولیٰ کا مشاہدہ کر رہا ہے اور مجھے تعجب ہے دائمی گھر (آخرت) کی تصدیق کرنے والے پر کہ ہمیشہ کے گھر کے لیے سعی کیوں نہیں کرتا اور مجھے تعجب ہے فخر و غرور کرنے والے پر کہ وہ نطفہ سے خلق ہوا ہے پھر مردار بن جانے والا ہے۔

اَفَرَءَیۡتُمۡ مَّا تَحۡرُثُوۡنَ ﴿۶۳﴾

۶۳۔ یہ تو بتاؤ کہ جو کچھ تم بوتے ہو،

ءَاَنۡتُمۡ تَزۡرَعُوۡنَہٗۤ اَمۡ نَحۡنُ الزّٰرِعُوۡنَ ﴿۶۴﴾

۶۴۔ اسے تم اگاتے ہو یا اسے اگانے والے ہم ہیں؟

تشریح کلمات

حرث: زمین میں بیج ڈالنے اور اسے زراعت کے لیے تیار کرنے کو کہتے ہیں۔

زرع: کے اصل معنی انبات یعنی اگانے کے ہیں

تفسیر آیات

ا۔ اس بیج کو جو ہم نے پیدا کیا ہے تم اس خاک میں دفن کرتے ہو جو ہم نے پیدا کی ہے۔ زمین میں بیج ڈالنے کو حرث اور اگانے کو زراعت کہتے ہیں۔ زمین میں بیج ڈالنا اگرچہ لوگوں کا کام ہے تاہم اسے نشو و نما دینا اللہ کا کام ہے۔ اس لیے فرمایا: اس میں روئیدگی تم نے پیدا کی ہے یا ہم نے؟ خاک کے شکم میں دفن دانے کو چاک کر کے اسے زندہ کرنے والے ہم ہیں یا تم؟ اگر ہم ہیں تو پھر اعادۂ حیات میں اسی نکتے کو کیوں نہیں مانتے؟

لَوۡ نَشَآءُ لَجَعَلۡنٰہُ حُطَامًا فَظَلۡتُمۡ تَفَکَّہُوۡنَ ﴿۶۵﴾

۶۵۔ اگر ہم چاہیں تو اسے ریزہ ریزہ کر دیں پھر تم حیرت زدہ، بڑبڑاتے رہ جاؤ،

اِنَّا لَمُغۡرَمُوۡنَ ﴿۶۶﴾

۶۶۔ کہ ہم پر تو تاوان پڑ گیا،

بَلۡ نَحۡنُ مَحۡرُوۡمُوۡنَ ﴿۶۷﴾

۶۷۔ بلکہ ہم تو محروم رہ گئے۔

[1] مستدرک الوسائل ۱۲: ۹۲

تفسیر آیات

ا۔ لَوۡ نَشَآءُ: اگر ہم چاہیں تو یہ زراعت نتیجہ خیز نہ ہو، اپنے پورے مراحل طے نہ کر پائے۔ ہماری گرفت میں ہے، چاہیں تو یہ زراعت تمہاری معیشت کو سہارا دے، چاہیں تو اسے بھس بنا کر ریزہ ریزہ کر دیں۔ پھر اپنے خسارے اور اپنی محرومی پر گریہ کناں ہو جاؤ لیکن یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ وہ اس کھیتی کو تباہی سے بچاتا اور فصل دینے کی قابل بنا دیتا ہے۔

تو کیا اس ذات کے قبضہ قدرت میں نہیں ہے کہ اسی زمین کے شکم سے تمہیں بھی زندہ کر دے۔

اَفَرَءَيۡتُمُ الۡمَآءَ الَّذِىۡ تَشۡرَبُوۡنَ ﴿۶۸﴾ ۶۸۔ یہ تو بتاؤ کہ جو پانی تم پیتے ہو،

ءَاَنۡتُمۡ اَنۡزَلۡتُمُوۡهُ مِنَ الۡمُزۡنِ اَمۡ نَحۡنُ الۡمُنۡزِلُوۡنَ ﴿۶۹﴾ ۶۹۔ اسے بادلوں سے تم برساتے ہو یا اس کے برسانے والے ہم ہیں؟

تفسیر آیات

تمام شیرین پانی خواہ زیر زمین ہو یا چشموں، نالوں اور دریاؤں میں، سب کا سرچشمہ بارش ہے۔ اگر ایک خاص درجہ حرارت پر اللہ تعالیٰ سمندروں کا پانی بھاپ میں تبدیل نہ کرتا، اللہ کی خلق کردہ ہوائیں اسے نہ اُٹھاتیں، خاص برودت سے ٹکرانے پر اس بھاپ کو بادل میں، پھر اس بادل کو پانی کے قطروں میں تبدیل نہ کرتا، پھر وسیع زمین کو پانی کے ذخائر فراہم نہ کرتا تو تم ان کاموں میں سے کون سا کام انجام دے سکتے تھے؟

کیا اس قادر مطلق ذات کے لیے اعادۂ حیات مشکل کام ہے؟

لَوۡ نَشَآءُ جَعَلۡنٰهُ اُجَاجًا فَلَوۡ لَا تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۷۰﴾ ۷۰۔ اگر ہم چاہیں تو اسے کھارا بنا دیں پھر تم شکر کیوں نہیں کرتے ؟

تفسیر آیات

اگر ہم سمندر کا کھارا پانی بھاپ کے ذریعہ صاف نہ کرتے اور بھاپ میں یہ خصوصیت نہ ہوتی کہ وہ ساری آمیزشوں کو سمندر میں چھوڑ کر فضا میں بلند ہو جائے تو تم اس کھارے پانی کو اتنی بڑی مقدار میں آب شیرین میں بدل سکتے تھے؟

اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ۝٧١ ۔ پھر تو بتاؤ کہ جو آگ تم سلگاتے ہو،

ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ۝٧٢ ۔ اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا یا اس کے پیدا کرنے والے ہم ہیں؟

تشریح کلمات

تُوْرُوْنَ: ایراء آگ جلانے کو کہتے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ: آگ کا انکشاف اور اس کی تسخیر انسان کا بہت بڑا کارنامہ ہے جس نے انسان کی ثقافت و تہذیب کو یکسر بدل کر رکھ دیا اور تمدن کا دور شروع ہو سکا۔ آگ نے انسان کے لیے تسخیر طبیعت ممکن بنا دی۔ اسی سے انسان نے صنعت میں قدم رکھا اور ایجادات کی صلاحیتیں بیدار ہوئیں۔

۲۔ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ: قدیم زمانے میں اہل عرب ہری ٹہنیاں آپس میں رگڑ کر آگ پیدا کرتے تھے۔ آج بھی بعض قبائل میں یہی طریقۂ کار رائج ہے۔ اوپر والی ٹہنی کو وہ زند یا زناد کہتے تھے اور نیچے والی ٹہنی کو زندۃ کہتے تھے۔

نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ۝٧٣ ۔ ہم ہی نے اس (آگ) کو یاددہانی کا ذریعہ اورضرورت مندوں کے لیے سامان زندگی بنایا۔

تشریح کلمات

مقوی: المقوی وہ شخص جو قواء میں داخل ہونے والا ہے اور قواء بیابان کو کہتے ہیں۔ یہ لفظ محتاج اور نادار کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ کہتے ہیں اقوی الرجل بندہ محتاج ہوا۔

تفسیر آیات

جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً: ہم نے اس آتش کو آتش جہنم سے بچنے کے لیے تذکر کا ذریعہ بنا دیا۔ اسی آگ سے علم ہوتا ہے کہ آگ میں جلنے سے کس قسم کا عذاب ہوتا ہے۔

۲۔ وَّمَتَاعًا: اور ہم نے اس آتش کو انسان کے سامان زیست اور متاع حیات میں قرار دیا۔ کل کے انسان کی زندگی میں آتش کا کردار ناقابل ذکر تھا لیکن آج کل کے انسان کی زندگی سے آتش کو حذف کر دیا جائے تو صنعت و ٹیکنالوجی، حمل و نقل کے ذرائع و دیگر ذرائع معیشت و زندگی ختم اور نابود ہو جائیں اور

انسان عصر حجر میں واپس آ جائے۔

۳۔ لِّلۡمُقۡوِیۡنَ: مقوین کی ایک تفسیر مسافرین سے کی گئی ہے کہ مسافرین آتش کے زیادہ محتاج ہیں۔ مقوی کا دوسرا معنی محتاج ہے یعنی یہ آتش، متاع ہے زیادہ محتاج کی، متاع حیات ہے محتاجین کی۔ یہی معنی زیادہ مناسب ہے۔

فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الۡعَظِیۡمِ ﴿۷۴﴾ ۷۴۔ پس اپنے عظیم رب کے نام کی تسبیح کرو۔

تفسیر آیات

۱۔فا برائے بیان نتیجہ ہے۔ جب مشرکین اللہ کی بندگی سے منہ موڑتے ہیں اور قیامت و اعادۂ حیات کا انکار کرتے ہیں تو اے رسول آپ اپنے عظیم رب کی تسبیح کرتے رہیں۔

روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلى الله عليه وآله وسلم نے فرمایا:

اِجْعَلُوهَا فِي رُكُوعِكُمْ۔[1] اسے اپنے رکوع کا ذکر قرار دو۔

یعنی اپنے رکوع میں سبحان ربی العظیم وبحمدہ پڑھو۔

۲۔ بِاسۡمِ رَبِّکَ: میں باء استعانت کے لیے ہے تو معنی یہ ہوں گے اپنے رب کے اسم سے مدد لے کر تسبیح کرو۔ اگر باء ملابسہ کے لیے ہے تو معنی یہ ہوں گے اپنے عظیم رب کے اسم کے ساتھ یعنی رب کا نام لے کر تسبیح کرو۔ چونکہ اسم سے مسمی کا تعین ہوتا ہے اور ہر قسم کے شرک کی نفی ہوتی ہے۔

فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِ ﴿۷۵﴾ ۷۵۔ میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے مقامات کی۔

وَ اِنَّہٗ لَقَسَمٌ لَّوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عَظِیۡمٌ ﴿۷۶﴾ ۷۶۔ اور اگر تم سمجھو تو یہ یقیناً بہت بڑی قسم ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ فَلَاۤ اُقۡسِمُ: میں لا کو زائد مانتے ہیں۔ فعل، قسم سے پہلے لا کا ذکر کلام عرب میں رائج ہے۔ بعض کے نزدیک الف زائدہ ہے اور اصل میں لأقسم ہے۔ بعض اسے لام ابتدا کہتے ہیں۔ اصل میں لأنا أقسم ہے۔ فلکیات کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ ستاروں کے مقامات کی کیا عظمت ہے۔ کائنات کی اربوں کہکشاؤں میں ہماری کہکشاں، جس میں ہمارا شمسی نظام واقع ہے، کئی ملین ستاروں پر مشتمل ہے۔ کہکشاؤں

[1] الفقیہ ۱: ۳۱۵

کے بارے میں نہایت حیرت انگیز انکشافات کا سلسلہ جاری ہے۔ بعض کہکشاؤں کی روشنی اربوں سال سے چلی ہوئی ہے اور ابھی تک ہم تک نہیں پہنچی۔

۲۔ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ: عصر نزول قرآن میں لوگ اپنی قدرتی آنکھوں سے جن ستاروں کا مشاہدہ کرتے تھے اس کے مطابق بھی ستاروں کے مقامات عظیم ہیں۔ اب جدید انکشافات کی روشنی میں اس قسم کی عظمت کا اگرچہ بہتر اندازہ ہوا ہے تاہم خود خالق جانتا ہے کہ اس قسم کی کیا عظمت ہے۔

لَّوۡ تَعۡلَمُوۡنَ: اگر تم جانتے ہو کی تعبیر بتاتی ہے کہ مواقع النجوم ستاروں کے مقامات کے بارے میں انسان کا علم عصر نزول قرآن اور ہمارے زمانوں میں اور آنے والے زمانوں میں بھی نہایت محدود ہے۔

اِنَّهٗ لَقُرۡاٰنٌ كَرِيۡمٌ ۙ‏ ﴿۷۷﴾
فِىۡ كِتٰبٍ مَّكۡنُوۡنٍ ۙ‏ ﴿۷۸﴾
لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الۡمُطَهَّرُوۡنَ ؕ‏ ﴿۷۹﴾
تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ‏ ﴿۸۰﴾

۷۷۔ کہ یہ قرآن یقیناً بڑی تکریم والا ہے،
۷۸۔ جو ایک محفوظ کتاب میں ہے،
۷۹۔ جسے صرف پاکیزہ لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔
۸۰۔ یہ عالمین کے پروردگار کی طرف سے نازل کردہ ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ ستاروں کی قسم کھانے اور اس قسم کی عظمت بیان کرنے کے بعد فرمایا: اِنَّهٗ لَقُرۡاٰنٌ كَرِيۡمٌ یہ بڑے اکرام والا اور قابل ستائش قرآن ہے۔ نہ یہ کاہنوں کا قول ہے، نہ مجنون کا، نہ داستان پارینہ ہے بلکہ یہ قرآن کریم ہے۔ قسم اور مضمون قسم میں ربط اس طرح ہو سکتا ہے کہ جس ذات نے اس محکم، مضبوط اور منظم کائنات کو خلق فرمایا ہے اسی نے قرآن کو ایک محکم مضبوط اور منظم قانون اور جامع نظام حیات کے طور پر نازل فرمایا ہے۔ جس طرح کائنات کے نظام میں کوئی خلل نہیں ہے اسی طرح قرآن میں دیے ہوئے نظام حیات، اس کے قوانین میں کوئی خلل نہیں ہے۔ اس قرآن میں بھی کوئی خلل نہیں ہے۔

۲۔ فِىۡ كِتٰبٍ مَّكۡنُوۡنٍ: یہ قرآن محفوظ کتاب میں ہے۔ اس سے مراد لوح محفوظ ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے:

بَلۡ هُوَ قُرۡاٰنٌ مَّجِيۡدٌ ۞ فِىۡ لَوۡحٍ مَّحۡفُوۡظٍ ۞ [1]

بلکہ یہ قرآن بلند پایہ ہے۔ لوح محفوظ میں (ثبت) ہے۔

یعنی قرآن کا اصل مستقر لوح محفوظ ہے جہاں سے یہ نازل ہوا ہے۔ اپنے اصل مستقر میں یہ قرآن ہر قسم کے

---
[1] ۸۵ بروج: ۲۱۔۲۲

تغیر اور تبدل سے محفوظ ہے۔ یہ محفوظ لوح اس بات کی ضمانت ہے کہ یہاں سے نازل ہونے کے بعد ہر قسم کی تحریف سے محفوظ رہے گا۔ چنانچہ اس کی صراحت اس آیت میں موجود ہے:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۝۱ — اس ذکر کو یقیناً ہم ہی نے اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

محفوظ لوح سے نازل ہونے والے الذکر کے ہم ہی محافظ ہیں۔

۳۔ لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الۡمُطَهَّرُوۡنَ: قرآن کی حقیقتوں تک رسائی پاکیزہ ہستیوں کے لیے ہی ممکن ہے۔ یعنی ایک تو وہ فرشتے جو اسے نازل کرتے ہیں، دوسری وہ ہستیاں جن کے گھروں میں قرآن نازل ہوا ہے۔ چنانچہ انہیں آیہ تطہیر نے مطہر قرار دیا ہے۔

وضو اور غسل کے بعد انسان مطہر نہیں، متطہر ہو جاتا ہے جو آیت کا مصداق قرار نہیں پاتا۔ لہٰذا بغیر وضو اور جنابت کی صورت میں بغیر غسل قرآن کی تحریر کو مس کرنا جائز نہ ہونا اس آیت کے ذریعہ نہیں ہے بلکہ الگ دلیل کی وجہ سے ہے۔ البتہ معصوم کی ایک روایت میں بغیر وضو اور جنابت کی حالت میں مس کرنا جائز نہ ہونے پر اس آیت سے استدلال فرمایا ہے۔۲

فقہ جعفری کے مطابق قرآنی تحریر کو ہاتھ لگانا بغیر وضو اور جنابت، حیض اور نفاس کی صورت میں بغیر غسل جائز نہیں ہے۔

۴۔ تَنۡزِیۡلٌ: یہ قرآن اس ہستی کی طرف سے نازل ہوا ہے جو عالمین کا رب ہے۔ اس قرآن کا سیاق و سباق، اس کی تعلیمات، اس کا نظم و بیان، اس میں موجود دلائل و براہین اور اس کا بیان کردہ دستور حیات اور حقائق سب بتاتے ہیں کہ یہ عالمین کے واحد رب کی طرف سے نازل کردہ ہے۔

۳۵

اَفَبِهٰذَا الۡحَدِیۡثِ اَنۡتُمۡ مُّدۡهِنُوۡنَ ۝۸۱ — ۸۱۔ کیا تم اس کلام کے ساتھ بے اعتنائی برتتے ہو؟

وَ تَجۡعَلُوۡنَ رِزۡقَکُمۡ اَنَّکُمۡ تُکَذِّبُوۡنَ ۝۸۲ — ۸۲۔ اور تم تکذیب کرنے کو ہی اپنا حصہ قرار دیتے ہو؟

تفسیر آیات

۱۔ اَفَبِهٰذَا الۡحَدِیۡثِ: رب العالمین کی طرف سے نازل کردہ کتاب کو اپنے لیے ذریعہ ہدایت و سعادت بنانے کی جگہ اس سے بے اعتنائی کرتے ہو۔ گویا کہ یہ قابل اعتنا نہیں ہے۔

---

۱ ۱۵ حجر: ۹ ۲ تہذیب ۱: ۱۲۷ باب الاغسال

۲۔ وَتَجۡعَلُوۡنَ رِزۡقَکُمۡ : کیا تم نے تکذیب قرآن کو اپنا ذریعہ معاش بنا رکھا ہے۔ اس خیال سے کہ قرآن پر ایمان لانے سے تمہاری معیشت تباہ ہو جائے گی یا یہ کہ تم تکذیب قرآن سے اپنی روزی بناتے اور اپنی دوکان چمکاتے ہو۔ ایک روایت میں رِزۡقَکُمۡ کی جگہ شکر کم آیا ہے۔ یعنی تم شکر کی جگہ تکذیب کرتے ہو۔ ایک تفسیر حذف مضاف کے تحت بھی ہے:

وتجعلون شکر رزقکم التکذیب۔[1] کیا تم اپنے روزی کے شکر کی جگہ تکذیب کرتے ہو؟

فَلَوۡلَاۤ اِذَا بَلَغَتِ الۡحُلۡقُوۡمَ ﴿۸۳﴾ ۸۳۔ پس جب روح حلق تک پہنچ چکی ہوتی ہے،

وَ اَنۡتُمۡ حِیۡنَئِذٍ تَنۡظُرُوۡنَ ﴿۸۴﴾ ۸۴۔ اور تم اس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو،

تفسیر آیات

ا۔ جب تمہاری جان حلق تک آ جاتی اور موت سامنے ہوتی ہے تو تم پر حقائق کھل جاتے ہیں۔

تَنۡظُرُوۡنَ: تم حقائق دیکھ رہے ہوتے ہو۔ عالم دنیا سے اس کا ربط کٹ چکا ہوتا ہے۔ اب جو کچھ وہ دیکھ رہا ہوتا ہے تم نہیں دیکھ سکتے۔ نہ وہ تم سے مدد لے سکتا ہے، نہ تم اس کی مدد کر سکتے ہو، نہ وہ حالت تمہیں بتا سکتا ہے جو اس پر گزر رہی ہے۔

واضح رہے کہ جب موت کسی کے سامنے آتی ہے تو اس دنیا سے اس کا ربط منقطع ہو جاتا ہے اور اس پر حقائق کھل جاتے ہیں۔ اب وہ فرشتوں کو دیکھ لیتا اور ان کی آواز سن لیتا ہے۔

وَلَوۡ تَرٰۤی اِذۡ یَتَوَفَّی الَّذِیۡنَ کَفَرُوا ۙ الۡمَلٰٓئِکَۃُ یَضۡرِبُوۡنَ وُجُوۡہَہُمۡ وَ اَدۡبَارَہُمۡ ۚ وَ ذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡحَرِیۡقِ ﴿۵۰﴾[2]

اور کاش آپ (اس صورت حال کو) دیکھ لیتے جب فرشتے (مقتول) کافروں کی روحیں قبض کر رہے تھے، ان کے چہروں اور پشتوں پر ضربیں لگا رہے تھے اور (کہتے جا رہے تھے) اب جلنے کا عذاب چکھو۔

وَ نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡہِ مِنۡکُمۡ وَ لٰکِنۡ لَّا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۸۵﴾ ۸۵۔ اور (اس وقت) تمہاری نسبت ہم اس شخص (مرنے والے) کے زیادہ قریب ہوتے ہیں لیکن تم نہیں دیکھ سکتے۔

تفسیر آیات

اور اللہ اس احتضار اور جان کنی کی حالت میں موجود شخص کے تم سے زیادہ قریب ہے یعنی از روئے

---

[1] بحار الانوار ۵۵: ۳۱۲ [2] ۸ انفال: ۵۰

علم و آگہی تم سے زیادہ قریب ہے۔تم تو صرف اس کی جان کنی کی ظاہری حالت کو دیکھ رہے ہو لیکن تمہارے علم میں نہیں ہے کہ اس پر کیا گزر رہی ہے۔

۲۔ وَلٰکِنۡ لَّا تُبۡصِرُوۡنَ: لیکن تم دیکھ نہیں سکتے ہم کتنے قریب سے اس کا حال دیکھ رہے ہوتے ہیں۔

فَلَوۡ لَاۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ غَیۡرَ مَدِیۡنِیۡنَ ﴿۸۶﴾ ۸۶۔پس اگر تم کسی کے زیر اثر نہیں ہو،

تَرۡجِعُوۡنَہَاۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۸۷﴾ ۸۷۔اور تم اپنی اس بات میں سچے ہو تو (اس نکلی ہوئی روح کو) واپس کیوں نہیں لے آتے؟

تشریح کلمات

مدین: مملوک اور محکوم کو کہتے ہیں۔

تفسیر آیات

ا۔ اگر تم اللہ کی مملوک اور محکوم نہیں ہو، تم خود مختار ہو، اپنا راستہ خود بنا سکتے ہو تو اس روح کو جب وہ حلق تک پہنچ چکی ہے واپس کیوں نہیں لاتے، اگر تم اپنے زعم میں سچے ہو کہ ہم اللہ کے زیر اثر نہیں ہیں اور اللہ ہمیں دوبارہ زندہ نہیں کرے گا۔

فَاَمَّاۤ اِنۡ کَانَ مِنَ الۡمُقَرَّبِیۡنَ ﴿۸۸﴾ ۸۸۔پھر اگر وہ (مرنے والا) مقربین میں سے ہے۔

فَرَوۡحٌ وَّ رَیۡحَانٌ ۬ۙ وَّ جَنَّتُ نَعِیۡمٍ ﴿۸۹﴾ ۸۹۔تو (اس کے لیے) راحت اور خوشبودار پھول اور نعمت بھری جنت ہے۔

تشریح کلمات

رَوح: سانس کو کہتے ہیں۔اسی سے راحت کو رَوح کہتے ہیں چونکہ سانس انسان کے لیے راحت جان ہے۔راغب نے کہا ہے رَوح اور رُوح ایک ہی ہیں۔

رَیۡحَانٌ: ریحان کے ایک معنی رزق کے ہیں اور یہ خوشبو کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسنین علیہما السلام کے بارے میں فرمایا:

اِنَّ رَیْحَانَتَیَّ مِنَ الدُّنْیَا الْحَسَنُ وَ الْحُسَیْنُ ...۔[1] حسن اور حسین (علیہا السلام) دنیا میں میری خوشبو ہیں۔

---

[1] الکافی ۶:۲

یہاں سے بعض نے ریحان کے معنی میں کہا ہے کہ جس سے طبیعت کو انبساط اور کیف و سرور مل جائے اسے ریحان کہتے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ابتدائے سورہ میں بیان کردہ تین گروہوں کے بارے میں حالت احتضار اور جان کنی کی حالت کا بیان ہے کہ اگر وہ مرنے والا مقربین میں سے ہے تو جان کنی کے وقت وہ رَوح یعنی راحت و آرام میں ہوگا۔ جان کنی کی تکلیف نہ ہوگی اور ساتھ ریحان میں ہوگا جس طرح انسان کسی اچھی خوشبو سے کیف و سرور میں ہوتا ہے۔

۲۔ وَّ جَنَّتُ نَعِیۡمٍ : اور بعد از مرگ نعمتوں والی جنت میں ہو گا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام روایت ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

فَاَمَّاۤ اِنۡ کَانَ مِنَ الۡمُقَرَّبِیۡنَ فَرَوۡحٌ وَّ رَیۡحَانٌ یعنی فی قبرہ وَّ جَنَّتُ نَعِیۡمٍ یعنی فی الآخرۃ...[1]

اگر وہ مقربین میں سے ہے تو اس کے لیے قبر میں رَوح اور ریحان ہے اور آخرت میں جَنَّتُ نَعِیۡمٍ ہے۔

وَ اَمَّاۤ اِنۡ کَانَ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡیَمِیۡنِ ﴿۹۰﴾ فَسَلٰمٌ لَّکَ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡیَمِیۡنِ ﴿۹۱﴾

۹۰۔اور اگر وہ اصحاب یمین میں سے ہے،
۹۱۔تو (اس سے کہا جائے گا) تجھ پر اصحاب یمین کی طرف سے سلام ہو۔

تفسیر آیات

۱۔اگر مرنے والا اصحاب یمین کا فرد ہے تو اصحاب یمین کی طرف سے سلام کے ساتھ اس کا استقبال ہو گا۔

واضح رہے کہ جان کنی کے وقت انسان پر حقائق منکشف ہو جاتے ہیں۔ اہل جنت کو جنت کی بشارت اور جہنمی کو جہنم کی خبر دی جاتی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سورہ نحل آیت ۳۲۔

وَ اَمَّاۤ اِنۡ کَانَ مِنَ الۡمُکَذِّبِیۡنَ الضَّآلِّیۡنَ ﴿۹۲﴾

۹۲۔اور اگر وہ (مرنے والا) تکذیب کرنے والے گمراہوں میں سے ہے،

---

[1] امالی للصدوق:۲۹۰

فَنُزُلٌ مِّنۡ حَمِیۡمٍ ﴿۹۳﴾ ۹۳۔ تو (اس کے لیے) کھولتے پانی کی ضیافت ہے۔
وَّ تَصۡلِیَۃُ جَحِیۡمٍ ﴿۹۴﴾ ۹۴۔ اور بھڑکتی آگ میں تپایا جانا ہے۔

تفسیر آیات

ا۔ اگر مرنے والا تکذیبی عناصر اور گمراہ لوگوں میں سے ہے تو مرتے ہوئے ہی اس کا نزع روح کھولتا پانی حلق میں اترنے کی طرح ہو گا یا کھولتے ہوئے پانی کی طرح کا عذاب دیا جائے گا۔

۲۔ وَّ تَصۡلِیَۃُ جَحِیۡمٍ : اور آخرت میں جہنم میں تپا دیا جائے گا۔

تَصۡلِیَۃُ : صلی سے ہے۔ تپانا، جلانا۔ کہتے ہیں: اصلاہ و صلاہ الفاہ للاھراق۔ اکثر مترجمین ومفسرین نے مادہ ص ل ی کا وص ل سے معنی کیا ہے۔ مثلاً سیصلون کو سیصلون وصل سے معنی کیا ہے۔ نصیھم نارا، نوصلھم نارا سے معنی کیا ہے۔ نصلیہ جہنم کا نوصلہ جہنم سے معنی کیا ہے جو اشتباہ ہے۔

اِنَّ ہٰذَا لَہُوَ حَقُّ الۡیَقِیۡنِ ﴿ۚ۹۵﴾ ۹۵۔ یہ سب سراسر حق پر مبنی قطعی ہے۔
فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الۡعَظِیۡمِ ﴿٪۹۶﴾ ع ۲ ۱۱ ۹۶۔ پس (اے نبی) اپنے عظیم رب کے نام کی تسبیح کیجیے۔

تفسیر آیات

ا۔ اِنَّ ہٰذَا: یہ سب جو قرآن میں بیان کیا گیا یا اس سورۃ المبارکہ میں بیان ہوا ہے یا تین گروہوں کے بارے میں جو کچھ بیان ہوا ہے، وہ حق الیقین ہے۔

۲۔ الۡیَقِیۡنِ: واضح رہے حق، امر واقع کو کہتے ہیں اور یقین اس عقیدے کو کہتے ہیں جس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو۔ لہٰذا وہ دونوں کبھی جدا ہو جاتے ہیں۔ ایک بات حق اور امر واقع ہے لیکن اس پر یقین حاصل نہیں ہے بلکہ لوگوں کو اس میں شک ہوتا ہے اور کبھی لوگ اس واقع کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں۔ آیت میں فرمایا: جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ ایسا حق ہے جو یقین کے ساتھ ہے۔ یعنی ایسا حق، واقع اور حقیقت ہے جس پر یقین ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ وہ باتیں ہیں جن پر یقین اور حق دونوں کا اتفاق ہے۔

۳۔ فَسَبِّحۡ: فاء نتیجہ بیان کرنے کے لیے ہے۔ پس جب ایسا ہے تو اپنے عظیم رب کے اسم کے ساتھ تسبیح کرو۔ اس آیت کی تشریح اسی سورہ کی آیت ۷۴ میں ہو چکی ہے۔

سُوْرَۃُ الْحَدِیْدِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اس سورة مبارکہ کا نام آیت وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ .... (۲۵) سے مأخوذ ہے۔ یہ سورة مدنی ہے۔آیات کی تعداد کوفی قرائت کے مطابق انتیس (۲۹) اور دوسری قرائتوں کے مطابق اٹھائیس (۲۸) ہے۔

ظاہراً یہ سورة مدینہ میں اسلامی معاشرہ کی تشکیل کی ابتداء میں نازل ہوئی ہو گی جہاں مٹھی بھر مسلمان ہر طرف سے مشرکین کے نرغے میں تھے۔ اسلامی تعلیمات کے ساتھ ایسے حالات میں جانی و مالی قربانی کی زیادہ ضرورت پیش آ رہی تھی جس کی وجہ سے اس سورة میں راہ خدا میں مال خرچ کرنے پر زور دیا گیا ہے اور بخل کی مذمت کی گئی ہے۔

سورة مسبحات: واضح رہے سورہ ہائے حدید، حشر، صف، جمعة اور تغابن کو مسبحات کہا جاتا ہے چونکہ ان تمام سورتوں کی ابتداء سبح یا یسبح سے ہوتی ہے۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت ہے۔ توحید کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ عَلِمَ اَنَّهُ يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ اَقْوَامٌ مُتَعَمِّقُونَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالىٰ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَ الْآيَاتِ مِنْ سُورَةِ الْحَدِيدِ اِلَى قَوْلِهِ وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ فَمَنْ رَامَ وَرَاءَ ذٰلِكَ فَقَدْ هَلَكَ۔[1]

اللہ عز و جل کو علم تھا کہ آخر الزمان میں ایسے لوگ ہوں گے جو گہرائی میں جائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور سورہ حدید کی آیات وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ تک نازل فرمائیں۔ پس جو اس سے آگے جائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔

یعنی جو اللہ نے بتایا ہے اس سے سے زیادہ گہرائی میں جائے گا تو وہ ہلاک ہو جائے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①

بنام خدائے رحمن رحیم

۱۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور وہی بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔

---

[1] الکافی ۱: ۹۱

تفسیر آیات

کل موجودات کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کا ذکر قرآن مجید میں متعدد مقامات میں آیا ہے۔
سورہ نور آیت ۴۱ میں فرمایا:

كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ... ان میں سے ہر ایک کو اپنی نماز اور تسبیح کا علم ہے۔

تمام موجودات میں سے ہر ایک کو اپنی نماز اور تسبیح کا علم ہے کہ کس طرح انجام دینا ہے۔ سورہ بنی اسرائیل آیت ۴۴ میں فرمایا:

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ... اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی ثنا میں تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲

۲۔ آسمانوں اور زمین کی سلطنت اسی کی ہے، وہی زندگی اور (وہی) موت دیتا ہے اور وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ کسی چیز کا مالک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس میں ہرگونہ تصرف کر سکتا ہے۔ یہ تعریف صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت پر صادق آتی ہے چونکہ غیر اللہ اپنی مملوک پر ہرگونہ تصرف نہیں کر سکتا۔ وہ صرف استفادہ کر سکتا ہے ۔وہ اپنے مملوک کی موت و حیات کا مالک نہیں ہے۔ وہ اپنی مملوک کو عدم سے وجود میں نہیں لا سکتا، نہ وجود میں آنے کے بعد اسے ارتقا دے سکتا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا حقیقی مالک ہے چونکہ اللہ کی قدرت کاملہ ان سب پر محیط ہے۔ چنانچہ اس آیت کے مطابق مالکیت قدرت کاملہ کا نتیجہ ہے۔ وہ ہر شے پر قادر ہے لہٰذا ہر شے اس کی ملکیت میں ہے۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۳

۳۔ وہی اول اور وہی آخر ہے نیز وہی ظاہر اور وہی باطن ہے اور وہ ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ: اللہ تعالیٰ کا اول ہونا کسی زمانے کے اعتبار سے نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ زمانے

سے ماوراء ہے۔ چنانچہ حضرت امام حسن علیہ السلام کی روایت ہے کہ ایک خطبے میں آپ علیہ السلام نے فرمایا:

الحمد للّٰہ الذی لم یکن لہ اول معلوم ولا آخر متناہ۔[۱]

حمد ہے اس اللہ کے لیے جس کا اول نامعلوم اور آخر لامتناہی ہے۔

یعنی نہ اول کی ابتدا معلوم ہے اور نہ آخر کی انتہا۔

اللہ کا اول ہونا اس اعتبار سے ہے کہ اس سے پہلے کوئی شے نہیں ہے جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام سے مروی فرمان ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْاَوَّلِ فَلَا شَیْءَ قَبْلَہُ وَ الْاٰخِرِ فَلَا شَیْءَ بَعْدَہٗ...[۲]

حمد ہے اس اللہ کے لیے جو اول ہے۔ اس سے پہلے کوئی شے نہیں ہے اور آخر ہے اس کے بعد کوئی شے نہ ہو گی۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کی روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

لَوْ کَانَ قَبْلَہُ شَیْءٌ کَانَ الْاَوَّلَ ذٰلِکَ الشَّیْءُ لَا ھٰذَا وَ کَانَ الْاَوَّلُ اَوْلٰی بِاَنْ یَکُونَ خَالِقاً لِلْاَوَّلِ...[۳]

اگر اللہ سے پہلے کوئی چیز ہوتی تو وہی اول ہو جاتی نہ یہ اور وہ اول ہی اول ہونے کی وجہ سے خالق ہو جاتا۔

التوحید میں للاول کی جگہ للثانی ہے جو زیادہ قرین واقع معلوم ہوتا ہے۔ یعنی وہ اول ہی ثانی کا خالق ہوتا نیز جب اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے تو اللہ کا ہر چیز سے پہلے ہونا ضروری ہے ورنہ اگر کوئی چیز اللہ سے پہلے موجود ہے تو اس پر اللہ کی قدرت نہیں ہے۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے تو کوئی شے اس کے احاطۂ قدرت سے خارج نہیں ہے۔ نہ اس سے پہلے کوئی چیز موجود ہے، نہ اس کے بعد کوئی چیز موجود رہ جاتی ہے۔

۲۔ وَالظَّاھِرُ وَ الْبَاطِنُ: اس کائنات میں ہر چیز اس کی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ روشنی تاریکی سے پہچانی جاتی ہے۔ لیکن اللہ کی کوئی ضد نہیں ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کا مروی فرمان ہے:

وَ بِمُضَادَّتِہٖ بَیْنَ الْاَشْیَاءِ عُرِفَ اَنْ لَا ضِدَّ لَہٗ...[۴]

اپنی مخلوق اشیاء کے درمیان تضاد پیدا کرنے سے معلوم ہوا خود اللہ کی کوئی ضد نہیں ہے۔

لہٰذا اللہ وہ نور ہے جس کے مقابلے میں کوئی تاریکی نہیں ہے۔ اس لیے اپنے شدت ظہور اور فرط نور کی وجہ سے حواس کے لیے اس نور کا ادراک ممکن نہیں۔

اسی مطلب کو مولی الموحدین امیر المومنین علی علیہ السلام کے مطابق روایت فرمایا:

وَ اَبْیَنُ مِمَّا تَرَی الْعُیُونُ...[۵]

تیرا وجود نگاہوں میں آنے والی چیزوں سے بھی زیادہ روشن ہے۔

---

[۱] التوحید: ۴۵ [۲] نہج البلاغہ خ ۹۶ [۳] الکافی ۱: ۱۲۰ [۴] نہج البلاغہ خ ۱۸۶ [۵] نہج البلاغۃ خ ۱۵۵

۳۔ وَ الۡبَاطِنُ : اسی فرط ظہور کی وجہ سے وہ باطن ہے۔ یعنی شدت ظہور کی وجہ سے وہ باطن ہے۔ حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے:

الۡبَاطِنُ لَا بِاجۡتِنَانٍ ...[1] وہ باطن ہے، پوشیدہ رہ کر نہیں۔

باطن کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ پوشیدہ ہے بلکہ اس لحاظ سے باطن ہے کہ اس کے وجود میں تمام اشیاء کا علم اور تدبیر ہے اور وہ اوہام کی رسائی سے دور ہے۔

هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ ؕ یَعۡلَمُ مَا یَلِجُ فِی الۡاَرۡضِ وَ مَا یَخۡرُجُ مِنۡهَا وَ مَا یَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا یَعۡرُجُ فِیۡهَا ؕ وَ هُوَ مَعَکُمۡ اَیۡنَ مَا کُنۡتُمۡ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۴﴾

۴۔ وہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں خلق کیا پھر عرش پر مستقر ہوا اللہ کے علم میں ہے جو کچھ زمین کے اندر جاتا ہے اور جو کچھ اس سے باہر نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے، تم جہاں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس پر خوب نگاہ رکھنے والا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ : چھ دنوں میں کائنات کی تخلیق اور عرش الٰہی کے بارے میں گزشتہ متعدد سورتوں میں ذکر ہو چکا ہے۔ ملاحظہ ہو اعراف: ۵۴، یونس:۳۔ فرقان: ۵۹۔ سجدہ: ۴۔

۲۔ یَعۡلَمُ مَا یَلِجُ فِی الۡاَرۡضِ : سابقہ آیت میں فرمایا: وَ هُوَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ۔ اس آیت میں اس کی تفصیل ہے۔ باہر سے زمین میں داخل ہونے والی چند چیزوں کا تو انسان کو بھی علم ہے جیسے پانی، بیج، جڑیں وغیرہ۔ چنانچہ مفسرین اس آیت کے ذیل میں ان چیزوں کا ذکر کرتے ہیں حالانکہ سب کو علم ہے کہ ان چیزوں کو تو انسان بھی جانتے ہیں۔

لیکن ان چیزوں کو صرف اللہ جانتا ہے جو زمین میں جا کر انسانوں کو متاع حیات فراہم کرتی ہیں۔ اگر انہیں زمین کی بیرونی درآمدات سے الگ کر دیا جائے تو زمین فیاضی پر قادر ہی نہ ہو۔ یہ بات اللہ ہی کے علم میں ہے کہ زمین کی گہرائی میں کون سی چیزیں اترتی اور اسے فیاض بناتی ہیں۔

---

[1] الکافی ۱: ۱۳۹

۳۔ وَمَا يَخۡرُجُ مِنۡهَا: زمین سے نکلنے والی چند ایک چیزوں کا تو انسان کو بھی علم ہے۔ وہ چیزیں یہاں مراد نہیں ہوسکتیں بلکہ انسان ان سب چیزوں کو نہیں جانتے جو زمین سے خارج ہوتی ہیں اور انسان کو متاع حیات فراہم کرتی ہیں۔ ممکن ہے آنے والی نسلیں ان چیزوں میں سے کچھ کو جان لیں جو زمین میں جاتی اور نکلتی ہیں۔

۴۔ وَمَا يَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ: آسمان سے نازل ہونے والے بارش، دھوپ وغیرہ کا تو انسان کو بھی علم ہے۔ یہاں اشارہ ہوسکتا ہے دیگر چیزوں کی طرف جن تک بشر کی رسائی نہیں ہے۔ جیسے فرشتے، وحی، کائناتی لہریں وغیرہ۔

۵۔ وَمَا يَخۡرُجُ مِنۡهَا: آسمان کی طرف عروج کرنے والی چیزیں جو انسان کی علمی رسائی میں ہیں وہ ہیں اعمال انسان کی قدریں، فرشتے، ارواح وغیرہ:

اِلَيۡهِ يَصۡعَدُ الۡكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالۡعَمَلُ الصَّالِحُ يَرۡفَعُهٗ ...[1]
پاکیزہ کلمات اسی کی طرف اوپر چلے جاتے ہیں اور نیک عمل اسے بلند کر دیتا ہے۔

یہ تدبیر کائنات سے متعلق بعض جزئیات کا ذکر ہے جو عرش پر متمکن ہونے کا لازمہ ہے۔ بایں معنی کہ عرش الٰہی اللہ کے مقام تدبیر کا نام ہے۔

۶۔ وَهُوَ مَعَكُمۡ اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ: تم جہاں بھی ہو، جس جگہ ہو، وہاں اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ یعنی اللہ حاضر و ناظر ہے:

وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِيۡدِ ○ [2] ہم رگ گردن سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام سے مروی ہے:

مَعَ کُلِّ شَیْءٍ لَا بِمُقَارَنَةٍ.... [3] ہر چیز کے ساتھ ہے، نزدیک ہونے کے اعتبار سے نہیں۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے (معاذ اللہ) جسم ہونے کے قائل ہیں اور ساتھ اللہ کی ذات و صفات کو باہم الگ تصور کرتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اللہ تو عرش پر ہے، وہ ہمارے ساتھ کیسے ہوسکتا ہے؟ صرف علم خدا ہمارے ساتھ ہے۔ یعنی علم خدا ہمارے ساتھ ہے خود خدا ہمارے ساتھ نہیں ہے۔ یہاں سے ذات و صفات جدا ہو جاتی ہیں۔[4]

شیعہ امامیہ اللہ تعالیٰ کے جسم ہونے کے قائل نہیں ہیں، نہ مکان میں ہونے کو درست سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جسم و مکان سے بے نیاز ہے۔ وہ کسی مکان میں نہیں ہے، نہ کوئی مکان ایسا قابل تصور ہے جہاں اللہ کا وجود نہ ہو بلکہ جہاں مکان نہیں ہے وہاں بھی اللہ موجود ہے۔

---

[1] ۳۵ فاطر: ۱۰ [2] ۵۰ ق ۱۶ [3] نہج البلاغۃ خ ۱
[4] اللہ کے جسم کے قائل لوگوں کا نظریہ جاننے کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر محاسن التاویل تالیف: محمد جمال الدین قاسمی۔ اس آیت کے ذیل میں جو تفسیر بیان کی گئی ہے وہ قابل مطالعہ ہے۔

اسی طرح اللہ کی ذات اور صفات جدا نہیں ہے۔ اللہ کی صفات عین ذات ہیں۔ جس طرح چار اور جفت جدا نہیں ہے۔ چار جب وجود میں آئے گا، جفت کی صفت کے ساتھ وجود میں آئے گا۔ ایسا نہیں ہو گا چار پہلے وجود میں آئے بعد میں اسے جفت کی صفت مل جائے۔

لہٰذا خدا اور علم خدا جدا نہیں ہے کہ خود خدا عرش پر ہو اور اس کا علم ہمارے ساتھ ہو۔

لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ۝

۵۔ آسمانوں اور زمین کی سلطنت اسی کی ہے اور تمام امور اسی کی طرف پلٹا دیے جاتے ہیں۔

تفسیر آیات

کل کائنات کا ملک حقیقی ہے لہٰذا اس کائنات میں تمام معاملات کا اصل مرجع و مصدر اللہ کی ذات ہے۔ کوئی معاملہ ایسا نہیں ہو سکتا جس کا تعلق اور وابستگی کسی غیر اللہ کے ساتھ ہو۔

یُوۡلِجُ الَّیۡلَ فِی النَّهَارِ وَیُوۡلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیۡلِ ؕ وَهُوَ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ۝

۶۔ وہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور وہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہ سینوں کے راز کو خوب جانتا ہے۔

اس آیت کی تفسیر سورہ لقمان میں ہو چکی ہے۔

اٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَاَنۡفِقُوۡا مِمَّا جَعَلَكُمۡ مُّسۡتَخۡلَفِیۡنَ فِیۡهِ ؕ فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ وَاَنۡفَقُوۡا لَهُمۡ اَجۡرٌ كَبِیۡرٌ ۝

۷۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور اس مال سے خرچ کرو جس میں اللہ نے تمہیں جانشین بنایا ہے، پس تم میں سے جو لوگ ایمان لائیں اور (راہ خدا میں) خرچ کریں ان کے لیے بڑا ثواب ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ: اللہ تعالیٰ کی خالقیت، مالکیت اور ربوبیت کے ذکر کے بعد ایمان کی دعوت ہے کہ مومنین اپنا ایمان پختہ کریں اور ایمان کے آثار ان کے عمل میں ظاہر ہونے لگ جائیں۔ بعض مفسرین کے

نزدیک ایمان کی یہ دعوت اہل ایمان کے لیے ہے۔ جس طرح فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَ الۡکِتٰبِ الَّذِیۡ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوۡلِهٖ ...[1] اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کی ہے، سچا ایمان لے آؤ۔

۲۔ وَ اَنۡفِقُوۡا مِمَّا جَعَلَکُمۡ مُّسۡتَخۡلَفِیۡنَ فِیۡهِ: ایمان کے ساتھ ہی انفاق حکم آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انفاق، ایمان کی علامات میں سے اہم علامت ہے چونکہ مال انسان کی بہت بڑی کمزوری ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَّ تُحِبُّوۡنَ الۡمَالَ حُبًّا جَمًّا ؕ[2] اور مال کے ساتھ جی بھر کر محبت کرتے ہو

نیز فرمایا

وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الۡخَیۡرِ لَشَدِیۡدٌ ؕ[3] اور وہ مال کی محبت میں سخت ہے۔

حضرت علی علیہ السلام روایت ہے:

یَنَامُ الرَّجُلُ عَلَى الثُّكْلِ وَلَا یَنَامُ عَلَى الْحَرَبِ۔[4] اولاد کے مرنے پر آدمی کو نیند آ جاتی ہے مگر مال کے چھن جانے پر اسے نیند نہیں آتی۔

۳۔ مُّسۡتَخۡلَفِیۡنَ فِیۡهِ: اس مال کو خرچ کرو جس میں اللہ نے تمہیں جانشین بنایا ہے۔ اس میں دو نظریے ہیں: ایک یہ کہ اس میں تمہیں دوسروں کا جانشین بنایا کہ یہ مال دوسروں سے بذریعہ وراثت تمہاری طرف منتقل ہوا ہے۔ چند روز تمہارے ہاتھ میں ہے۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ مالک حقیقی اللہ نے تصرف کی اجازت دی ہے۔ لہٰذا مال اللہ کا ہے تم اللہ کی طرف سے مجاز ہو۔ شاید یہ نظریہ زیادہ قرین واقع ہے چونکہ ضروری نہیں کہ مال کسی دوسرے سے اس کی طرف منتقل ہوا ہو۔ ہو سکتا ہے انسان کے پاس جو بھی مال ہے وہ سب اپنا کمایا ہوا ہے۔

۴۔ فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَ اَنۡفَقُوۡا: دو چیزیں اگر انسان میں موجود ہوں تو وہ اجر کبیر کا مستحق ٹھہرتا ہے: ایمان اور انفاق۔ چونکہ ایمان سے عبد کا اللہ تعالیٰ سے تعلق اور ربط قائم ہو جاتا ہے اور انفاق سے عبد خدا کے ساتھ تعلق قائم ہوتا ہے لہٰذا اجر کبیر کے مستحق وہ لوگ ہوں گے جو اپنے رب پر ایمان رکھتے ہوں اور اپنے رب کی مخلوق پر انفاق کرتے ہوں۔ مال اگرچہ اللہ کا ہے لیکن اس نائب نے خیانت نہیں کی اس لیے اجر کبیر ملتا ہے۔ واضح رہے انفاق کا یہ حکم اس وقت سے متعلق ہے جب مدینہ کے ایک مٹھی بھر مسلمان عالم کفر و شرک کے نرغے میں اور انتہائی خطرناک صورت حال سے دوچار تھے۔ اس وقت اسلام کے دفاع کے لیے مال خرچ کرنا ایمان کا اہم ترین جزو تھا۔

---

[1] ۴ نساء: ۱۳۶ [2] ۸۹ فجر: ۲۰ [3] ۱۰۰ عادیات: ۸ [4] نہج البلاغۃ حکمت: ۳۰۷

وَ مَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَ قَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾	۸۔ اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے؟ جب کہ رسول تمہیں تمہارے رب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہے اور وہ تم سے مضبوط عہد لے چکا ہے اگر تم ماننے والے ہو۔

تفسیر آیات

رسول اللہ براہ راست وحی کے ذریعے تمہیں ایمان کی دعوت دے رہے ہیں، اس کے باوجود تم غیر ایمانی روش اختیار کیے ہوئے ہو۔

واضح رہے یہ خطاب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے گرد و پیش ظاہری ایمان والوں سے ہے۔ اگر ہم اَخَذَ کا فاعل یعنی عہد لینے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو لیتے ہیں جیسا کہ مفسر ابن کثیر نے لیا ہے، اس صورت میں میثاق سے مراد وہ عہد و میثاق ہو سکتا ہے جو ایمان لانے کے وقت مسلمان، اللہ اور رسول کے ساتھ کرتے تھے۔ چنانچہ فرمایا:

وَ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ مِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖۤ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا...[1]	اور اس نعمت کو یاد کرو جو اللہ نے تمہیں عطا کی ہے اور اس عہد و پیمان کو بھی جو اللہ نے تم سے لے رکھا ہے، جب تم نے کہا تھا: ہم نے سنا اور مانا۔

اس صورت میں وَ مَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ سے مراد عدم اطاعت ہے جو حقیقی ایمان کے نہ ہونے کی علامت ہے۔ یعنی تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ اور رسول کی اطاعت نہیں کرتے۔ آیت کے آخر میں اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اگر تم مومن ہو اس تفسیر پر قرینہ بن سکتا ہے۔ یعنی رسمی ایمان والوں کو حقیقی ایمان کی دعوت ہے کہ اگر تم مومن ہو تو تمہارے ایمان کے اثرات سامنے آنے چاہئیں مثلاً انفاق فی سبیل اللہ۔

هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹﴾	۹۔ وہ وہی ہے جو اپنے بندے پر واضح نشانیاں نازل فرماتا ہے تاکہ تمہیں تاریکی سے نکال کر روشنی کی طرف لائے، یقیناً اللہ تم پر نہایت شفقت کرنے والا، مہربان ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اللہ اور رسول کی اطاعت نہ کر کے اپنا ایمان کمزور کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اللہ کی طرف

---

[1] ۵ مائدہ: ۷

سے ایسی واضح نشانیاں اور قطعی دلائل نازل ہوئے ہیں جن سے تمہیں شرک و جہالت کی تاریکی سے نور ایمان کی طرف راہنمائی ملی ہے۔

۲۔ ساتھ اللہ نے شفقت و رحمت کے دروازے تم پر کھول دیے ہیں۔ پھر بھی تم اپنے ایمان کے تقاضے پورے نہیں کرتے ہو۔

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۱۰﴾ ع

۱۰۔ اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے جب کہ آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ کے لیے ہے؟ تم میں سے جنہوں نے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ کیا اور قتال کیا وہ (دوسروں کے) برابر نہیں ہو سکتے، ان کا درجہ بہت بڑا ہے ان لوگوں سے جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور مقاتلہ کیا، البتہ اللہ تعالیٰ نے ان سب سے اچھائی کا وعدہ کیا ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب آگاہ ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اسلامی ریاست کو درپیش سنگین خطرات میں انفاق اور جہاد کو انتہائی اہمیت حاصل تھی۔ فرمایا: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اس مال کو خرچ کرنے میں تامل کرتے ہو جو اللہ کی میراث ہے اور جس کا وارث اللہ ہے۔ تم خرچ کرو تو یہ مال اللہ کے پاس پہنچ جائے گا ضائع نہیں جائے گا۔

اَلَمْ یَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ یَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ ...[1] — کیا انہیں علم نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور صدقات بھی وصول کرتا ہے۔

ظاہر ہے جسے اللہ وصول کرے وہ ہمیشہ کے لیے باقی رہتا ہے۔

مَا عِنْدَكُمْ یَنْفَدُ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ...[2] — جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔

۲۔ لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ: فتح سے مراد بعض کے نزدیک فتح مکہ اور بعض کے نزدیک صلح حدیبیہ ہے جسے قرآن نے فتح مبین کہا ہے مگر اسلام نے طاقت و شوکت، فتح مکہ کے بعد حاصل کی ہے اور

---
[1] ۹ توبۃ: ۱۰۴ [2] ۱۶ نحل: ۹۶

ہجرت کے لیے بھی فتح مکہ معیار ہے کہ لا ھجرۃ بعد الفتح فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔

بہرحال فتح سے پہلے کے خرچ اور جہاد کو اس لیے درجہ حاصل ہے کہ اس وقت امکان کم نظر آتا تھا کہ اسلام کی بالادستی ہو گی بلکہ عام لوگوں کو یہ گمان تھا کہ دشمن غالب آ کر مسلمانوں کو نابود کر دیں گے۔ ان حالات میں مال خرچ کرنا یا جہاد کرنا خالصۃً للہ ہو گا جبکہ فتح اسلام کے بعد وہ خلوص نہ ہو گا۔

۳۔ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى: ثواب اور درجہ دونوں کو حاصل ہے۔ فرق درجات میں ہے کہ فتح مکہ کے بعد انفاق و جہاد کو وہ درجہ حاصل نہ ہو گا جو فتح مکہ سے پہلے انفاق و جہاد کو حاصل ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے تاکہ اللہ اس کے لیے اسے کئی گنا کر دے؟ اور اس کے لیے پسندیدہ اجر ہے۔

تفسیر آیات

کسی کو واپسی کی ضمانت کے ساتھ کچھ مال دینے کو قرض کہتے ہیں۔

مالک حقیقی اس سے قرض مانگ رہا ہے جس کے پاس اس کی امانت ہے اور اس کا فضل و کرم ہے کہ اسے کئی گنا کر کے واپس کرے گا اور ساتھ ہی اجر کریم بھی عنایت کرے گا۔

بعض اہل تحقیق کہتے ہیں: آیات و احادیث کی روشنی میں انفاق میں دس اوصاف ہوں تو وہ قرض حسن بنتا ہے:

i۔ مال حلال ہو۔

ii۔ عمدہ مال ہو، ردی مال نہ ہو۔

iii۔ اس مال کی خود کو ضرورت ہو۔ زندگی کے آخری لمحات میں نہ ہو۔

iv۔ مستحق ترین کو دے۔

v۔ اس انفاق کو راز میں رکھے۔

vi۔ دینے کے بعد نہ جتلائے۔

vii۔ برائے خدا ہو، ریاکاری نہ ہو۔

viii۔ مال زیادہ دیا جا رہا ہو تو بھی اسے تھوڑا سمجھے۔

ix۔ اپنا پسندیدہ مال ہو۔

x۔ اس مال کی خود کو بھی ضرورت ہو۔ یعنی وہ اس مال کا محتاج بھی ہو۔

يَوۡمَ تَرَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ يَسۡعٰى نُوۡرُهُمۡ بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَبِاَيۡمَانِهِمۡ بُشۡرٰىكُمُ الۡيَوۡمَ جَنّٰتٌ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۱۲﴾	۱۲۔ قیامت کے دن آپ مومنین اور مومنات کو دیکھیں گے کہ ان کا نور ان کے آگے آگے اور ان کی دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا (ان سے کہا جائے گا) آج تمہیں ان جنتوں کی بشارت ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جن میں تمہیں ہمیشہ رہنا ہوگا، یہی تو بڑی کامیابی ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ یَوۡمَ: قیامت یا اجر عظیم کے دن۔

۲۔ تَرَى: خطاب رسول اللہ ﷺ سے ہے کہ آپ اپنی امت کے شاہد اور شفیع ہونے کے اعتبار سے قیامت کے دن اپنی امت کے جنت جانے کا منظر دیکھ رہے ہوں گے۔

۳۔ يَسۡعٰى نُوۡرُهُمۡ: جب مومنین بڑی تیزی سے جنت کی طرف جا رہے ہوں گے تو ان کا نور بھی ان کے ساتھ ساتھ ہوگا۔ نور سے مراد ان کے اچھے اعمال ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

الصَّلَاۃُ عَلَیَّ وَ عَلَی آلِی نُورٌ عَلَی الصِّرَاطِ۔[1]	مجھ پر اور میری آل پر درود پل صراط کے لیے روشنی ہوگی۔

۴۔ بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَبِاَيۡمَانِهِمۡ: اس روشنی کے ان کے آگے اور دائیں طرف دوڑنے سے مراد ان کے اچھے اعمال ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ قیامت کے دن ہر ایک کا نور اس کے اعمال کے مطابق ہوگا۔ چنانچہ مومنین کے نامہ اعمال سامنے یا دائیں طرف سے وصول کریں گے، نور بھی اسی جانب ہوگا۔ حدیث ہے:

اَلۡوُضُوءُ عَلَی الۡوُضُوءِ نُورٌ عَلَی نُورٍ۔[2]	وضو پر وضو نور علی نور ہے۔

۵۔ بُشۡرٰىكُمُ الۡيَوۡمَ جَنّٰتٌ: فرشتے ان روشنی والوں یعنی اللہ کو قرض دینے والوں کو جنت کی بشارت دے رہے ہوں گے۔

۶۔ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ: اگر کوئی عظیم کامیابی ہے تو ابدی اور دائمی زندگی کے بارے میں یہ بشارت عظیم کامیابی ہے۔

يَوۡمَ يَقُوۡلُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتُ	۱۳۔ اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مومنین

[1] مستدرک الوسائل ۵: ۳۳۷ [2] فقیہ ۱: ۴۱

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۭ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۝۱۳	سے کہیں گے: ہمارا انتظار کریں تا کہ ہم تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں، (مگر) ان سے کہا جائے گا: اپنے پیچھے لوٹ جاؤ اور نور تلاش کرو، پھر ان کے درمیان ایک دیوار بنا دی جائے گی، جس کا ایک دروازہ ہوگا جس کے اندرونی حصے میں رحمت ہوگی اور اس کی بیرونی جانب عذاب ہوگا۔

تشریح کلمات

انْظُرُوْنَا: ای انتظرونا۔ ہمارا انتظار کرو۔ اور اَنْظِرُوْنَا الف قطع کی قرائت کے مطابق اس کے معنی ہوں گے: ہمیں مہلت دو۔

نَقْتَبِسْ: القبس آگ کے شعلے کو کہتے ہیں۔ الاقتباس کے معنی بڑی آگ سے کچھ آگ لینے کے ہیں۔ مجازاً علم اور ہدایت کی طلب پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ: قیامت کے دن مومنوں میں سے ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق نور دیا جائے گا جس سے اسے جنت کی طرف جانے کا راستہ دکھائی دے گا۔ اس وقت کفار اور منافقین تاریکی میں ہوں گے اور سیاق آیت سے معلوم ہوتا ہے مومنین سرعت سے جنت کی طرف جا رہے ہوں گے۔ منافقین جب اپنے آپ کو تاریکی میں اور مومنین کو روشنی میں دیکھیں گے تو کہیں گے:

انْظُرُوْنَا: ہمارا انتظار کرو۔ تمہارے نور سے ہم بھی استفادہ کریں۔

۲۔ قِيْلَ ارْجِعُوْا: ان سے کہا جائے گا: پیچھے لوٹ جاؤ جہاں سے مومنین کو نور ملا ہے وہاں نور تلاش کرو۔ ہوسکتا ہے میدان محشر مراد ہو جہاں سے نور ملا ہے اور ممکن ہے دنیاوی زندگی مراد ہو جہاں سے مومنین نے نور کمایا ہے۔ ان دونوں کی طرف منافقین کا نہ لوٹنا ممکن ہے، نہ نور حاصل کرنا۔ لہٰذا یہ صرف انہیں ہر قسم کے نور سے مایوس کرنے کے لیے کہا جائے گا بلکہ تمسخر کے لیے بھی۔

۳۔ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ: پیچھے ہٹنے کے حکم کے بعد مومنین اور منافقین کے درمیان ایک دیوار حائل ہو جائے گی۔

۴۔ لَّهٗ بَابٌ: اس دیوار کا ایک دروازہ ہوگا جو اللہ کی رحمت کی طرف جانے کے لیے ہوگا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس راوی ہیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا:

انا السور و علی الباب۔[1] میں یہ دیوار ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔

نیز سعید بن جبیر کی روایت میں اس عبارت کا اضافہ ہے:

و لیس یوتی السور الا من قبل الباب۔[2] اور اس دیوار کے اس طرف دروازے سے ہی جایا جاتا ہے۔

۵۔ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ : اس فصیل کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اندرونی حصے میں اللہ کی رحمت اور بیرونی حصے میں اللہ کا عذاب ہو گا۔ یعنی یہ دیوار رحمت و عذاب کے درمیان ایک فاصلہ ہے اور روایت کے مطابق یہ رحمت رسول اللہ ﷺ کی ذات ہے اور اس رحمت کی طرف جانے کا دروازہ علی بن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔[1]

اہم نکات

۱۔ منافق قیامت کے دن مومن سے روشنی کی درخواست کرے گا۔

۲۔ منافق روشنی کی تلاش میں عذاب میں جا پھنسے گا۔

يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَ لٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَ تَرَبَّصْتُمْ وَ ارْتَبْتُمْ وَ غَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَ غَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ وہ (مومنوں کو) پکار کر کہیں گے: کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ کہیں گے: تھے تو سہی! لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنے میں ڈالا اور تم (ہمارے لیے حوادث کے) منتظر رہے اور شک کرتے رہے اور تمہیں آرزوؤں نے دھوکے میں رکھا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ گیا اور دھوکے باز (شیطان) تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکہ دیتا رہا۔

تفسیر آیات

۱۔ يُنَادُوْنَهُمْ : منافقین کی طرف سے مومنین کو یہ آواز آئے گی: ہم دنیا میں تمہارے ساتھی تھے۔ آج ہمارے درمیان فاصلہ نہیں ہونا چاہیے۔ ہمیں یہاں بھی اپنے ساتھ رکھیں۔ دیوار آواز کے لیے حائل نہ ہوگی۔ ہو سکتا ہے رویئت کے لیے بھی حائل نہ ہو۔

---

۱ و ۲ تاویل الآیات: ۶۳۷

۲۔ قَالُوۡا بَلٰی : مومنین جواب دیں گے: ہاں! دنیا میں ہماری صحبت ایک تھی، کردار ایک نہیں تھا۔ ہمارے رہن سہن کی جگہ ایک تھی، موقف ایک نہ تھا۔ ہمارے اجسام ایک جگہ تھے، نظریات ایک نہ تھے۔ صرف زمان و مکان کا ساتھی ہونا مفید نہیں۔

۳۔ وَ لٰکِنَّکُمۡ فَتَنۡتُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ : تم نے اپنے آپ کو فتنے میں ڈال رکھا تھا:

لَقَدِ ابۡتَغَوُا الۡفِتۡنَۃَ مِنۡ قَبۡلُ وَ قَلَّبُوۡا لَکَ الۡاُمُوۡرَ ...[1] یہ لوگ پہلے بھی فتنہ انگیزی کی کوشش کرتے رہے ہیں اور آپ کے لیے بہت سی باتوں میں الٹ پھیر بھی کرتے رہے ہیں۔

۴۔ وَ تَرَبَّصۡتُمۡ اور تم موقع کی تلاش میں کفر و اسلام کے درمیان اس انتظار میں کھڑے رہے کہ اسلام کو ناکامی کا منہ دیکھنا کب پڑنے والا ہے:

وَّ یَتَرَبَّصُ بِکُمُ الدَّوَآئِرَ ...[2] اور اس انتظار میں رہتے ہیں کہ تم پر گردش ایام آئے.

۵۔ وَ ارۡتَبۡتُمۡ : دین پر ایمان کی جگہ تم نے شک کیا:

وَ ارۡتَابَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ فَهُمۡ فِیۡ رَیۡبِهِمۡ یَتَرَدَّدُوۡنَ ○ [3] اور ان کے دل شک میں مبتلا ہیں اس طرح وہ اپنے شک میں بھٹک رہے ہیں۔

۶۔ وَ غَرَّتۡکُمُ الۡاَمَانِیُّ : اسلام کی ناکامی کی آرزوؤں نے تمہیں اس دھوکے میں رکھا کہ بس اسلام اور مسلمانوں کی ناکامی چند قدم کے فاصلے پر ہے اور وہ دن دور نہیں کہ ہم مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹتے ہوئے دیکھ لیں گے۔

۷۔ حَتّٰی جَآءَ اَمۡرُ اللّٰهِ : یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ گیا اور تمہاری آرزوئیں خاک میں مل گئیں۔ چنانچہ تمہارے آرزوؤں کے برخلاف اسلام کی بالادستی قائم ہوئی اور دشمنان اسلام نابود ہو گئے اور تم دھوکہ باز شیطان کے دھوکے کا شکار ہو گئے۔

فَالۡیَوۡمَ لَا یُؤۡخَذُ مِنۡکُمۡ فِدۡیَۃٌ وَّ لَا مِنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ؕ مَاۡوٰىکُمُ النَّارُ ؕ هِیَ مَوۡلٰىکُمۡ ؕ وَ بِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ پس آج تم سے نہ کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ ان سے جنہوں نے کفر اختیار کیا، تمہارا ٹھکانا آتش ہے، وہی تمہارے لیے سزاوار ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ فَالۡیَوۡمَ لَا یُؤۡخَذُ مِنۡکُمۡ فِدۡیَۃٌ : مومنین کا منافقین سے یہ خطاب ہوگا: آج تمہارے لیے نجات

---

[1] ۹ توبۃ:۴۸ [2] ۹ توبہ: ۹۸ [3] ۹ توبہ: ۴۵

کا کوئی راستہ نہیں ہے بلکہ کوئی فدیہ بھی نہ تم سے قبول کیا جائے گا، نہ کافروں سے۔ کافر اور منافق دونوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

۲۔ هِیَ مَوْلٰىكُمْ : آج آتش جہنم ہی تمہارے لیے اولیٰ و سزاوار تر ہے۔ اس آیت مبارکہ میں لفظ مولا، اولیٰ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

میں نے اپنے طلب علمی کے زمانے سنہ ۱۳۸۸ ہجری میں نجف اشرف میں ایک کتاب بنام النهج السوی فی معنی المولی و الولی تالیف کی جس میں حدیث غدیر من کنت مولاه فهذا علی مولاه جس کا میں مولا ہوں اس کے علی مولا ہیں میں لفظ مولیٰ کے معنی پر بحث کی ہے اور مولا بمعنی اولیٰ ہونے پر اس آیت سے استدلال کیا ہے اور اہل سنت کے ائمہ لغت و تفسیر کے ۵۵ مصادر کا ذکر ہے جن میں تصریح کی ہے کہ اس آیت میں لفظ مولا، اولیٰ کے معنی میں ہے۔ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ هِیَ مَوْلٰىكُمْ یعنی هی اولی بکم۔

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَ لَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ کیا مومنین کے لیے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ذکر خدا سے اور نازل ہونے والے حق سے نرم ہو جائیں اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں پہلے کتاب دی گئی پھر ایک طویل مدت ان پر گزر گئی تو ان کے دل سخت ہو گئے؟ اور ان میں سے بہت سے لوگ فاسق ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا : رسول اللہ ﷺ پر اظہار ایمان کرنے والوں میں سے کچھ لوگوں سے خطاب ہے کہ تمہارے دل ابھی حقیقی ایمان سے سرشار نہیں ہیں اور تم اللہ کے احکام کی تعمیل میں پس و پیش کرتے ہو۔

اس آیت کے ذیل میں مولانا مودودی نے درست کہا ہے:

> یہود و نصاریٰ تو اپنے انبیاء کے سینکڑوں برس بعد آج تمہیں اس بے حسی اور روح کی مردنی اور اخلاق کی پستی میں مبتلا نظر آ رہے ہیں۔ کیا تم اتنے گئے گزرے ہو کہ ابھی رسول تمہارے سامنے موجود ہیں، خدا کی کتاب نازل ہو رہی ہے، تمہیں ایمان لائے زیادہ زمانہ بھی نہیں گزرا اور ابھی سے تمہارا حال وہ ہو رہا ہے جو صدیوں تک خدا کے

دین اور اس کی آیات سے کھیلتے رہنے کے بعد یہود و نصاریٰ کا ہوا ہے۔ (تفہیم القرآن)

صحیح مسلم کتاب التفسیر میں آیا ہے ابن مسعود کہا کرتے تھے:

ما کان بین اسلامنا و بین ان عاقبنا اللّٰہ بھذہ الایۃ الا اربع سنین۔	ہمارے اسلام قبول کرنے اور اس آیت کے ذریعے ہماری ملامت کے درمیان صرف چار سال کا فاصلہ تھا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اس آیت کے مخاطب منافقین نہیں ہیں۔

کشاف ۴: ۴۷۷ میں آیا ہے:

اہل یمامہ کے کچھ لوگوں کو یہ آیت پڑھ کر سنائی تو وہ بہت روئے حضرت ابوبکر نے فرمایا: شروع میں ہم بھی ایسے تھے۔

۲۔ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ: حق پر مبنی جو احکام اللہ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں یہ لوگ ان احکام پر عمل کرنے کے لیے آمادگی نہیں رکھتے۔ یعنی نہ تو ذکر خدا کے وقت ان کے دلوں میں کوئی خشوع آتا ہے، نہ ہی حکم اللہ کے نزول کے وقت اس پر عمل کرنے کی آمادگی رکھتے ہیں۔ بالکل یہود و نصاری کی طرح ان کے دل سخت ہو گئے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ یہود و نصاری کے دل تو ایک طویل مدت گزرنے کے بعد سخت ہوئے تھے لیکن بعض اصحاب رسول کے دل تو اس وقت سخت ہونا شروع ہو گئے جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کے درمیان موجود تھے۔

اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ بعد از رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان لوگوں کا کیا حال ہوا ہوگا۔ چنانچہ اس سلسلے میں احادیث رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کثرت سے ہیں جن میں فرمایا:

کیف انتم بعدی اذا شبعتم من خبز البر والزبیب و اکلتم انواع الطعام ولبستم الوان الثیاب فانتم الیوم خیر ام ذاك؟ قالوا: ذاك۔ قال بل انتم خیر الیوم۔[1]	اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم گندم کی روٹی اور کشمش سے شکم سیر ہو گے اور قسم قسم کے کھانے کھا رہے ہو گے اور رنگ برنگ کے لباس پہن رہے ہو گے تو کیا تم آج اچھے ہو یا اس وقت؟ لوگوں نے عرض کیا: اس وقت۔ فرمایا: تم آج اچھے ہو۔

۳۔ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُونَ: اہل کتاب کا ذکر ہے کہ ان میں سے بہت سے لوگ فاسق تھے۔ کہیں تم بھی ان کی طرح فاسق ہو جاؤ۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ	۱۷۔ جان رکھو! اللہ ہی زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کرتا ہے، ہم نے تمہارے

---

[1] کنز العمال حدیث نمبر ۶۲۲۹

لَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۷﴾
لیے نشانیوں کو یقیناً واضح طور پر بیان کیا ہے، شاید تم عقل سے کام لو۔

تفسیر آیات

۱۔ ان قلبی قساوت والوں سے خطاب ہے: اللہ کی ذات وہ ہے جو مردہ زمین میں جان ڈال دیتی ہے تم نے بھی اگر قساوت قلبی ترک کر دی اور احکام الٰہی پر عمل کرنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ تمہارے مردہ وجود میں ایمان کی روح پھونک دے گا۔

۲۔ بَیَّنَّا لَکُمُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ: ہم نے ان آیات کے ذریعے تمہیں طریقہ حیات بتا دیا ہے۔ اگر تم عقل سے کام لو تو دوبارہ زندگی حاصل کر سکتے ہو۔

اِنَّ الۡمُصَّدِّقِیۡنَ وَ الۡمُصَّدِّقٰتِ وَ اَقۡرَضُوا اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَہُمۡ وَ لَہُمۡ اَجۡرٌ کَرِیۡمٌ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ یقیناً صدقہ دینے والے مردوں اور صدقہ دینے والی عورتوں نیز ان لوگوں کے لیے جنہوں نے اللہ کو قرض حسنہ دیا ہے کئی گنا کر دیا جائے گا اور ان کے لیے پسندیدہ اجر ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ راہ خدا میں صدقہ دینا، اللہ کو قرض حسن دینا ہے۔ اس قرض حسن کا ثواب کئی گنا ہوگا۔ سورہ بقرہ آیت ۲۶۱ میں فرمایا: راہ خدا میں دیے جانے والے ایک دانے کا ثواب سات سو گنا ہے اور خاص لوگوں کے لیے اس کو بھی دو گنا کیا جائے گا تو ایک کے لیے چودہ سو گنا ہوگا۔

۲۔ وَ لَہُمۡ اَجۡرٌ کَرِیۡمٌ: ظاہر آیت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اجر کریم اس کئی گنا کے علاوہ ہے۔

وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖۤ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الصِّدِّیۡقُوۡنَ ٭ۖ وَ الشُّہَدَآءُ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ؕ لَہُمۡ اَجۡرُہُمۡ وَ نُوۡرُہُمۡ ؕ وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَحِیۡمِ ﴿۱۹﴾ ع

۱۹۔ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں وہی اپنے رب کے نزدیک کامل سچے اور گواہ ہیں، ان کے لیے ان کا اجر اور ان کا نور ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کی تکذیب کی وہ جہنمی ہیں۔

تفسیر آیات

جو لوگ اللہ اور تمام رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔ اور ایمان کا حق ادا کرتے ہیں وہ اللہ کے نزدیک صدیقین اور گواہ ہیں۔ سورہ نساء آیت ۶۹ میں فرمایا جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے وہ صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوں گے۔ لیکن یہاں فرمایا: یہ خود صدیقین اور شہداء یعنی گواہ ہوں گے۔ گواہ کی منزلت پر فائز ہونا بہت بڑا درجہ ہے۔ لہٰذا یہاں ایمان سے مراد ایمان کا ایک خاص درجہ ہو سکتا ہے۔ جن کو اجر کے ساتھ نور بھی عنایت ہوگا۔ سب سے اہم یہ ہے کہ وہ دوسروں کے اعمال کے لیے شہداء، گواہ ہوں گے۔

واضح رہے قرآنی اصطلاح میں راہ خدا میں قتل ہونے والوں کو شہید نہیں کہتے۔ یہ بعد کی اصطلاح ہے۔ شہید سے مراد گواہ ہیں۔

لَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ وَنُوۡرُهُمۡ : آیت کی تاویل سمجھنے کے لیے اس روایت کی طرف رجوع کرنا ہو گا جو شواهد التنزیل ۲: ۲۵۴، امالی شیخ طوسی صفحہ ۳۷۸، غایۃ المرام کے باب ۱۶۳ میں ابن مغازلی کے مناقب میں بیان کی گئی ہے اس میں اس آیت کی تفسیر موجود ہے : سعید بن جبیر نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے شان نزول کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا:

اذا كان يوم القيامة عقد لواء من نور ابيض و ينادى مناد ليقم سيد المومنين و معه الذين آمنوا بعد فقد بعث محمد (ص) فيقوم علی بن ابی طالب فيعطى اللّٰه اللواء من النور الابيض بيده تحته جميع السابقين الاولين من المهاجرين والانصار لا يخالطهم غيرهم...	جب قیامت کا دن ہو گا تو ایک سفید نور کا علم ہوگا۔ ندا دینے والا ندا دے گا مومنوں کا سردار اٹھ جائے اور ان کے ساتھ بعثت کے بعد محمد ﷺ پر ایمان لانے والے بھی اٹھیں تو علی بن ابی طالب اٹھیں گے پھر سفید نور کا علم ان کے ہاتھ میں دیا جائے گا جس کے نیچے مہاجر اور انصار میں سے سابقین اولین ہوں گے۔ ان کے ساتھ دوسرے لوگ مخلوط نہیں ہو سکیں گے۔

اس روایت کے آخر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے:

الصديقون ثلاثة: حبيب النجار مؤمن آل ياسين، حزبيل مؤمن آل فرعون، وعلى بن ابی طالب وهو افضلهم۔	صدیقین تین ہیں: حبیب نجار مومن آل یاسین، حزبیل مومن آل فرعون اور علی ابن ابی طالبؑ۔ علیؑ ان دونوں سے افضل ہیں۔

عبد الرحمن بن ابی لیلی نے اپنے والد سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ تاریخ دمشق حالات

٦٠

امیرالمومنین میں، شواهد التنزیل ذیل آیت، دار قطنی نے زیرعنوان حزبیل اپنی کتاب المؤتلف المختلف میں، سیوطی نے الجامع الصغیر ۲: ۵۰ میں اور ابو نعیم نے المعرفة میں یہ روایت بیان کی ہے۔

اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا لَعِبٌ وَّ لَہۡوٌ وَّ زِیۡنَۃٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَیۡنَکُمۡ وَ تَکَاثُرٌ فِی الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَوۡلَادِ ؕ کَمَثَلِ غَیۡثٍ اَعۡجَبَ الۡکُفَّارَ نَبَاتُہٗ ثُمَّ یَہِیۡجُ فَتَرٰىہُ مُصۡفَرًّا ثُمَّ یَکُوۡنُ حُطٰمًا ؕ وَ فِی الۡاٰخِرَۃِ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ ۙ وَّ مَغۡفِرَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضۡوَانٌ ؕ وَ مَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ جان رکھو کہ دنیاوی زندگی صرف کھیل، بیہودگی، آرائش، آپس میں فخر کرنا اور اولاد و اموال میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش سے عبارت ہے، اس کی مثال اس بارش کی سی ہے جس کی پیداوار (پہلے) کسانوں کو خوش کرتی ہے پھر وہ خشک ہو جاتی ہے پھر دیکھتے ہو کہ وہ کھیتی زرد ہو گئی ہے پھر وہ بھس بن جاتی ہے جب کہ آخرت میں (کفار کے لیے) عذاب شدید اور (مومنین کے لیے) اللہ کی طرف سے مغفرت اور خوشنودی ہے اور دنیا کی زندگی تو سامان فریب ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا لَعِبٌ وَّ لَہۡوٌ: **دنیوی زندگی مقصد:** اگر دنیوی زندگی مقصد قرار دی جائے اور اخروی زندگی کے تقاضوں سے متصادم زندگی ہو تو یہ زندگی طبیعت (nature) کے ہاتھوں ایک کھلونے سے زیادہ قیمت نہیں رکھتی۔

اس آیت اور دیگر آیات و احادیث میں دنیا کی مذمت کا تعلق اس دنیا سے ہے جو آخرت کے ساتھ متصادم ہے چونکہ آخرت کی ابدی اور ختم نہ ہونے والی زندگی کے مقابلے میں چند روزہ دنیا کی کوئی اہمیت نہیں بنتی۔

شیخ بہائیؒ سے منقول ہے: پانچ خصلتیں انسان کی عمر کے مراحل سے مربوط ہیں: بچپنے میں کھیل میں مشغول ہوتا ہے۔ بلوغ کی عمر کو پہنچے تو لہویات میں مشغول ہوتا ہے۔ جوانی میں زیب و زینت کا دلدادہ ہوتا ہے۔ درمیانی عمر میں فخر و مباہات میں لگ جاتا ہے اور عمر رسیدہ ہونے پر مال و اولاد کی فکر زیادہ ہوتی ہے۔

۲۔ کَمَثَلِ غَیۡثٍ: دنیا کی مثال اس بارش کی سی ہے جس نے کسان کو وقتی طور پر خوش کیا۔ اتنے

میں خزاں آ جاتی ہے۔ کھیتی خشک ہو جاتی اور بھس بن جاتی ہے اور ختم۔

۳۔ وَ فِی الۡاٰخِرَۃِ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ: اور آخرت کا شدید عذاب ختم ہونے والا نہیں ہے۔

۴۔ وَ مَا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الۡغُرُوۡرِ: دنیاوی زندگی اگر صرف دھوکہ نہ ہوتی اور انسان کو اس دنیا کی زندگی کے لیے بنایا گیا ہوتا تو متاع دنیا کی فراوانی سے سکون و اطمینان میں اضافہ ہونا چاہیے تھا جس طرح مچھلی کو پانی میں سکون ملتا ہے چونکہ مچھلی پانی میں زندگی بسر کرنے کے لیے خلق ہوئی ہے۔ جب کہ اس دنیا کے مال و دولت میں جس قدر اضافہ ہوتا ہے اسی حساب سے بے اطمینانی میں اضافہ ہوتا ہے اور سکون چھن جاتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ انسان دنیا کے مال دولت کے لیے خلق نہیں ہوا ہے۔ البتہ ضرورت سے زیادہ مال و دولت مراد ہے۔ صرف ضرورت کی حد تک مال سے انسان کو سکون ملتا ہے۔

دنیوی زندگی ذریعہ: اگر زندگی کو کسب آخرت کے لیے ذریعہ بنایا جائے تو اس صورت میں نہ صرف یہ کہ مذمت نہیں ہے بلکہ اس زندگی کو فضیلت حاصل ہے۔ چنانچہ اس دنیا کی ساٹھ ستر سال کی زندگی کے عوض آخرت کی ابدی زندگی سنور سکتی ہے تو اس زندگی کے ہر آن کے مقابلے میں آخرت کے اربوں سال کی زندگی بن جاتی ہے۔ اس طرح مومن کی دنیا اور ایمان کی زندگی کی قیمت کا اندازہ لگانا ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا:

الدنیا مزرعة الآخرة۔[1]　　دنیا آخرت کے لیے کھیتی ہے۔

تو آخرت کی جو بھی قیمت لگائی جائے کھیتی کو وہی قیمت مل جاتی ہے۔

اس نکتے کی طرف اشارہ فرمایا مولائے متقیان علی علیہ السلام نے:

اِنَّ الدُّنۡیَا... دَارُ غِنًی لِمَنۡ تَزَوَّدَ مِنۡهَا وَ دَارُ مَوۡعِظَةٍ لِمَنِ اتَّعَظَ بِهَا مَسۡجِدُ اَحِبَّاءِ اللّٰهِ وَ مُصَلَّی مَلَائِكَةِ اللّٰهِ وَ مَهۡبِطُ وَحۡيِ اللّٰهِ وَ مَتۡجَرُ اَوۡلِيَاءِ اللّٰهِ...۔[2]

یہ دنیا... جو اس سے زاد راہ حاصل کرے اس کے لیے دولتمندی کی منزل ہے اور جو اس سے نصیحت حاصل کرے اس کے وعظ و نصیحت کا محل ہے۔ وہ دوستان خدا کے لیے عبادت کی جگہ، اللہ کے فرشتوں کے لیے نماز پڑھنے کا مقام، وحی الٰہی کی منزل اور اولیاء اللہ کی تجارت گاہ ہے۔

سَابِقُوۡۤا اِلٰی مَغۡفِرَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَ جَنَّۃٍ عَرۡضُہَا کَعَرۡضِ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ ۙ اُعِدَّتۡ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا

۲۱۔ ایک دوسرے پر سبقت لے جاؤ اپنے پروردگار کی مغفرت اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین جتنی ہے اور ان لوگوں

[1] بحار ۶۷: ۲۲۵　[2] نہج البلاغہ نصیحت ۱۳۱

بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾

کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں، یہ اللہ کا فضل ہے اسے وہ جسے چاہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ سَابِقُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ: اپنے رب کی مغفرت کی طرف ایک دوسرے پر سبقت لے جاؤ۔ سورہ آل عمران آیت ۱۳۳ میں فرمایا:

وَسَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ .... اور اپنے رب کی بخشش طرف جانے میں سبقت لو۔

ان دونوں آیتوں کو ملانے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اللہ کی مغفرت کی طرف ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لیے سرعت سے کام لو یعنی مسابقت میں مسارعت کرو۔

مغفرت کا عمل خود اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ سبقت لے جانا مغفرت کے اسباب کی طرف، ممکن ہے لہٰذا اس آیت میں حکم یہ ہے کہ اعمال صالحہ کی طرف سبقت لے جاؤ۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے بعد عمل صالح کا ذکر کیوں نہیں ہے۔

۲۔ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ: اس جنت کی طرف سبقت لے جانے کی کوشش کرو جس کی وسعت کل کائنات یعنی آسمانوں اور زمین کی وسعت کی مانند ہے۔

کل کائنات کی وسعت کیا ہے؟ اس کا علم انسان کو نہیں ہے۔ کائنات کے جس حصے کا انسان کو علم ہوا ہے وہ بھی محیر العقول ہے۔ اس کائنات کے ایک حصے کا نور جو تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے چلتا ہے ابھی تک دوسرے حصوں کو نہیں پہنچ سکا اور اربوں سال سے چلی ہوئی روشنی کائنات کے طول و عرض اور وسعت کو دریافت کرنے سے قاصر ہے۔

برطانیہ کے سائنسدانوں نے کائنات کا آخری کنارہ دریافت کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔ روزنامہ جنگ ۲۲، اکتوبر ۲۰۱۰ء کے مطابق برطانوی یونیورسٹی آف برسٹل کے سائنسدان میلکم گریمر نے بتایا کہ کائنات کے آخری کنارے پر موجود کہکشاں ہمارے نظام شمسی سے 13.1 ارب نوری سال کے فاصلے پر ہے۔

اس جنت کی طرف سبقت لے جانے کی ترغیب ہے ان لوگوں کے لیے جو کائنات کے ایک نہایت ناچیز، ناقابل اعتنا کرۂ ارض کے رہنے والے ہیں۔ یہ کرۂ ارض جو اس سورج کے تابع ہے، اسے اپنی کہکشاں میں کوئی خاص مقام حاصل نہیں ہے۔

۳۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ: اس محدود زمین کے باشندے کا اس عظیم جنت میں جانا اللہ کے فضل و کرم کے تحت ممکن ہوگا، ورنہ انسان کا عمل خواہ کتنا ہی زیادہ ہو دنیوی نعمتوں کے مقابلے میں کچھ نہیں ہے۔

اہم نکات

۱۔ مومن کی زندگی، مغفرت و جنت کی طرف مسابقت سے عبارت ہے۔

۲۔ اللہ کی کائنات اور جنت کی وسعت وصف و بیان سے بڑھ کر ہے۔

مَاۤ اَصَابَ مِنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّبۡرَاَہَا ؕ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرٌ ﴿ۚ۲۲﴾

۲۲۔ کوئی مصیبت زمین پر اور تم پر نہیں پڑتی مگر یہ کہ اس کے پیدا کرنے سے پہلے وہ ایک کتاب میں لکھی ہوتی ہے، اللہ کے لیے یقیناً یہ نہایت آسان ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ انسان پر آنے والی آفتوں کی دو قسمیں ہیں:

ایک وہ آفت جو انسان کی اپنی بداعمالیوں کے مکافات میں آتی ہے۔ اس قسم کی آفت حتمی نہیں ہے۔ بعض بداعمالیوں کو اللہ معاف فرماتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَ مَاۤ اَصَابَکُمۡ مِّنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ وَ یَعۡفُوۡا عَنۡ کَثِیۡرٍ ؕ[1]

اور تم پر جو مصیبت آتی ہے وہ خود تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے آتی ہے اور وہ بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے۔

دوسری وہ آفت ہے جو آزمائش و امتحان کے لیے آتی ہے اور نظام کائنات کا حصہ ہے۔ یہ آفت حتمی ہے۔ اس میں درگزر نہیں ہے۔ اسی لیے فرمایا: اس قسم کے تمام واقعات اللہ کی کتاب یعنی لوح محفوظ میں ثبت ہیں۔ اس کے حتمی ہونے کی تصریح اس آیت میں ہے:

وَ لَنَبۡلُوَنَّکُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَ الۡجُوۡعِ وَ نَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَنۡفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ ؕ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیۡنَ ۙ[2]

اور ہم تمہیں کچھ خوف، بھوک اور جان و مال اور ثمرات (کے نقصانات) سے ضرور آزمائیں گے اور آپ ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجیے۔

واضح رہے اس مصیبت کے بعد صبر کرنے پر ستائش ہے۔

۲۔ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّبۡرَاَہَا: اس مصیبت کے وجود میں آنے سے پہلے اس کا واقع ہونا لوح محفوظ میں ثبت ہے چونکہ اس کا واقع ہونا نظام کائنات کا حصہ ہے۔

۳۔ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرٌ: ان حوادث کے وقوع سے پہلے ان کا مقدر کرنا اور ایک حتمی فیصلے کے

---

[1] ۴۲ شوری: ۳۰　[2] ۲ بقرۃ: ۱۵۵

تحت انہیں ثبت کرنا اللہ کے لیے آسان ہے۔

لِّکَیۡلَا تَاۡسَوۡا عَلٰی مَا فَاتَکُمۡ وَ لَا تَفۡرَحُوۡا بِمَاۤ اٰتٰىکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخۡتَالٍ فَخُوۡرِۣ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ تاکہ جو چیز تم لوگوں کے ہاتھ سے چلی جائے اس پر تم رنجیدہ نہ ہو اور جو چیز تم لوگوں کو عطا ہو اس پر اترایا نہ کرو، اللہ کسی خود پسند، فخر جتانے والے کو پسند نہیں کرتا۔

الَّذِیۡنَ یَبۡخَلُوۡنَ وَ یَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبُخۡلِ ؕ وَ مَنۡ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰہَ ہُوَ الۡغَنِیُّ الۡحَمِیۡدُ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ جو خود بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اگر کوئی روگردانی کرتا ہے تو اللہ یقیناً بڑا بے نیاز، قابل ستائش ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ لہٰذا جو کچھ رونما ہونے والا ہے وہ اس عام قانون کے تحت ہے جو اس کائنات پر حاکم ہے۔ اس نکتے کو سمجھنے کے بعد نہ نقصان کی صورت میں دل شکنی ہونی چاہیے اور نہ منافع ملنے پر آپے سے باہر ہونا چاہیے۔

حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے:

الزُّهْدُ بَيْنَ كَلِمَتَيْنِ مِنَ الْقُرْآنِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى لِّکَیۡلَا تَاۡسَوۡا عَلٰی مَا فَاتَکُمۡ وَ لَا تَفۡرَحُوۡا بِمَاۤ اٰتٰىکُمۡ وَ مَنْ لَمْ يَأْسَ عَلَى الْمَاضِي وَ لَمْ يَفْرَحْ بِالْآتِي فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الزُّهْدَ بِطَرَفَيْهِ[1]

پورا زہد قرآن کے دو کلموں کے درمیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: تاکہ جو چیز تم لوگوں کے ہاتھ سے چلی جائے اس پر تم رنجیدہ نہ ہو اور جو چیز تم لوگوں کو عطا ہو اس پر اترایا نہ کرو۔ جو شخص گزشتہ پر رنجیدہ نہ ہو اور آنے والی چیز پر اترایا نہ کرے اس نے زہد کو دونوں طرف سے پکڑ لیا۔

۲۔ وَ اللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخۡتَالٍ فَخُوۡرِۣ: اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو کسی مال و مفاد کے ملنے پر اتراتا اور تکبر کے ساتھ فخر و مباہات کرتا ہے۔

۳۔ الَّذِیۡنَ یَبۡخَلُوۡنَ: جو مال و دولت پر اتراتے اور فخر کرتے ہیں وہ اس مال کو راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے اور بچا کر ذخیرہ کرتے ہیں۔

۴۔ وَ یَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبُخۡلِ: وہ زبان یا اپنے عمل سے دوسروں کو مال و دولت ذخیرہ کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ چونکہ بخیل جب دولت مند ہو جاتا ہے تو ظاہر بین لوگوں کے لیے یہ بات پرکشش ہوتی ہے تو دوسرے بھی اسی خصلت کو پسند کرتے ہیں۔

---

[1] وسائل الشیعۃ ۱۶: ۱۹

۵۔ وَمَنۡ یَّتَوَلَّ: جو راہ خدا میں خرچ نہیں کرتا تو اللہ اس انفاق کا محتاج نہیں ہے۔ خرچ نہ کرنے سے بخیل کا اپنا نقصان ہوتا ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔

اہم نکات

۱۔ اللہ کے وضع کردہ مقدرات پر ایمان رکھنے والے حوادث زمانہ کے مقابلے میں چٹان کی طرح مضبوط ہوتے ہیں۔

لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَیِّنٰتِ وَاَنۡزَلۡنَا مَعَهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡمِیۡزَانَ لِیَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ ۚ وَاَنۡزَلۡنَا الۡحَدِیۡدَ فِیۡهِ بَاۡسٌ شَدِیۡدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِیَعۡلَمَ اللّٰهُ مَنۡ یَّنۡصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالۡغَیۡبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیۡزٌ ﴿۲۵﴾ ع۳ ۱۹

۲۵۔ بتحقیق ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل دے کر بھیجا ہے اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کیا ہے تاکہ لوگ عدل قائم کریں اور ہم نے لوہا اتارا جس میں شدید طاقت ہے اور لوگوں کے لیے فائدے ہیں اور تاکہ اللہ معلوم کرے کہ کون بن دیکھے خدا اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے، اللہ یقیناً بڑی طاقت والا، غالب آنے والا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَیِّنٰتِ: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو ایسے شواہد و دلائل یعنی معجزات دے کر مبعوث فرمایا جو ان کی نبوت پر قطعی شاہد ہوں۔ چنانچہ بغیر بینات اور معجزات کے کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔ فرعون کے ساحروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھ کر فرعون کی دھمکی کا جواب دیا:

قَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡثِرَکَ عَلٰی مَا جَآءَنَا مِنَ الۡبَیِّنٰتِ...[1]

(جادوگروں نے) کہا: جو دلائل ہمارے پاس پہنچ چکے ہیں ان پر اور جس نے ہمیں خلق کیا اس پر ہم تجھے مقدم نہیں رکھیں گے۔

۲۔ وَاَنۡزَلۡنَا مَعَهُمُ الۡکِتٰبَ: اور ان انبیاء کے ساتھ کتاب وحی نازل کی، صحف ابراہیم، توریت، انجیل اور قرآن کی صورت میں۔

۳۔ وَالۡمِیۡزَانَ: ان انبیاء کے ساتھ میزان بھی نازل فرمایا۔ میزان کیا ہے؟ میزان ترازو ہے

---

[1] ۲۰ طٰہٰ: ۷۲

جس سے اوزان کا علم ہوتا ہے اور حقدار کو اپنا حق ملتا ہے۔ میزان انصاف دینے کے لیے ایک محسوساتی آلہ ہے۔ قرآن محسوسات کے ذریعے معنویات کو واضح انداز میں سمجھانے کا طریقہ اختیار فرماتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات حقوق و فرائض پر مشتمل ہیں۔ ان تعلیمات میں انفرادی اور اجتماعی حقوق کی تشریح ہے جس سے انسانوں کو اپنے حقوق کی شناخت اور ان کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے والوں کی بھی شناخت ہوتی ہے۔ اسی شناخت کو قرآن نے میزان کہا ہے۔ چنانچہ اسی میزان اور شناخت کی وجہ سے ظالم اور مظلوم کی شناخت ہوتی ہے:ا

وَيَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَالۡاَغۡلٰلَ الَّتِىۡ كَانَتۡ عَلَيۡهِمۡ ...[1]	اور ان پر لدے ہوئے بوجھ اور (گلے کے) طوق اتارتے ہیں۔

۴۔ لِيَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ: تاکہ انبیاء کی تعلیم اور تربیت سے لوگوں میں شعور آ جائے اور اپنے حقوق کی شناخت ہو جائے اور لوگ اس قابل ہو جائیں کہ وہ اپنے میں عدل و انصاف قائم کریں۔ چنانچہ سورہ نساء آیت ۱۳۵ میں فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِيۡنَ بِالۡقِسۡطِ ...	اے ایمان والو انصاف کے سچے داعی بن جاؤ۔

۵۔ وَاَنۡزَلۡنَا الۡحَدِيۡدَ: لوہے کو اللہ نے اپنے خزانہ کُن سے عرصہ وجود پر نازل کیا ہے:

وَاِنۡ مِّنۡ شَىۡءٍ اِلَّا عِنۡدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ ○[2]	کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں پھر ہم اسے مناسب مقدار کے ساتھ نازل کرتے ہیں۔

۶۔ فِيۡهِ بَاۡسٌ شَدِيۡدٌ: لوہے میں قوت و صلابت ہے۔ عدل و انصاف کا راستہ روکنے اور عدل کے خلاف طاقت استعمال کرنے والوں کا قلع قمع کرنا اس کے ذریعہ ممکن ہوگا۔

۷۔ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ: چنانچہ انسانی تمدن کی اساس صنعت پر ہے اور صنعت کے لیے بنیاد حدید ہے۔

۸۔ وَلِيَعۡلَمَ اللّٰهُ مَنۡ يَّنۡصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ: اس سے بننے والے اسلحہ کے ذریعے اللہ کی نصرت کرنے والے بھی پہچانے جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا تلوار سے جہاد کرنے والوں کا کیا رتبہ ہے۔

۹۔ بِالۡغَيۡبِ: وہ اللہ کی مدد کرتے ہیں جب کہ اللہ غیب میں ہے۔ جس طرح وہ اللہ پر ایمان بالغیب رکھتے ہیں اسی طرح اللہ کی مدد بھی بالغیب کرتے ہیں۔

اہم نکات

۱۔ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم سے لوگ اس قابل ہو جاتے ہیں کہ عدل کا نظام قائم کریں۔

۲۔ جہاد بالسیف کرنے والے اللہ کے ہاں خاص مقام رکھتے ہیں۔

---

[1] ۷ اعراف: ۱۵۷ [2] ۱۵ حجر: ۲۱

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا وَّ اِبۡرٰهِيۡمَ وَ جَعَلۡنَا فِىۡ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالۡكِتٰبَ فَمِنۡهُمۡ مُّهۡتَدٍ ۚ وَكَثِيۡرٌ مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿۲۶﴾	۲۶۔ اور بتحقیق ہم نے نوح اور ابراہیم کو بھیجا اور ان دونوں کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھ دی تو ان میں سے کچھ ہدایت پا گئے اور ان میں سے بہت سے فاسق ہو گئے۔

تفسیر آیات

ان دو نبیوں کا ذکر ہے جن کی نسل سے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ چلا: ابوالبشر ثانی حضرت نوح علیہ السلام اور ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام۔

۱۔ فِىۡ ذُرِّيَّتِهِمَا: اللہ تعالیٰ نے اپنے اس عہد کو انبیاء علیہم السلام کی اولاد میں ودیعت فرمایا ہے۔

۲۔ فَمِنۡهُمۡ مُّهۡتَدٍ: پھر ان میں سے کچھ ہدایت کی راہ پر قائم رہے۔ منھم کی ضمیر اولاد کی طرف ہے۔ یعنی اس اولاد میں جو انبیاء گزرے ہیں، اور جو ان کی نبوت پر ایمان لانے والے ہیں، وہ ہدایت پر رہے۔

۳۔ وَكَثِيۡرٌ مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ: لیکن اس اولاد میں سے کثیر مقدار میں لوگ فاسق ہو گئے۔ چنانچہ اولاد نوح میں سب کے سب صالح نہیں رہے اور اولاد ابراہیم میں بنی اسرائیل سب کے سب صالح نہیں رہے۔

ثُمَّ قَفَّيۡنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمۡ بِرُسُلِنَا وَ قَفَّيۡنَا بِعِيۡسَى ابۡنِ مَرۡيَمَ وَاٰتَيۡنٰهُ الۡاِنۡجِيۡلَ ۙ وَجَعَلۡنَا فِىۡ قُلُوۡبِ الَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُ رَاۡفَةً وَّ رَحۡمَةً ؕ وَ رَهۡبَانِيَّةَ ۨابۡتَدَعُوۡهَا مَا كَتَبۡنٰهَا عَلَيۡهِمۡ اِلَّا ابۡتِغَآءَ رِضۡوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوۡهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيۡنَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡهُمۡ اَجۡرَهُمۡ ۚ وَكَثِيۡرٌ مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿۲۷﴾	۲۷۔ پھر ان کے بعد ہم نے پے در پے اپنے رسول بھیجے اور ان سب کے بعد عیسیٰ بن مریم کو بھیجا اور انہیں ہم نے انجیل دی اور جنہوں نے ان کی پیروی کی ہم نے ان کے دلوں میں شفقت اور رحم ڈال دیا اور رہبانیت (ترک دنیا) کو تو انہوں نے خود ایجاد کیا ہم نے تو ان پر رہبانیت کو واجب نہیں کیا تھا سوائے اللہ کی خوشنودی کے حصول کے لیکن انہوں نے اس کی بھی پوری رعایت نہیں کی، پس ان میں سے جنہوں نے ایمان قبول کیا ہم نے ان کا اجر انہیں دیا اور ان میں بہت سے لوگ فاسق ہیں۔

تشریح کلمات

قَفَّیۡنَا: (ق ف و) پیچھے چلنا۔ قفیتہ میں نے اس کے پیچھے چلایا۔

رَاۡفَۃً: (ر ء ف) شفقت ہمدردی کے معنوں میں ہے۔

رَہۡبَانِیَّۃَ: (رہ ب) خوف کو کہتے ہیں۔ اصطلاح میں خوف خدا کی وجہ سے ترک دنیا کو رہبانیت کہتے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ ثُمَّ قَفَّیۡنَا: نوح و ابراہیم علیہما السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ جاری فرمایا اور کسی قوم کو ہدایت سے محروم نہیں رکھا۔

۲۔ قَفَّیۡنَا بِعِیۡسَی ابۡنِ مَرۡیَمَ: ان کے بعد عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو مبعوث فرمایا اور ان پر انجیل نازل ہوئی۔

۳۔ وَ جَعَلۡنَا فِیۡ قُلُوۡبِ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡہُ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہایت رحم دل تھے۔ اس کا اثر ان پر ایمان لانے والوں میں پیدا ہوا اور یہ رحمدلی صرف ان لوگوں میں تھی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی کرتے تھے۔ مسیحیت میں تحریف اور انحراف آنے سے پہلے تعلیمات مسیح علیہ السلام کا پابند لوگوں میں رحمدلی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ہر عصر کے درندہ صفت لوگوں میں بھی یہ صفت موجود ہے۔

۴۔ وَ رَہۡبَانِیَّۃَۨ ابۡتَدَعُوۡہَا: رہبانیت یعنی ترک دنیا کو مسیحیوں نے خود گھڑ لیا ہے۔ اللہ نے ترک دنیا کا حکم نہیں دیا تھا لیکن مسیحیوں نے اللہ کے ہاں بلند درجہ حاصل کرنے کے لیے گوشہ نشینی اختیار کرنے کے لیے جنگلوں اور پہاڑوں میں پناہ لینے کا ایک رواج ڈال دیا۔

۵۔ مَا کَتَبۡنٰہَا عَلَیۡہِمۡ اِلَّا ابۡتِغَآءَ رِضۡوَانِ اللّٰہِ: اللہ نے انہیں اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا حکم دیا تھا اللہ کی خوشنودی کے حصول میں حیات دنیا حائل نہیں ہے بلکہ حب دنیا حائل ہے۔ حیات دنیا جائز اور حلال طریقوں سے بہتر اور صحت مند رکھنے سے اللہ کی رضا جوئی آساں ہو جاتی ہے۔

قو علی خدمتك جوارحی....[1] اے اللہ! تیری عبادت کے لیے میرے اعضاء میں قوت عنایت فرما۔

حدیث نبوی ہے:

لَا رَہۡبَانِیَّۃَ فِی الۡاِسۡلَامِ....[2] اسلام میں رہبانیت کا تصور نہیں ہے۔

دوسری حدیث میں فرمایا:

---

[1] حضرت علی (ع) دعائے کمیل [2] مستدرک الوسائل ۱۴: ۱۵۵

اِنَّمَا رَهْبَانِيَّةُ اُمَّتِي الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ..[1] میری امت کی رہبانیت فی سبیل اللہ جہاد ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے روایت ہے:

الِاتِّكَاءُ فِي الْمَسْجِدِ رَهْبَانِيَّةُ الْعَرَبِ اِنَّ الْمُؤْمِنَ مَجْلِسُهُ مَسْجِدُهُ وَ صَوْمَعَتُهُ بَيْتُهُ.[2] عربوں کی رہبانیت مسجد میں بیٹھنا ہے مومن کی جگہ اس کی مسجد ہے اور اس کا صومعہ اس کا گھر ہے۔

واضح رہے کہ نماز ہائے نوافل کا گھر ہی میں پڑھنا بہتر ہے۔

لیکن مسیحیت نے ایک ایسی رہبانیت کو رواج دیا جس سے انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو رحمدلی اور ہمدردی وراثت میں ملی تھی وہ شقاوت اور سنگدلی میں تبدیل ہو گئی۔ ان کے ہاں فرقہ بندی میں عدم برداشت اور مخالفین کے قتل و غارت اور ایذا رسانی میں یہی راہب لوگ پیش پیش رہے ہیں۔ راہبوں کے انسانیت سوز مظالم سے ان کی تاریخ اٹی ہوئی ہے۔

۶۔ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا: ان لوگوں نے ترک دنیا کے اصول کی رعایت بھی نہیں کی اور اپنے مفاد کی خاطر رسول اسلام ﷺ پر ایمان نہیں لایا۔

۷۔ فَاٰتَيْنَا: ان مسیحیوں میں سے جو لوگ ہمارے رسول پر ایمان لے آئے ان کو تو اجر ملے گا۔ مگر ان میں سے کثیر تعداد میں لوگوں نے اپنی مفاد پرستی کو نہیں چھوڑا۔

اہم نکات

۱۔ مسیحیوں نے ترک دنیا کے روپ میں دنیا طلبی کی۔

۲۔ اسلام میں ترک دنیا کا تصور نہیں ہے۔

۷۰

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ۙ۲۸

۲۸۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ، اللہ تمہیں اپنی رحمت کا دہرا حصہ دے گا اور تمہیں وہ نور عنایت فرمائے گا جس سے تم راہ طے کر سکو گے اور تمہاری مغفرت بھی کر دے گا اور اللہ بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: ایمان کا ایک درجہ حاصل کرنے والوں سے خطاب ہے۔

---

[1] مستدرک الوسائل: ۲: ۲۰۱	[2] الکافی: ۲: ۶۶۲

۲۔ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِہٖ: ابھی مزید ایمان کی گنجائش باقی ہے۔ اگر تم ایمان پر ایمان کا اضافہ کرو تو اللہ اپنی رحمت پر رحمت کا اضافہ فرمائے گا۔ ایمان والوں کو ایمان کی دعوت اسی سے ہے کہ ایمان میں اضافے کے نتائج ہوتے ہیں۔

۳۔ ایک تو یہی کہ رحمت کا دہرا حصہ ملے گا۔ جس طرح اہل کتاب کے ایمان لانے کی صورت میں انہیں دہرا ثواب ملتا ہے:

اُولٰٓئِکَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَہُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا...[۱]	انہیں ان کے صبر کے صلے میں دوبار اجر دیا جائے گا۔

۴۔ وَیَجْعَلْ لَّکُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ: ایسی روشنی مل جائے گی جس سے حقائق نظر آنے لگیں۔ تَمْشُوْنَ بِہٖ اس سے تمہارا مزید ارتقا ممکن ہو گا۔ چونکہ روشنی کی وجہ سے راہ راست نظر آ رہا ہو گا اور قیامت کے دن بھی روشنی ملے گی۔ لہٰذا اس نور سے مراد دارین کا نور ہے۔

۵۔ وَیَغْفِرْ لَکُمْ: ایمان میں اضافے کی وجہ سے نیکیاں زیادہ ہو جائیں گی۔ نیکیوں کی وجہ سے گناہ بخشے جائیں گے۔

ایک تفسیر اس آیت کی یہ کی گئی ہے کہ اس آیت کا خطاب اہل کتاب سے ہے اور ان سے کہا گیا ہے کہ تم اگر محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت پر ایمان لے آؤ تو تمہیں دہری رحمت ملے گی۔

لیکن اہل کتاب کے لیے یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کی تعبیر قرآن نے کبھی اختیار نہیں فرمائی۔

i۔ حضرت ابن عباس راوی ہیں:

یُؤْتِکُمْ کِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِہٖ حسن و حسین (علیہما السلام) ہیں۔ یَجْعَلْ لَّکُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِہٖ علی بن ابی طالب ( ) علیہ السلام۔

ii۔ جابر بن عبد اللہ انصاری سے بھی یہ روایت وارد ہے۔

iii۔ ابوسعید خدری راوی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:

اما و اللّٰہ لا یحب اھل بیتی عبد الا اعطاہ اللّٰہ عزوجل نوراً حتی یرد علی الحوض۔ و لا یبغض اھل بیتی عبد الا احتجب اللّٰہ عنہ یوم القیمۃ۔[۲]	آگاہ رہو! قسم بخدا! کوئی بھی بندہ میرے اہل بیت سے محبت کرتا ہے تو اللہ عز و جل اسے ایک نور عطا کرے گا جس سے وہ میرے پاس حوض تک پہنچ جائے اور جو بندہ میرے اہل بیت سے بغض رکھے گا تو قیامت کے دن اس کے اور اللہ کے درمیان حجاب رہے گا۔

[۱] ۲۸ قصص۔ ۵۴ [۲] شواھد التنزیل ذیل آیت

اہم نکات

۱۔ ایمان کے درجات ہوتے ہیں۔

۲۔ ہر شخص کو اس کے ایمان کے مطابق ثواب ملے گا۔

لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَ اَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۲۹ ع ۲

۲۹۔ یہ اس لیے کہ اہل کتاب جان لیں کہ اللہ کے فضل میں ان کا کچھ بھی اختیار نہیں ہے اور یہ کہ فضل تو صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے اسے دے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

تفسیر آیات

روایت میں آیا ہے کہ اہل کتاب کے بارے میں جب یہ آیت نازل ہوئی: اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ ....[۱] اہل کتاب کو دو مرتبہ اجر ملے گا۔ ایک اپنے نبی پر ایمان لانے کا دوسرا رسول خاتم ﷺ پر ایمان لانے کا تو بعض اہل کتاب نے کہا: ہمیں دو اور مسلمانوں کو ایک اجر ملے گا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ مسلمان بھی دونوں نبیوں پر ایمان لائے ہیں۔[۲]

۱۔ آیت کے معنی یہ ہوئے: ایمان پر ایمان کا اضافہ کرنے والوں سے ہم نے دوہری رحمت، نور اور مغفرت کا وعدہ اس لیے کیا ہے کہ اہل کتاب یہ خیال نہ کریں کہ مومنوں کو وہ اجر نہیں ملے گا جو اہل کتاب کو مل سکتا ہے۔ یعنی یہ خیال نہ کریں اہل کتاب کو ایمان لانے پر جو اجر ملتا ہے وہ مسلمانوں کو ایمان لانے پر نہیں ملتا۔

۲۔ اَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ: اجر و ثواب عنایت کرنا اللہ کے ہاتھ میں۔ اللہ کو علم ہے کہ اجر کا مستحق کون ہے۔ وہ اپنے علم و مشیت کے مطابق اجر عنایت فرماتا ہے۔

---

[۱] ۲۸ قصص: ۵۴　[۲] مجمع البیان

سُوْرَةُ الْمُجَادِلَةِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اس سورۃ مبارکہ کا نام المحادلۃ اس لیے پڑ گیا کہ اس کی ابتداء میں اوس بن صامت کی زوجہ کی طرف سے اپنے شوہر کے بارے میں تکرار کا ذکر ہے۔ المحادلۃ تکرار اور بحث کرنے کے معنوں میں ہیں۔

یہ سورۃ بالاتفاق مدنی ہے کسی نے اس بارے مین اختلاف نہیں کیا ہے۔

اس سورۃ کی ابتداء میں ظھار کا حکم بیان ہوا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دشمنی رکھنے والوں کا ذکر ہے۔

مجلس و محفل میں بیٹھنے کے آداب کا ذکر ہے

مناجات و سرگوشی کے لیے صدقہ دینے کا حکم پھر اس کے نسخ کا بیان ہے۔

اس سورۃ مبارکہ میں اس آیت کا ذکر ہے جس پر صرف حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے عمل کیا۔

الجزء ۲۸

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قَدۡ سَمِعَ اللّٰہُ قَوۡلَ الَّتِیۡ تُجَادِلُکَ فِیۡ زَوۡجِہَا وَ تَشۡتَکِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ ٭ۖ وَ اللّٰہُ یَسۡمَعُ تَحَاوُرَکُمَا ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌۢ بَصِیۡرٌ ﴿۱﴾

بنام خدائے رحمٰن رحیم

۷۵ ۱۔ بے شک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں تکرار اور اللہ کے آگے شکایت کر رہی تھی اور اللہ آپ دونوں کی گفتگو سن رہا تھا، اللہ یقیناً بڑا سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

تشریح کلمات

تَشۡتَکِیۡ: (ش ک ی) الشکوا اظہار کے معنوں میں ہے۔ مجمع البیان میں آیا ہے: الاشتکاء انسان میں موجود نا مطلوب چیز کا اظہار کرنا ہے جبکہ الشکایۃ کے معنی کسی غیر کی طرف سے

آنے والے نامطلوب چیز کا اظہار کرنا ہے۔

تَحَاوُرَ: (ح و ر) ایک دوسرے کی طرف کلام لوٹانا۔ (تبادلہ گفتگو)

تفسیر آیات

ا۔ انصار کے ایک شخص نے غصے میں آ کر اپنی عورت سے کہا: انت علی کظھر امی تو میرے لیے میری ماں کی پیٹھ جیسی ہے۔ جاہلیت میں عورت سے جدائی اختیار کرنے کے لیے طلاق سے زیادہ مؤثر یہی عمل تھا جس سے عورت ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی تھی۔ یہ خاتون رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس مسئلے کے حل کے لیے اصرار کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ علیہ السلام

اَلَّذِیۡنَ یُظٰہِرُوۡنَ مِنۡکُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِہِمۡ مَّا ہُنَّ اُمَّہٰتِہِمۡ ؕ اِنۡ اُمَّہٰتُہُمۡ اِلَّا الّٰٓیِٴۡ وَلَدۡنَہُمۡ ؕ وَ اِنَّہُمۡ لَیَقُوۡلُوۡنَ مُنۡکَرًا مِّنَ الۡقَوۡلِ وَ زُوۡرًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ لَعَفُوٌّ غَفُوۡرٌ ﴿۲﴾

۲۔ تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں (انہیں ماں کہ بیٹھتے ہیں) وہ ان کی مائیں نہیں ہیں، ان کی مائیں تو صرف وہی ہیں جنہوں نے انہیں جنا ہے اور بلاشبہ یہ لوگ ناپسندیدہ باتیں کرتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہیں اور اللہ یقیناً بڑا درگزر کرنے والا مغفرت کرنے والا ہے۔

تفسیر آیات

ا۔ ظہار یہ ہے کہ انسان اپنی بیوی سے کہدے: تو میرے لیے میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔ اسے فقہی اصطلاح میں ظہار کہتے ہیں۔ فقہ جعفری کے مطابق ظہار حرام ہے۔ ظہار کرنے کے بعد ظہار کرنے والے پر اپنی بیوی حرام ہو جاتی ہے البتہ کفارہ دینے پر دوبارہ حلال ہو جاتی ہے۔ ظہار کے باعث عورت کے حرام ہونے کی کچھ شرائط ہیں جو فقہی کتابوں میں مذکور ہیں۔

۲۔ مَّا ہُنَّ اُمَّہٰتِہِمۡ: جنہیں ماں کہا گیا ہے اس کہنے سے وہ ماں نہیں ہوتی۔ ماں ایک امر واقع کا نام ہے۔ لفظوں سے کوئی کسی کی ماں نہیں بنتی۔

۳۔ اِنۡ اُمَّہٰتُہُمۡ اِلَّا الّٰٓیِٴۡ وَلَدۡنَہُمۡ: ان کی مائیں صرف وہی ہیں جنہوں نے انہیں جنا ہے۔ اور اسی سے انہیں والدہ کہتے ہیں۔ والدہ کی حرمت کو ایسے لفظوں کے ساتھ پامال کرنا حرام ہے اور ساتھ یہ اخلاق و آداب

کے خلاف ہے۔

۴۔ وَ اِنَّهُمۡ لَیَقُوۡلُوۡنَ مُنۡکَرًا مِّنَ الۡقَوۡلِ وَ زُوۡرًا: چنانچہ اسے اللہ تعالیٰ نے منکر اور جھوٹ کہا ہے۔ یعنی بیوی کو ماں کہنا ایک ناپسندیدہ اور خلاف واقع جھوٹ ہے۔

وَ الَّذِیۡنَ یُظٰہِرُوۡنَ مِنۡ نِّسَآئِہِمۡ ثُمَّ یَعُوۡدُوۡنَ لِمَا قَالُوۡا فَتَحۡرِیۡرُ رَقَبَۃٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِکُمۡ تُوۡعَظُوۡنَ بِہٖ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ③

۳۔ اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں پھر اپنے قول سے پلٹ جائیں انہیں باہمی مقاربت سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا چاہیے اس طرح تمہیں نصیحت کی جاتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ ثُمَّ یَعُوۡدُوۡنَ: کے معنی کچھ لوگوں نے تلافی سے کیے ہیں یعنی ظہار کر کے اس کی تلافی کرنا چاہیں۔ بعض دوسرے حضرات نے یَعُوۡدُوۡنَ سے مراد اعادۂ ظہار لیا ہے۔ جو لوگ مکرر ظہار کریں وہ کفارہ دیں۔

مذہب اہل بیت علیہم السلام یہ ہے کہ یَعُوۡدُوۡنَ سے مراد ظہار کرنے کے بعد ہمبستری کی طرف عود کرنا چاہیں تو کفارہ دیں۔ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّتَمَآسَّا ”باہمی مقاربت سے پہلے“ کی تعبیر قرینہ ہے کہ یَعُوۡدُوۡنَ سے مراد مقاربت یعنی ہمبستری کی طرف پلٹنا ہے اور کفارہ ایک غلام آزاد کرنا ہے۔

۲۔ ذٰلِکُمۡ تُوۡعَظُوۡنَ بِہٖ: یہ نصیحت اس لیے ہے کہ کفارہ سے گناہ کا بوجھ اتر جاتا ہے۔

۷۷

فَمَنۡ لَّمۡ یَجِدۡ فَصِیَامُ شَہۡرَیۡنِ مُتَتَابِعَیۡنِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنۡ لَّمۡ یَسۡتَطِعۡ فَاِطۡعَامُ سِتِّیۡنَ مِسۡکِیۡنًا ؕ ذٰلِکَ لِتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ ؕ وَ تِلۡکَ حُدُوۡدُ اللّٰہِ ؕ وَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ④

۴۔ پس جسے غلام نہ ملے وہ باہمی مقاربت سے پہلے متواتر دو مہینے روزے رکھے اور جو ایسا بھی نہ کر سکے وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، یہ اس لیے ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو، یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں اور کفار کے لیے دردناک عذاب ہے۔

تفسیر آیات

اگر غلام آزاد کرنے کے لیے نہ ملے تو دو ماہ بلا فاصلہ روزے رکھیں گے۔ اگر ایک ماہ مکمل نہیں کیا درمیان میں ایک دو دن روزہ نہ رکھے تو پھر سرے سے روزے رکھنا ہوں گے۔ البتہ اگر ایک ماہ مکمل کر کے دوسرے مہینے میں دو تین روزے نہ رکھے تو سرے سے دوبارہ روزہ رکھنا لازم نہیں ہے بلکہ جہاں سے روزوں کا سلسلہ ٹوٹا ہے وہاں سے روزے جاری رکھیں۔ اگر روزہ رکھنا بھی ممکن نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہو گا۔

۲۔ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ: یہ حکم اس لیے ہے کہ تم اللہ اور رسول پر ایمان رکھو۔ چنانچہ اس ایمان کے لیے حدود اللہ کی پابندی ضروری ہے۔ یعنی ان بیان کردہ احکام پر عمل کرنے سے ایمان ثابت ہو گا۔ آیت سے واضح ہو جاتا ہے عمل ہی ایمان ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ قَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ؕ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ مُّهِیْنٌۚ ۝

۵۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ یقیناً اس طرح ذلیل کیے جائیں گے جس طرح ان سے پہلوں کو ذلیل کیا گیا ہے اور تحقیق ہم نے واضح نشانیاں نازل کی ہیں اور کفار کے لیے ذلت والا عذاب ہے۔

تشریح کلمات

یُحَآدُّوْنَ: (ح د د) اس کے معنی اللہ، رسول کی مخالفت کے ہیں اس مخالفت کو یُحَآدُّوْنَ کہنا یا تو روکنے کے اعتبار سے ہے یا الحدید کے استعمال یعنی جنگ کی وجہ سے۔

كُبِتُوْا: (ك ب ت) کسی کو سختی اور ذلت کے ساتھ واپس کر دینا۔

تفسیر آیات

۱۔ یُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ: اللہ نے اس سے پہلے جو حکم بیان فرمایا ہے۔ اس پر عمل کرنا ایمان ہے اور ان احکام کو اگر کوئی بے اعتنائی سے ٹھکرا دے تو یہ اللہ اور رسول کے ساتھ جنگ کرنے کے مترادف ہو گا۔

۲۔ كُبِتُوْا: اللہ اور رسول سے جنگ کرنے والوں کا حشر وہی ہو گا جو اس سے پہلے لوگوں کا ہوا ہے یعنی انہیں ذلت و خواری اٹھانا پڑے گی۔

۳۔ وَ قَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ: اس مخالفت اور جنگ کا کوئی جواز بھی نہیں ہے چونکہ ہم نے اپنے

رسول کی حقانیت کے لیے واضح نشانیاں نازل کی ہیں۔ حجت ہر اعتبار سے پوری ہوگئی ہے۔ اس کے بعد بھی مخالفت کرنے پر ذلت و رسوائی ہوگی۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ ع	۶۔ اس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا پھر انہیں بتائے گا کہ وہ کیا کرتے رہے ہیں، وہ اللہ کو بھول گئے ہیں مگر اللہ نے انہیں شمار کر رکھا ہے اور اللہ ہر شے پر گواہ ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا: قیامت کے دن اللہ سب کو اٹھائے گا، رسول کے خلاف جنگ کرنے والے سب کے سامنے رسوا و ذلیل ہو جائیں گے اور رسوائی اس وقت زیادہ ہوگی جب ان کی بداعمالیاں انہیں بتا دی جائیں گی۔

۲۔ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ: ان بداعمالیوں کا ارتکاب کر کے وہ بھول جاتے ہیں لیکن اللہ کے ہاں انہیں شمار کر رکھا ہے۔

انسان سے روزانہ کچھ نہ کچھ کوتاہی اور گناہ سرزد ہوتے رہتے ہیں، پھر وہ بھول جاتا ہے۔ اکثر کو تو گناہ کا احساس تک نہیں ہوتا لیکن اللہ کے ہاں یہ سب مثبت اور محفوظ ہوتے ہیں۔ قیامت کے دن اس کے گناہوں کی بڑی لمبی فہرست اس کے سامنے رکھ دی جائے گی تو وہ کہہ اٹھے گا:

يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ۝[1] اے کاش! مجھے میرا نامہ اعمال نہ دیا جاتا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَا اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا	۷۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کے بارے میں جانتا ہے، کبھی تین آدمیوں کی سرگوشی نہیں ہوتی مگر یہ کہ ان کا چوتھا اللہ ہوتا ہے اور نہ پانچ آدمیوں کی مگر یہ کہ ان کا چھٹا اللہ ہوتا ہے اور نہ اس سے کم اور نہ زیادہ مگر وہ جہاں کہیں ہوں اللہ ان کے ساتھ ہوتا

[1] ۶۹ حاقۃ: ۲۵

عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ | ہے، پھر قیامت کے دن وہ انہیں ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا، اللہ یقیناً ہر چیز کا خوب علم رکھتا ہے۔

تشریح کلمات

نَّجْوٰى: (ن ج و) سرگوشی کرنا۔ اس کے اصل معنی بلند زمین پر کسی کے ساتھ تنہا ہونے کے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ: اللہ تعالیٰ کو کل کائنات میں موجود تمام چیزوں کا علم ہے:

وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا ...[1] کوئی پتہ بھی نہیں گرتا مگر وہ اس سے آگاہ ہوتا ہے۔

۲۔ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى: ان آیات میں منافقین کی باہمی منصوبہ بندیوں کا ذکر ہے کہ انہوں نے مسلمانوں میں رہ کر اپنی ایک الگ جماعت بنا رکھی تھی اور آپس میں سرگوشیاں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان منافقین کی سازشوں کے بارے میں اپنے علم کا اظہار فرمایا کہ اللہ تمہاری سرگوشیوں کو قریب سے سنتا ہے جس طرح تین آدمی سرگوشی کر رہے ہوں اور چوتھا آدمی بھی ساتھ بیٹھا ہو تو اسے بھی علم ہو گا۔ اسی طرح ہر تعداد کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھی ان کے راز سے واقف ہے۔

اس آیت میں ایک بلاغی پہلو یہ ہے کہ تکرار کے بغیر تین، چار، پانچ اور چھ کا ایک بار ذکر ہے ورنہ اس مطالب کو اس طرح بھی بیان کیا جا سکتا تھا: ما یکون من نجوی ثلاثه الا هو رابعهم و لا اربعة الا هو خامسهم و لا خمسة الا هو سادسهم۔ آیت میں اربع کے بعد اربعة کی تکرار نہیں ہے۔

۳۔ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ: ہر تعداد کے ساتھ اللہ تعالیٰ موجود ہے۔ یہاں کچھ لوگ معیت سے مراد علم لیتے ہیں یعنی علم خدا ان کے ساتھ ہے، خود خدا ساتھ نہیں ہے۔ یہ ان لوگوں کے نظریے کے مطابق ہے جو صفات خدا کو زائد بر ذات سمجھتے ہیں۔ اس جگہ علم خدا ہے، خود خدا نہیں ہے تو ذات صفات سے جدا ہو جاتی ہے اور یہ کہنا یہاں علم خدا ہے خود خدا نہیں ہے خدا کو مکانی اور محدود شمار کرنے کے مترادف ہے۔ یہ نظریہ شیعہ امامیہ کے نزدیک باطل ہے۔ صفات خدا عین ذات ہیں۔ جس طرح چار اور جفت قابل تفریق نہیں ہے اس طرح ذات و صفات الٰہی قابل تفریق نہیں ہے۔ آیت میں معیت سے مراد معیت وجودی ہے کہ اللہ ان کے ساتھ موجود ہے۔ چونکہ اللہ ہر جگہ موجود ہے کوئی جگہ اللہ سے خالی نہیں ہے لہٰذا ان منافقین کی سرگوشی کے پاس اللہ موجود ہے۔

---

[1] ۶ انعام: ۵۹

۴۔ اَیۡنَ مَا کَانُوۡا: یہ لوگ جہاں کہیں بھی ہوں وہاں خدا ہے۔ اللہ کسی مکان میں نہیں اور کوئی مکان اللہ سے خالی نہیں ہے۔

اللہ کو کسی خاص مکان میں محدود سمجھنے والوں کا نظریہ اور ذات و صفات میں تفریق کا نظریہ باطل ہونے پر کلامی کتب میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

۵۔ ثُمَّ یُنَبِّئُہُمۡ بِمَا عَمِلُوۡا یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ: اپنی ان سازشوں کا نتیجہ ان لوگوں نے قیامت کے دن دیکھنا ہے۔

اہم نکات

۱۔ اللہ ہر چیز کے ساتھ ہے، نہ مقارنت (نزدیک ہونے) کے اعتبار سے۔

۲۔ ہر چیز سے وہ جدا ہے، نہ دوری کے اعتبار سے۔ (امام علی علیہ السلام)

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ نُہُوۡا عَنِ النَّجۡوٰی ثُمَّ یَعُوۡدُوۡنَ لِمَا نُہُوۡا عَنۡہُ وَ یَتَنٰجَوۡنَ بِالۡاِثۡمِ وَ الۡعُدۡوَانِ وَ مَعۡصِیَتِ الرَّسُوۡلِ ۫ وَ اِذَا جَآءُوۡکَ حَیَّوۡکَ بِمَا لَمۡ یُحَیِّکَ بِہِ اللّٰہُ ۙ وَ یَقُوۡلُوۡنَ فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ لَوۡ لَا یُعَذِّبُنَا اللّٰہُ بِمَا نَقُوۡلُ ؕ حَسۡبُہُمۡ جَہَنَّمُ ۚ یَصۡلَوۡنَہَا ۚ فَبِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ﴿۸﴾

۸۔ کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں سرگوشی کرنے سے منع کیا گیا تھا؟ جس کام سے انہیں منع کیا گیا تھا وہ پھر اس کا اعادہ کر رہے ہیں اور آپس میں گناہ اور ظلم اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے ہیں اور جب آپ کے پاس آتے ہیں تو وہ آپ کو اس طریقے سے سلام کرتے ہیں جس طریقے سے اللہ نے آپ پر سلام نہیں کیا ہے اور اپنے آپ سے کہتے ہیں: اللہ ہماری باتوں پر ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا؟ ان کے لیے جہنم کافی ہے جس میں وہ جھلسائے جائیں گے، جو بدترین انجام ہے۔

شان نزول: یہود اور منافقین آپس میں سرگوشیاں کرتے اور مومنوں کو دیکھ کر آنکھوں سے اشارے کرتے تھے۔ مومنین اس خیال سے فکر مند ہوتے کہ جو لوگ کسی جنگی مہم پر گئے ہوئے ہیں شاید انہیں کسی جانی نقصان یا شکست وغیرہ سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ اس بات کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے منع کرنے کے باوجود وہ باز نہ آئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

تفسیر آیات

۱۔ وَ یَتَنٰجَوۡنَ بِالۡاِثۡمِ وَ الۡعُدۡوَانِ: الاثم، فاحش، وہ گناہ جو حقوق اللہ سے متعلق ہے اور الۡعُدۡوَانِ، دوسروں پر زیادتی، جو حقوق العباد سے متعلق ہے۔ ان لوگوں کی سرگوشیوں میں یہ دونوں باتیں شامل تھیں۔

۲۔ وَ مَعۡصِیَتِ الرَّسُوۡلِ: اور جو حکم رسول اللہ ﷺ سے صادر ہوتے تھے ان کی خلاف ورزی کے بارے میں سرگوشیاں کرتے تھے۔

۳۔ وَ اِذَا جَآءُوۡکَ حَیَّوۡکَ: یہودی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر السام علیك یا ابا القاسم کہتے تھے۔ السام موت کو کہتے ہیں۔ ان توہین آمیز الفاظ پر ان پر فوری عذاب نازل نہ ہوا۔ وہ اسے دلیل قرار دیتے تھے کہ اگر وہ رسول ہوتے تو ہماری اس اہانت کی وجہ سے ہم پر عذاب آ جاتا حالانکہ اللہ مجرموں کو مہلت دیتا ہے۔ یہ مہلت خود ان کے عذاب میں اضافے کا سبب بنتی ہے لہٰذا مہلت خود عذاب ہے لیکن وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا تَنَاجَیۡتُمۡ فَلَا تَتَنَاجَوۡا بِالۡاِثۡمِ وَ الۡعُدۡوَانِ وَ مَعۡصِیَتِ الرَّسُوۡلِ وَ تَنَاجَوۡا بِالۡبِرِّ وَ التَّقۡوٰی ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیۡۤ اِلَیۡہِ تُحۡشَرُوۡنَ ۝	۹۔ اے ایمان والو! جب تم آپس میں سرگوشی کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشیاں نہ کیا کرو بلکہ نیکی اور تقویٰ کی سرگوشیاں کیا کرو اور اس اللہ سے ڈرو جس کے حضور تم جمع کیے جاؤ گے۔

تفسیر آیات

۱۔ بعض کے نزدیک یہ منافقین سے خطاب ہے جو درست معلوم نہیں ہوتا۔ چونکہ اول جہاں صرف منافقین سے خطاب ہو وہاں انہیں یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا کہنا، ثانیاً ان سے یہ فرمانا تَنَاجَوۡا بِالۡبِرِّ وَ التَّقۡوٰی، بعید ہے لہٰذا خطاب اہل ایمان سے ہے۔ ان کا سرگوشی کرنا ممنوع نہیں ہے۔ البتہ اس میں یہ شرط لگا دی ہے کہ مومنوں کی سرگوشی کا موضوع وہی نہ ہو جو یہود و منافقین کا ہے۔

۲۔ بلکہ تقویٰ اور نیک کاموں کے بارے میں سرگوشی ہونی چاہیے۔

اِنَّمَا النَّجۡوٰی مِنَ الشَّیۡطٰنِ لِیَحۡزُنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ لَیۡسَ بِضَآرِّہِمۡ	۱۰۔ (منافقانہ) سرگوشیاں تو بلاشبہ صرف شیطان ہی کی طرف سے ہوتی ہیں تاکہ مومنین کو رنجیدہ

شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰﴾

خاطر کرے حالانکہ وہ اذن خدا کے بغیر انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اور مومنین کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔

تفسیر آیات

۱۔ منافقین کی سرگوشیوں سے اہل ایمان پریشان ہوتے تھے کہ کوئی حادثہ پیش آیا ہوگا۔ مومنوں کے لیے بھی حکم ہے کہ اس قسم کی سرگوشی نہ کریں کہ دوسرے پریشان ہو جائیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

اِذَا کَانَ ثَلَاثَةٌ فِی بَیْتٍ فَلَا یَتَنَاجَی اثْنَانِ دُوْنَ صَاحِبِھِمَا فَاِنَّ ذَلِکَ مِمَّا یَغُمُّہٗ۔[۱]

اگر گھر میں افراد تین ہیں تو ان میں سے دو آپس میں تیسرے کو چھوڑ کر سرگوشی نہ کریں چونکہ اس سے اسے رنج ہوتا ہے۔

اسی مضمون کی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے عبد اللہ بن مسعود نے روایت کی ہے۔

۲۔ وَ لَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا: ان کی سرگوشیوں سے مومنین کو پریشانی کے علاوہ کوئی ضرر نہ ہوگا۔

۳۔ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ: کوئی اذیت اور تکلیف ہوگی تو ان کی سرگوشیوں کی وجہ سے نہیں ہوگی بلکہ باذن خدا ہوگی جیسے جہاد در راہ خدا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَ اِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں کشادگی پیدا کرو تو کشادگی پیدا کر دیا کرو، اللہ تمہیں کشادگی دے گا اور جب تم سے کہا جائے: اٹھ جاؤ تو اٹھ جایا کرو، تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے اور وہ لوگ جنہیں علم دیا گیا ہے ان کے درجات کو اللہ بلند فرمائے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔

---

[۱] الکافی ۲: ۶۶۰

تفسیر آیات

ا۔آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ آداب مجلس سے واقف نہ تھے اور مجلس رسول ﷺ میں نئے آنے والوں کو جگہ نہیں دیتے تھے۔ اس طرح مجلس رسول میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو نہ آداب محفل کا خیال ہوتا تھا کہ بعد میں آنے والوں کو جگہ دیں نہ بعد میں آنے والوں میں کوئی شائستگی تھی بلکہ وہ لوگوں کو روندتے ہوئے محفل میں گھس جاتے تھے۔ اس پر آداب محفل پر مشتمل یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر گنجائش ہے تو آنے والوں کے لیے کشادگی پیدا کرو ورنہ اٹھ جایا کرو۔

۲۔ وَ اِذَا قِیۡلَ انۡشُزُوۡا: اگر مجلس میں آنے والوں کے لیے جگہ کی گنجائش نہیں ہے تو پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگ اٹھ جائیں تاکہ تم سے علم میں افضل لوگ بیٹھ سکیں۔

۳۔ یَرۡفَعِ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ ۙ وَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ: اس آیت کی ایک تفسیر یہ کی گئی ہے: تم میں ایمان لانے والوں میں سے جنہیں علم دیا گیا ان کا درجہ بلند ہے ان مومنوں کی بہ نسبت جنہیں علم نہیں دیا گیا ہے۔ دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے: تم میں سے جو ایمان لے آئے ہیں اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں انہیں درجہ حاصل ہے اور جنہیں علم دیا گیا ہے ان کے لیے کئی درجات حاصل ہیں۔ اس تفسیر کے مطابق عبارت اس طرح ہوگی: یَرۡفَعِ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ (درجة) وَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ۔

بہرحال یہ بات مسلم ہے کہ علم کے بغیر ایمان والوں پر علم کے ساتھ ایمان والوں کو درجہ حاصل ہے:

قُلۡ ہَلۡ یَسۡتَوِی الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ وَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ...[1]	کہدیجیے: کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے یکساں ہو سکتے ہیں؟

نبی کی صحبت میں بیٹھنے والوں کے ذکر کے درمیان علم والوں کی فضیلت بیان کرنے سے یہ بات واضح ہو گئی کہ علم اور صحبت میں کیا امتیاز ہے۔ درجہ، علم سے بلند ہوتا ہے صرف ہم نشینی سے نہیں۔ رسول ﷺ کی ہم نشینی کا درجہ ضرور ہے لیکن ان ہم نشینیوں میں علم والوں کا درجہ بلند ہے۔ حدیث نبوی ہے:

فضل العالم علی الشهيد درجة و فضل الشهيد علی العابد درجة و فضل النبی علی العالم درجة و فضل القرآن علی سائر الکلام کفضل اللّٰه علی خلقه و فضل العالم علی سائر الناس کفضلی علی ادناهم۔[2]	عالم کو شہید پر ایک درجہ زیادہ فضیلت دی گئی اور شہید کو عابد پر ایک درجہ فضیلت دی گئی ہے اور نبی کو عالم پر فضیلت دی گئی ہے اور قرآن کو باقی کلام پر وہی دی گئی ہے جیسے اللہ کی اپنی مخلوق پر فضیلت ہے اور عالم کو باقی لوگوں پر وہی فضیلت دی گئی جو مجھے باقی لوگوں پر فضیلت دی گئی ہے۔

ا ۳۹ زمر: ۹ ۲ مجمع البیان ذیل آیۃ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ اے ایمان والو! جب تم رسول سے سرگوشی کرنا چاہو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا کرو، یہ بات تمہارے لیے بہتر اور زیادہ پاکیزہ ہے، ہاں اگر صدقہ دینے کے لیے کچھ نہ پاؤ تو اللہ یقیناً بڑا بخشنے والا، مہربان ہے۔

تفسیر آیات

بنا بر روایت قتادہ، کچھ لوگ (شاید امیر لوگ) بلاوجہ صرف اپنی بڑائی دکھانے کے لیے رسول اللہ ﷺ سے خلوت میں بات کرنا چاہتے تھے۔ اس آیت کے ذریعے یہ حکم آیا کہ جو آپ سے خلوت میں بات کرنی چاہتا ہے وہ پہلے صدقہ دے۔ اس حکم کی وجہ سے وہ ریاکارانہ سلسلہ بند ہو گیا۔

صرف حضرت علی علیہ السلام نے اس آیت پر عمل کیا اور صدقہ دے کر رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ پوچھا۔

خود حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ علیہ السلام نے ایک دینار دس درہم میں فروخت کیا اور ایک ایک درہم صدقہ دے کر دس بار رسول اللہ ﷺ سے خلوت میں بات کی اور دس مسائل پوچھے۔

واضح رہے رسول اللہ ﷺ کو جہاں یہ حکم تھا پوری امت کو اسلام کی تبلیغ کریں وہاں یہ حکم بھی تھا کہ خصوصی طور پر حضرت علی علیہ السلام کو تعلیم و تربیت دیں۔ لہٰذا آپ ﷺ وقتاً فوقتاً حضرت علی علیہ السلام سے سرگوشی فرماتے تھے جس پر دوسرے حاسدین جلتے تھے۔ چنانچہ جابر بن عبد اللہ انصاری کی روایت ہے: غزوۂ طائف میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ ایک دن طویل سرگوشی فرمائی۔ اس پر لوگوں نے کہا:

قدطالت مناجاتك منذ اليوم مع علی — آپ کی علی کے ساتھ طویل سرگوشی رہی؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

ما انا انتجیته ولکن الله انتجاه۔[1] — میں نے یہ سرگوشی اپنی طرف سے نہیں کی لیکن اللہ کے حکم سے کی ہے۔

یہ روایت ابو الزبیر نے جابر سے روایت کی ہے ابن عساکر کہتے ہیں: رواه عن ابی الزبیر جماعة۔ اس حدیث کو ابن زبیر سے ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔

دوسری روایات میں آیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ حضرت علی علیہ السلام سے خلوت میں گفتگو کرتے تھے تو اصحاب کہتے تھے: ما اکثر ما یناجیه کس قدر باہم سرگوشی کرتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ما انا

[1] مناقب منازلی، تاریخ دمشق ۲: ۳۷۔ شواهد التنزیل ۲: ۳۲۵

انتجیته ولکن اللّٰہ انتجاہ یہ سرگوشی میں نے اپنی طرف سے نہیں کی لیکن اللہ کے حکم سے کی ہے۔

تیسری روایت میں آیا ہے کہ طویل سرگوشی کی تو فرای الکراھیة فی وجوہ رجال۔ کچھ لوگوں کے چہروں پر کراہت نمایاں ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

ما انا انتجیته ولکن اللّٰہ انتجاہ۔ میں نے اپنی طرف سے یہ سرگوشی نہیں کی لیکن اللہ کے حکم سے کی ہے۔

مجمع کبیر میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکر نے کہا تھا: لقد طالت مناجاتك الیوم علیا آج آپ کی علی کے ساتھ خلوت میں لمبی گفتگو ہوئی؟ تو رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ حدیث بیان فرمائی۔ شواھد التنزیل ۲:۳۲۷ میں ہے کہ گلہ کرنے والے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر دونوں تھے۔

حق تو یہ ہے کہ حدیث نجوی پر ایک مستقل کتاب لکھی جائے اور اس بات کی پوری وضاحت ہوجائے کہ رسول اللہ ﷺ پر علی علیہ السلام کو خصوصی تعلیم دینا واجب تھا۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام سے مخاطب ہو کر فرمایا:

ان اللّٰہعز ذکرہ امرنی ان ادنیك فلا اقصیك و اعلمك فلا اجفوك۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تجھے قریب کروں میں تجھے دور نہیں کروں گا اور تجھے تعلیم دوں تجھ سے جفا نہیں کروں گا۔

پھر فرمایا:

وحقا علیك ان تعی و حقا علی ان اطیع ربی تبارك تعالیٰ۔[1] تیری ذمہ داری ہے کہ حفظ کرے اور میری ذمہ داری ہے کہ اپنے رب تبارک وتعالیٰ کی اطاعت کروں۔

عبد اللہ بن عمر کا قول مشہور ہے:

علی (علیہ السلام) کے تین ایسے فضائل ہیں ان میں سے ایک بھی مجھے حاصل ہوتا تو بڑی دولت سے میرے لیے بہتر تھا: حضرت فاطمۃ الزہرا (سلام اللہ علیہا) کے ساتھ تزویج، خیبر کے دن علم دیا جانا اور آیہ نجوی۔[2]

خود مولائے متقیان کا یہ فرمان بھی مشہور ہے:

ایه فی کتاب اللّٰہ لم یعمل بها احد قبلی ولا یعمل بها احد بعدی[3] قرآن میں ایک ایسی آیت ہے جس پر میرے سوا کسی نے نہ عمل کیا ہے نہ آیندہ کرے گا۔

سچ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے علی مع القرآن و القرآن مع علی۔[4]

اگر قرآن میں ایک بھی آیت ایسی ہوتی جس پر علی علیہ السلام عمل نہ کیا ہوتا تو مکمل قرآن علی علیہ السلام کی ملکیت

[1] الخصال ۲:۳۶۲ [2] الکشاف ۴:۴۹۴ [3] مستدرك الحاکم [4] کشف الغمة ۱:۱۴۸

میں ثابت نہ ہوتا۔ لہٰذا نہ قرآن کی تعلیمات، نہ قرآن کی تفسیر و بیان، نہ قرآن کے علوم و عرفان علی علیہ السلام سے جدا ہیں، نہ علی علیہ السلام ان تمام امور سے جدا ہیں۔

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ ع

۱۳۔ کیا تم اپنی سرگوشیوں سے پہلے صدقہ دینے سے ڈر گئے ہو؟ اب جب تم نے ایسا نہیں کیا اور اللہ نے تمہیں معاف کر دیا تو تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کیا کرو اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خوب آگاہ ہے۔

تشریح کلمات

اَشْفَقْتُمْ: (ش ف ق) اشفق خوف کرنے کے معنوں میں ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ ءَاَشْفَقْتُمْ: کیا تم اپنی سرگوشیوں سے پہلے صدقہ دینے میں فقر و تنگدستی سے ڈر گئے۔ یہ سوچ کر کہ آج کے بعد ہمیشہ سرگوشی کے لیے صدقہ دیتے رہنا پڑے گا۔

۲۔ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا: یہ دوسری سرزنش ہے کہ جب تم نے حکم خدا کے باوجود ایسا نہ کیا جو ایک قسم کی بے اعتنائی اور قابل سرزنش گناہ ہے۔

۳۔ وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ: اس قابل سرزنش گناہ کو اللہ نے معاف کر دیا اور معافی کی یہ صورت ہوئی کہ آیندہ کے لیے اس حکم کو منسوخ کر دیا۔

اگر صدقہ ترک کر دینا قابل سرزنش گناہ نہ ہوتا تو اس پر عمل کرنا قابل قدر فضیلت نہ ہوتی۔ پھر اللہ نے فرمایا تھا اس صدقے کے دینے میں ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ تمہارے لیے بہتر اور پاکیزہ تر ہے۔ اس تاکید کے باوجود صدقہ نہ دینا بے اعتنائی ہے۔ چنانچہ روح المعانی میں لکھا ہے:

و فیه علی ما قیل اشعار بان اشفاقهم ذنب تجاوز اللّٰه تعالیٰ عنه۔

بنابر قولے اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ لوگوں کا یہ ڈر گناہ تھا۔ اللہ نے معاف کر دیا۔

۴۔ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ: آئندہ نماز و زکوۃ کی پابندی کے ساتھ،

۵۔ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ: اللہ اور رسول کی طرف سے صادر ہونے والے احکام کی اطاعت کرو اور پھر بے اعتنائی نہ کرو۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ تَوَلَّوۡا قَوۡمًا غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ ؕ مَا ہُمۡ مِّنۡکُمۡ وَ لَا مِنۡہُمۡ ۙ وَ یَحۡلِفُوۡنَ عَلَی الۡکَذِبِ وَ ہُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو ایسے لوگوں سے دوستی کرتے ہیں جن پر اللہ غضبناک ہوا ہے؟ یہ لوگ نہ تمہارے ہیں اور نہ ان کے اور وہ جان بوجھ کر جھوٹی باتوں پر قسم کھاتے ہیں۔

اَعَدَّ اللّٰہُ لَہُمۡ عَذَابًا شَدِیۡدًا ؕ اِنَّہُمۡ سَآءَ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے، وہ جو کچھ کر رہے ہیں یقیناً وہ برا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ ان منافقین کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی جو یہودیوں سے دوستی اور رسالتمآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتے اور مومنوں کو برا بھلا کہتے تھے۔

۲۔ مَا ہُمۡ مِّنۡکُمۡ وَ لَا مِنۡہُمۡ: درحقیقت نہ یہ لوگ مسلمانوں کے خیرخواہ ہیں، نہ یہود کے بلکہ منافق ہیں۔ نفاق کا اپنا الگ ایک مذہب ہے۔

۳۔ وَ یَحۡلِفُوۡنَ عَلَی الۡکَذِبِ: جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تم اس قسم کی گستاخی اور برائی کے کیوں مرتکب ہوتے ہو تو یہ لوگ جھوٹی قسم کھاتے ہیں کہ ہم ایسا نہیں کرتے۔

۴۔ وَ ہُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ: حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ بات جھوٹ ہے۔

۵۔ اَعَدَّ اللّٰہُ لَہُمۡ عَذَابًا شَدِیۡدًا: ان کی گستاخی، برائی اور نفاق جیسے بُرے اعمال کی وجہ سے اللہ نے ان کے لیے شدید عذاب آمادہ کر رکھا ہے۔ دیگر لوگوں کی بہ نسبت منافقوں کے لیے عذاب زیادہ شدید ہوگا۔

اِتَّخَذُوۡۤا اَیۡمَانَہُمۡ جُنَّۃً فَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ فَلَہُمۡ عَذَابٌ مُّہِیۡنٌ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ انہوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا رکھا ہے پھر وہ راہ خدا سے روکتے ہیں، پس ان کے لیے ذلت آمیز عذاب ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ جب ان کے جرائم فاش ہونے لگتے ہیں تو وہ جھوٹی قسموں کو ڈھال بناتے ہیں اور راہ خدا پر چلنے سے روکتے بھی ہیں۔ یعنی قسم کھا کر اپنی قسم کے خلاف عمل کرتے ہیں۔

۲۔ فَلَہُمۡ عَذَابٌ مُّہِیۡنٌ: اس نفاق اور برے عمل کی وجہ سے انہیں رسوا کن عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

لَنۡ تُغۡنِیَ عَنۡہُمۡ اَمۡوَالُہُمۡ وَ لَاۤ اَوۡلَادُہُمۡ مِّنَ اللّٰہِ شَیۡـًٔا ؕ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ؕ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ یقیناً اللہ (کے عذاب) سے نہ ان کے اموال انہیں بچائیں گے اور نہ ان کی اولاد، یہ جہنم والے ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر آیات

ان منافقین کے دل میں جب ایمان نہیں ہے تو اموال و اولاد عذاب سے نجات کا ذریعہ نہیں بن سکتے۔

یَوۡمَ یَبۡعَثُہُمُ اللّٰہُ جَمِیۡعًا فَیَحۡلِفُوۡنَ لَہٗ کَمَا یَحۡلِفُوۡنَ لَکُمۡ وَ یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّہُمۡ عَلٰی شَیۡءٍ ؕ اَلَاۤ اِنَّہُمۡ ہُمُ الۡکٰذِبُوۡنَ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا تو وہ اسی طرح اللہ کے سامنے قسمیں اٹھائیں گے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں اٹھاتے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ کسی موقف پر ہیں آگاہ رہو! یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ قیامت کے دن انسان اسی خلق و خو کے ساتھ محشور ہو گا جس خلق و خو کا وہ دنیا میں مالک تھا۔ چونکہ قیامت کے دن اسی مزاج کے ساتھ انسان کو زندہ کیا جانا ہے لہٰذا وہ دنیا کی عادات و اطوار کے مطابق قیامت کے دن بھی عمل کرے گا۔ چنانچہ یہ منافقین جس طرح دنیا میں مسلمانوں کے سامنے جھوٹی قسم کھاتے تھے۔ قیامت کے دن اللہ کے سامنے بھی جھوٹی قسم کھائیں گے۔

۲۔ وَ یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّہُمۡ عَلٰی شَیۡءٍ: وہ ان جھوٹی قسموں کے ذریعے اپنے حق میں کچھ فائدہ حاصل کرنے میں کامیاب ہونے کے خیال میں ہیں۔ ان کی دنیوی عادات گئی نہیں۔ وہ اب بھی یہ خیال کرتے

ہیں وہ کسی دلیل پر ہیں جب کہ مشرکین کا کوئی موقف نہیں ہوتا۔ وہ موہومی دنیا میں ہوتے ہیں۔

۳۔ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ هُمُ الۡكٰذِبُوۡنَ: حالانکہ وہ دروغگوئی کے مرتکب ہیں۔ واقع کے خلاف ہیں اور جو واقع کے خلاف ہوتے ہیں ان کی حقیقت بالآخر فاش ہو کر رہ جاتی ہے۔

اِسۡتَحۡوَذَ عَلَيۡهِمُ الشَّيۡطٰنُ فَاَنۡسٰهُمۡ ذِكۡرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزۡبُ الشَّيۡطٰنِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ الشَّيۡطٰنِ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ شیطان نے ان پر قابو پا لیا ہے اور انہیں اللہ کا ذکر بھلا دیا ہے، یہ گروہ شیطان ہیں، آگاہ رہو! شیطان کا گروہ ہی یقیناً خسارے میں ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ شیطان ان پر اس طرح غالب آ گیا کی شیطان کو پیروی کرنے میں یہ لوگ ذکر خدا کو بھول گئے اب یہ لوگ اللہ سے خوف نہیں کرتے اور اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے کسی قسم کی پریشانی میں مبتلا نہیں ہوتے۔

۲۔ اُولٰٓئِكَ حِزۡبُ الشَّيۡطٰنِ :اب یہ لوگ شیطان کی پارٹی کے ممبر بن گئے جس میں سوائے خسارے کے اور کچھ نہیں ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے:

وکان فتی من جند ابلیس فارتقی بہ‌الحال حتی صار ابلیس من جندہ

یہ شخص ابلیس کے لشکر میں سے تھا۔ اب ترقی پا کر حال یہ ہوا کہ ابلیس اس کے لشکر کا ہو گیا ہے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ يُحَآدُّوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِى الۡاَذَلِّيۡنَ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کرتے ہیں وہ یقیناً ذلیل ترین لوگوں میں سے ہیں۔

تفسیر آیات

اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ عزت اللہ اس کے رسول اور مومنین کے لیے ہے:

وَلِلّٰهِ الۡعِزَّةُ وَلِرَسُوۡلِهٖ وَلِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ....[1] عزت تو اللہ، اس کے رسول اور مومنین کے لیے ہے.

تو اللہ اور رسول کے مقابلے میں آنے والے ذلیل ہی ہوں گے۔

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىۡ ؕ

۲۱۔ اللہ نے لکھ دیا ہے: میں اور میرے رسول ہی

---

[1] ۶۳ منافقون: ۸

اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیۡزٌ ﴿۲۱﴾

غالب آ کر رہیں گے، یقیناً اللہ ہی بڑی طاقت والا، غالب آنے والا ہے۔

اس آیت کی تشریح کے لیے اسی مضمون کی سورہ صافات کی آیات ۱۷۱ تا ۱۷۳ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

لَا تَجِدُ قَوۡمًا یُّؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ یُوَآدُّوۡنَ مَنۡ حَآدَّ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ وَ لَوۡ کَانُوۡۤا اٰبَآءَہُمۡ اَوۡ اَبۡنَآءَہُمۡ اَوۡ اِخۡوَانَہُمۡ اَوۡ عَشِیۡرَتَہُمۡ ؕ اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمُ الۡاِیۡمَانَ وَ اَیَّدَہُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡہُ ؕ وَ یُدۡخِلُہُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ ؕ اُولٰٓئِکَ حِزۡبُ اللّٰہِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ اللّٰہِ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۲۲﴾ ع

۲۲۔ آپ کبھی ایسے افراد نہیں پائیں گے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھنے والے (بھی) ہوں لیکن اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے محبت رکھتے ہوں خواہ وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے خاندان والے ہی کیوں نہ ہوں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو ثبت کر دیا ہے اور اس نے اپنی طرف سے ایک روح سے ان کی تائید کی ہے اور وہ انہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہے اور یہ اللہ سے راضی ہیں، یہی لوگ اللہ کی جماعت ہیں، آگاہ رہو! اللہ کی جماعت والے ہی یقیناً کامیاب ہونے والے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ لَا تَجِدُ قَوۡمًا: ایمان باللہ کا لازمہ یہ ہے کہ اللہ کے دشمنوں سے محبت نہیں ہو سکتی۔ دو متضاد محبتیں ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ خدا سے محبت اور دشمن خدا سے بھی محبت، خواہ وہ دشمن خدا نسبی اعتبار سے مومن کے قریبی ترین رشتہ دار باپ بھائی ہی کیوں نہ ہوں۔

چنانچہ حضرت علی علیہ السلام سے مروی ہے:

وَلَقَدْ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ نَقْتُلُ آبَائَنَا

ہم (مسلمان) رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ اپنے باپ،

وَ اَبْنَائَنَا وَ اِخْوَانَنَا وَ اَعْمَامَنَا مَا یَزِیْدُنَا ذٰلِكَ اِلَّا اِیْمَاناً وَ تَسْلِیماً...۔[1] بیٹوں، بھائیوں اور چچاؤں کو قتل کرتے تھے۔ اس سے ہمارا ایمان بڑھتا تھا۔ اطاعت اور راہ حق کی پیروی میں اضافہ ہوتا تھا۔

۲۔ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ: کتابت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان کو ایسا ثبت اور محکم کر دیا ہے کہ اس میں ایمان کے منافی چیز کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

۳۔ وَ اَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ: اللہ کی طرف سے انہیں ایک ایمانی روح کی تائید حاصل ہے۔ یہ ایمانی روح، اس روح کے علاوہ ہے جو ہر انسان میں ہوتی ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر۔

راوی کہتا ہے: میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اس فرمان کا مطلب پوچھا: اِذَا زَنَی الرَّجُلُ فَارَقَهُ رُوحُ الْاِیْمَانِ۔ جب انسان زنا کرتا ہے تو ایمانی روح اس سے الگ ہو جاتی ہے تو آپؑ نے فرمایا:

یہ وہی روح ہے جسے اللہ نے فرمایا: وَ اَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ...۔[2]

۴۔ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ: اس مرتبہ پر فائز ہونے کی صورت میں اللہ ان پر راضی ہوتا ہے۔ وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ...۔[3] اللہ کی خوشنودی کا حصول ہر قابل تصور نعمت سے بڑی نعمت ہے۔ وَ رَضُوْا عَنْهُ اور یہ مومنین بھی اللہ سے راضی ہیں۔ ہر مشکل امتحان میں راضی برضا رہتے ہیں جو ایمان کے ایک خاص مرتبے کی علامت ہے۔

۵۔ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ: یہ ایک بڑا اعزاز ہے کہ اللہ ایسے مومنوں کو اپنی جماعت قرار دیتا ہے جہاں منافقین حزب شیطان میں شامل ہوں گے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

اما انه من احبنا فی اللّٰه نفعه اللّٰه بحبنا، و من احبنا لغیر اللّٰه فان اللّٰه یقضی فی الامور ما یشآء، انما حبنا اهل البیت شیء یکتبه اللّٰه فی قلب العبد، فمن کتبه اللّٰه فی قلبه لم یستطع احد (ان) یمحوه اما سمعت اللّٰه یقول: اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَ اَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ فحبنا اهل البیت من اصل

جو شخص ہم سے برائے خدا محبت کرتا ہے تو اللہ اسے ہماری محبت کا فائدہ دے گا اور جو شخص برائے غیر خدا ہم سے محبت کرتا ہے تو جس قدر اللہ چاہے اس کے بھی کچھ امور حل ہو جائیں گے۔ ہم اہل بیت کی محبت ایک ایسی بات ہے جسے اللہ بندے کے دل میں ثبت فرماتا ہے۔ پس جس کے دل میں اللہ ثبت کرے اس کوئی مٹا نہیں سکتا۔ کیا تو نے اللہ کے اس کلام کو نہیں سنا جس میں فرماتا ہے: یہ وہ لوگ ہیں

[1] نہج البلاغۃ خ ۵۶ [2] اصول کافی ۲: ۲۸۰ [3] ۹ توبۃ: ۷۲

الایمان۔[1]

جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کیا ہے اور اللہ نے اپنی طرف سے ایک روح سے اس کی تائید کی ہے۔

[1] شواھد التنزیل ۲: ۳۳۰

سُورَةُ الحَشْرِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ الحشر مدنی ہے اور آیت نمبر۲ میں یہودیوں کی مدینہ سے علاقہ بدری کے ذکر میں لفظ اَلۡحَشۡرِ آیا ہے۔ اس سے اس سورۃ کا نام مقرر ہوا۔

اس سورۃ کے شروع میں یہودی قبیلہ بنی نضیر کی ملک بدری اور ان کے متروکہ اموال کا ذکر ہے۔ یہود کے ساتھ منافقین کی بے وفائی کا ذکر ہے کہ انہوں نے حالت جنگ میں ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ منافقین کے وعدے کو شیطان کے وعدے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

شان نزول: یہودی قبیلہ بنی نضیر کی جلا وطنی کا ذکر ہے۔ کچھ جنگی ضروریات کا بھی ذکر ہے۔ بغیر جنگ کے ہاتھ آنے والی جائداد اور اموال کی ملکیت کا ذکر ہے۔ منافقین نے یہود کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا ہے اس کا ذکر ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	بنام خدائے رحمٰن رحیم
سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ۚ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ①	۱۔ آسمانوں اور زمین میں موجود ہر شے اللہ کی تسبیح کرتی ہے اور وہی بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔

تفسیر آیات

کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔ اس موضوع پر گفتگو کئی بار ہو چکی ہے۔

هُوَ الَّذِیۡۤ اَخۡرَجَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡکِتٰبِ مِنۡ دِیَارِهِمۡ لِاَوَّلِ الۡحَشۡرِ ؕؔ مَا ظَنَنۡتُمۡ اَنۡ یَّخۡرُجُوۡا وَ ظَنُّوۡۤا اَنَّهُمۡ مَّانِعَتُهُمۡ حُصُوۡنُهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنۡ حَیۡثُ لَمۡ یَحۡتَسِبُوۡا ٭ وَ قَذَفَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمُ الرُّعۡبَ یُخۡرِبُوۡنَ بُیُوۡتَهُمۡ بِاَیۡدِیۡهِمۡ وَ اَیۡدِی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ٭ فَاعۡتَبِرُوۡا یٰۤاُولِی الۡاَبۡصَارِ ۝۲

۲۔ وہ وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے کافر ہونے والوں کو پہلی ہی بیدخلی مہم میں ان کے گھروں سے نکال دیا، تمہارا گمان نہیں تھا کہ وہ نکل جائیں گے اور وہ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ان کے قلعے انہیں اللہ (کے عذاب) سے بچا لیں گے مگر اللہ (کا عذاب) ان پر ایسی جانب سے آیا جہاں سے وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں اور مومنین کے ہاتھوں سے اجاڑ رہے تھے، پس اے بصیرت رکھنے والو! عبرت حاصل کرو۔

تفسیر آیات

اس سورہ کے اکثر مطالب غزوہ بنی نضیر کے بارے بارے میں ہیں۔ یہ غزوہ جنگ احد کے بعد غالباً سنہ ۴ ہجری میں رونما ہوا تھا۔

واقعہ اس طرح پیش آیا: بنی نضیر کے یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا۔ اس معاہدے میں درج ذیل نکات پر اتفاق ہوا:

i۔ اس معاہدے میں شریک لوگوں پر حملہ کرنے والوں کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرنا۔

ii۔ کوئی اپنے حلیف کے ساتھ زیادتی نہیں کرے گا۔

iii۔ مظلوم کی حمایت کی جائے گی۔

iv۔ جب تک جنگ رہے یہودی بھی جنگ کے مصارف مسلمانوں کے ساتھ برداشت کریں گے۔

v۔ معاہدے کے شرکاء پر یثرب میں فساد فتنہ برپا کرنا حرام ہے۔

vi۔ قریش اور ان کے حامیوں کو پناہ نہیں دی جائے گی۔

vii۔ یثرب پر حملہ ہونے کی صورت میں شرکائے معاہدہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

اس معاہدے کے بعد یہودیوں نے اس کی خلاف ورزیاں کیں اور اسلام کے خلاف کھل کر

سازشوں میں مصروف رہے۔

ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ بنی قینقاع نے ایک دن ایک مسلمان خاتون کی بے حرمتی کی۔ اس پر جھگڑا شروع ہوا۔ ایک مسلمان اور ایک یہودی قتل ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں امن وسکون سے رہنے کی نصیحت فرمائی تو ان لوگوں نے ان لفظوں میں جواب دیا: اے محمد! ہمیں قریش نہ سمجھو۔ انہیں جنگ لڑنے کا سلیقہ نہیں آتا۔ ہمارے ساتھ اگر مقابلہ ہوا تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ جنگ کیسے لڑی جاتی ہے اور مرد کارزار کیسے ہوتے ہیں۔ ان کی طرف سے یہ صریحاً اعلان جنگ تھا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے محلے کا محاصرہ کیا۔ پندرہ روز کے بعد یہودیوں نے ہتھیار ڈال دیے اور ان کے تمام جنگجوؤں کو باندھ لیا گیا۔ بعد میں عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) کی مداخلت پر رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ بنی قینقاع اسلحہ اور سامان چھوڑ کر مدینہ سے نکل جائیں۔

دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ مسلمانوں سے بنی عامر کے دو آدمی غلطی سے قتل ہو گئے جب کہ ان کے ساتھ معاہدہ تھا اور چونکہ بنی عامر کے ساتھ معاہدے میں بنی نضیر کے یہودی بھی شریک تھے اس لیے اس خون بہا میں شرکت کی دعوت دینے خود رسول اللہ ﷺ بنی نضیر کے ہاں تشریف لے گئے۔ ان لوگوں نے آپ ﷺ کو ایک جگہ بٹھا کر اوپر سے ایک بھاری پتھر گرا کر آپ ﷺ کو شہید کرنے کی سازش کی۔ اللہ نے فوراً آپ کو اطلاع دی اور آپ فوراً وہاں سے اٹھ کر مدینہ تشریف لے آئے اور بنی نضیر کو دس دن کے اندر مدینہ چھوڑنے کا حکم دے دیا لیکن ان یہودیوں نے یہ حکم نہ مانا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ چند دنوں میں وہ اس شرط پر مدینہ چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے کہ اسلحہ کے سوا سارا مال و متاع ہمراہ لے جائیں گے۔ چنانچہ مدینے کی سرزمین ان یہودیوں سے پاک ہوگئی۔

۱۔ لِاَوَّلِ الۡحَشۡرِ: اَلۡحَشۡرِ منتشر افراد کو جمع کر کے نکالنے کے معنوں میں ہے۔ لہٰذا اول الحشر کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ نے ان یہودیوں کو پہلے حشر میں نکال دیا۔ دوسرے، تیسرے حشر یعنی بیدخلی مہم کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ لہٰذا اس جگہ حشر ثانی کی تلاش ضروری نہیں ہے جیسا کہ مفسرین نے تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ 99

۲۔ مَاظَنَنۡتُمۡ اَنۡ یَّخۡرُجُوۡا: مسلمانوں کا خیال تھا کہ یہود اپنے مضبوط قلعوں سے نہیں نکلیں گے چونکہ قلعہ فتح کرنا بہت مشکل ہے۔ اول تو قلعے بہت مضبوط ہیں۔ ثانیاً ان یہودیوں کی تعداد بھی خاصی ہے۔ ثالثاً ان کے پاس اسلحہ کی بھی کمی نہیں ہے۔

۳۔ وَ ظَنُّوۡۤا: خود یہودیوں کا بھی یہی خیال تھا اور انہیں اپنے قلعوں پر ناز تھا کہ ہمارے قلعے کون فتح کرسکتا ہے۔

۴۔ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنۡ حَیۡثُ لَمۡ یَحۡتَسِبُوۡا: اللہ نے ان پر ایک ایسے نقطے سے حملہ کیا جو ان کے

وہم وگمان میں نہ تھا۔ وہ نقطہ ان میں موجود ہمت تھی۔ چنانچہ ان کی ہمت پست ہو گئی اور ان میں قوت مقابلہ نہ رہی۔ وَقَذَفَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمُ الرُّعۡبَ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے رعب ڈال دیا۔

۵۔ یُخۡرِبُوۡنَ بُیُوۡتَہُمۡ بِاَیۡدِیۡہِمۡ: وہ اپنے گھر اپنے ہی ہاتھوں اس لیے خراب کر رہے تھے تاکہ مسلمانوں کے لیے قابل استعمال نہ رہیں۔

۶۔ وَ اَیۡدِی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ: اور مومنین نے بھی ان کے قلعوں کو توڑنا شروع کیا۔ اس طرح دونوں فریقوں کے ہاتھوں ان کی آبادی تباہ ہو گئی۔

۷۔ فَاعۡتَبِرُوۡا یٰۤاُولِی الۡاَبۡصَارِ: ان قلعہ بند یہودیوں کو ذلت آمیز شکست دینے، اپنی ہی آبادی اپنے ہاتھوں تباہ کرنے اور جلا وطن ہونے میں ان سب کے لیے ایک درس عبرت تھا جو اسلام کے مقابلے میں آنا چاہتے تھے۔

وَلَوۡلَاۤ اَنۡ کَتَبَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمُ الۡجَلَآءَ لَعَذَّبَہُمۡ فِی الدُّنۡیَا ؕ وَلَہُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ عَذَابُ النَّارِ ﴿۳﴾

۳۔ اور اگر اللہ نے ان پر جلا وطنی لکھ نہ دی ہوتی تو انہیں دنیا میں ضرور عذاب دیتا اور آخرت میں تو ان کے لیے ہے ہی جہنم کا عذاب۔

تفسیر آیات

اگر ان یہودیوں نے جلا وطنی اختیار نہ کی ہوتی اور مسلمانوں سے جنگ کرتے تو دنیا میں ان پر قتل، اسیری اور غلامی کی صورت میں عذاب آ جاتا ہے اور آخرت میں تو یہ لوگ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔

ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ شَآقُّوا اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ ۚ وَمَنۡ یُّشَآقِّ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ﴿۴﴾

۴۔ یہ اس لیے ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کی اور جو اللہ سے دشمنی کرے تو اللہ یقیناً سخت عذاب دینے والا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ یہ ذلت اور رسوائی اس لیے اٹھانا پڑی کہ ان یہودیوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ دشمنی کی۔

۲۔ وَمَنۡ یُّشَآقِّ اللّٰہَ: پھر ایک کلی حکم بیان فرمایا: جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی دشمنی کا ارتکاب کرے گا تو اسے عذاب سے دوچار ہونا ہو گا۔

مَا قَطَعۡتُمۡ مِّنۡ لِّیۡنَۃٍ اَوۡ تَرَکۡتُمُوۡہَا قَآئِمَۃً عَلٰۤی اُصُوۡلِہَا فَبِاِذۡنِ اللّٰہِ وَ لِیُخۡزِیَ الۡفٰسِقِیۡنَ﴿۵﴾

۵۔ تم لوگوں نے کھجور کے جو درخت کاٹ ڈالے یا انہیں اپنی جڑوں پر قائم رہنے دیا یہ سب اللہ کے حکم سے تھا اور اس لیے بھی تاکہ فاسقین کو رسوا کیا جائے۔

تشریح کلمات

لِّیۡنَۃٍ: (ل و ن) کھجور کے درخت کو کہتے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ جب مسلمانوں نے بنی نضیر کو محاصرے میں لیا تو ان یہودیوں کی بستی کے اطراف میں ایسے گھنے نخلستان موجود تھے جو فوجی نقل و حرکت میں حائل تھے۔ انہیں کاٹ دیا اور جو درخت نقل و حرکت میں رکاوٹ نہیں بنتے تھے انہیں سالم رکھا گیا۔

۲۔ فَبِاِذۡنِ اللّٰہِ: کچھ درختوں کا کاٹنا اور کچھ کا نہ کاٹنا اللہ تعالیٰ کے حکم اور جنگی حکمت عملی کے مطابق تھا۔ اس حکمت عملی کا ذکر خود اللہ تعالیٰ نے اگلے جملے میں ارشاد فرمایا:

۳۔ وَ لِیُخۡزِیَ الۡفٰسِقِیۡنَ: ان فاسق اہل کتاب کی رسوائی کے لیے بھی ایسا کیا گیا کہ محاصرے کے دوران جب ان کے نخلستان کے درخت کاٹے جا رہے تھے تو ان کی نخوت کا سر نیچا ہو گیا۔ جس اقتصادی بنیاد پر ان کا تکیہ تھا اس پر ضرب لگتے دیکھ کر ان کی کمر ہمت ٹوٹ گئی اور ان کی غرور و نخوت کی ناک زمین پر رگڑی گئی۔

یہ تھی حربی حکمت عملی، ورنہ اسلامی حربی اخلاقیات میں درختوں اور فصلوں کو بلاوجہ صرف انتقامی بنیاد پر نقصان پہنچانا ممنوع ہے۔

لہٰذا کچھ درخت کا کاٹنا اور کچھ کا نہ کاٹنا اصحاب کے اپنے اجتہاد سے نہ تھا جیسا کہ بعض اجتہاد و قیاس کے دلدادہ لوگوں کا خیال ہے۔

وَ مَاۤ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ مِنۡہُمۡ فَمَاۤ اَوۡجَفۡتُمۡ عَلَیۡہِ مِنۡ خَیۡلٍ وَّ لَا رِکَابٍ وَّ لٰکِنَّ اللّٰہَ یُسَلِّطُ رُسُلَہٗ

۶۔ اور ان کے جس مال (غنیمت) کو اللہ نے اپنے رسول کی آمدنی قرار دیا ہے (اس میں تمہارا کوئی حق نہیں) کیونکہ اس کے لیے نہ تو

عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۝

تم نے گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ، لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے غالب کر دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔

تشریح کلمات

اَفَآءَ: (ف ی ء) الفیء کے معنی اچھی حالت کی طرف لوٹ آنے کے ہیں۔ حتی الفیء الی امر اللّٰہ یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ اسلامی اصطلاح میں فیء اس مال کو کہتے ہیں جو کفار سے مسلمانوں کے ہاتھ میں آئے۔ یعنی بہ حقدار رسید کے عنوان سے اس مال کو فیء کہتے ہیں۔ چنانچہ فیء غنیمت اور انفال ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ چنانچہ سورہ احزاب آیت ۵۰ میں فرمایا:

یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَحۡلَلۡنَا لَکَ اَزۡوَاجَکَ الّٰتِیۡۤ اٰتَیۡتَ اُجُوۡرَہُنَّ وَ مَا مَلَکَتۡ یَمِیۡنُکَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلَیۡکَ ...۔

اے نبی! ہم نے آپ کے لیے آپ کی وہ بیویاں حلال کی ہیں جن کے مہر آپ نے دے دیے ہیں اور وہ لونڈیاں بھی جو اللہ نے (بغیر جنگ کے) آپ کو عطا کی ہیں۔

اس آیت میں غنیمت میں آنے والی کنیزوں کے لیے بھی لفظ اَفَآءَ، فیء استعمال کیا گیا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَ مَاۤ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ: پہلے ذکر ہو گیا فیء مطلق آمدنی کو کہتے ہیں۔ آگے اس آمدنی کی چند ایک صورتیں بن جاتی ہیں۔ ہر صورت کا حکم الگ ہے۔

۲۔ اگر یہ آمدنی غیر مسلموں سے بغیر جنگ کے ہاتھ آ گئی ہے تو یہ آمدنی صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کی خصوصی ملکیت ہو گی۔ چنانچہ اس آیت کا یہی موضوع ہے اور شان نزول بنی نضیر کے اموال ہیں جو بغیر جنگ کے ہاتھ آ گئے تھے۔ یہ بات علم تفسیر میں ایک مسلمہ ہے: العبرۃ بعموم اللفظ لا بخصوص السبب۔ لفظ کے عموم کا اعتبار کیا جاتا ہے سبب نزول کی خصوصیت کا نہیں۔

چنانچہ آیت میں اَفَآءَ "آمدنی بنائی" کی تعبیر کے ساتھ وَّ لٰکِنَّ اللّٰہَ یُسَلِّطُ رُسُلَہٗ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ لیکن اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے غالب کر دیتا ہے کی تعبیر میں تصریح ہے کہ جو مال بغیر جنگ کے ہاتھ آتا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتی ملکیت ہو جاتا ہے۔

قرآن کے قائم کردہ اس کلی حکم کے تحت اموال بنی نضیر، قریظہ، فدك، خیبر، عرینہ،

ینبع، الصفراء اور وادی القری وغیرہ کی املاک رسول اللہ ﷺ کی ذاتی ملکیت تھیں۔ اموال بنی نضیر کا جوذکر روایات میں ملتا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی ملکیت ہیں وہ بطور نمونہ و مثال ہے، بطور حصر نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت عمر کا یہ قول مشہور ہے:

کانت اموال بنی النضیر مما افاء اللّٰہ علی رسولہ ممالم یوجف المسلمون علیہ بخیل ولا رکاب فکانت لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم خاصۃ ینفق علی اھلہ منھا۔[1]	بنی نضیر کے اموال ان اموال میں سے تھے جنہیں اللہ نے اپنے رسول کے لیے آمدنی بنایا۔ جن پر نہ تو مسلمانوں گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ۔ پس یہ رسول اللہ ﷺ کی خاص ملکیت تھی جسے اپنے گھر والوں پر خرچ کرتے تھے۔

امام فخر الدین رازی اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

مفسرین نے یہاں دو صورتیں بیان کی ہیں: پہلی صورت یہ ہے کہ یہ آیت بنی نضیر کے بارے میں نازل نہیں ہوئی چونکہ اس میں مسلمانوں نے گھوڑے دوڑائے تھے اور اونٹ بھی اور رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا تھا بلکہ یہ آیت فدک کے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ اہل فدک، فدک خالی کر کے نکل گئے تھے۔ اس لیے فدک کی بستی اور اموال، جنگ کے بغیر رسول اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کے ہاتھ آ گئے۔ چنانچہ رسول اللہ علیہ الصلوۃ والسلام فدک کے غلہ سے اپنا اور اپنے اہل و عیال کا خرچہ لیتے تھے اور باقی اسلحہ اور سواری کے جانوروں پر خرچ کرتے تھے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ آیت بنی نضیر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

بلاذری نے فتوح البلدان صفحہ ۳۶ میں لکھا ہے:

خیبر سے واپسی کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے محیصۃ بن مسعود انصاری کو اہل فدک کی طرف اسلام کی دعوت دینے کے لیے بھیجا۔ اہل فدک کے یہودی رئیس کا نام یوشع بن نون تھا۔ ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فدک کی نصف زمین پر مصالحت کی پیش کش کی جو قبول کی گئی:

فکان نصف فدك خالصاً لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لانہ لم یوجف المسلمون علیہ بخیل ولا رکاب۔	لہٰذا نصف فدک خالص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوگا چونکہ اس پر مسلمانوں نے نہ گھوڑے دوڑائے، نہ اونٹ۔

---

[1] صحیح بخاری، صحیح مسلم، ترمذی، ابو داد اور نسائی

دوسری روایت میں یہ واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے:

جب خیبر کے کچھ لوگوں نے، جو قلعہ میں پناہ لے کر باقی رہ گئے تھے، نبی کریم ﷺ سے مصالحت کی درخواست کی کہ انہیں قتل اور قید نہ کیا جائے اور اہل فدک نے جب یہ سنا تو انہوں نے بھی رسول اللہ ﷺ سے مصالحت کر لی۔[1]

دوسری صورت کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ تقریباً تمام مفسرین نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اموال بنی نضیر کو پانچ حصوں میں تقسیم نہیں فرمایا جو باقی اموال غنیمت کا حکم ہے۔

دوسری صدی کے مفسر ابو ذکریا یحییٰ بن زیاد فراء اپنی تفسیر معانی القران میں اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

كان النبى صلى الله عليه قد احرز غنيمة بنى النضير و قريظة و فدك فقال الرؤساء خذ صفيك من هذه و افردنا بالربع فجاء التفسير ان هذه قرى لم يقاتلوا عليها بخيل و لم يسيروا اليها على الابل انما مشيتم اليها على ارجلكم....

نبی صلی اللہ علیہ نے بنی نضیر، قریظۃ اور فدک کی غنیمت حاصل کی تو رئیسوں نے کہا: اس میں سے سرداروں کو جو حصہ ملا کرتا ہے وہ آپ رکھ لیں باقی چار حصے ہمارے لیے کر دیں۔ اس پر یہ تفسیر آ گئی کہ ان بستیوں میں گھوڑوں کے ساتھ کوئی لڑائی نہیں ہوئی اور نہ ان بستیوں کی طرف اونٹوں پر چلے ہیں بلکہ تم اپنے پیروں پر چل کر گئے ہو....

مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۗ وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۞ وقف لازم

۷۔ اللہ نے ان بستی والوں کے مال سے جو کچھ بھی اپنے رسول کی آمدنی قرار دیا ہے وہ اللہ اور رسول اور قریب ترین رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے تاکہ وہ مال تمہارے دولت مندوں کے درمیان ہی گردش نہ کرتا رہے اور رسول جو تمہیں دے دیں وہ لے لو اور جس سے روک دیں اس سے رک جاؤ اور اللہ کا خوف کرو، اللہ یقیناً شدید عذاب دینے والا ہے۔

[1] الخمیس ۲: ۶۴۔ تاریخ کامل ابن اسیر ۲: ۸۵۔ تاریخ ابو الفداء ۱: ۱۴۸۔ روض الانف ۲: ۴۰۸

تفسیر آیات

اس آیت کو بعض مفسرین نے سابقہ آیت کے اجمال کی تفصیل قرار دیا ہے۔ یعنی سابقہ آیت میں مذکور فیٔ کے مصارف کا ذکر قرار دیا ہے۔ اس صورت میں ایک سوال پیش آتا ہے: پہلی آیت کی روشنی میں فیٔ صرف رسول اللہ ﷺ کی خصوصی ملکیت ہے جب کہ دوسری آیت بتاتی ہے کہ فیٔ خمس کی طرح تقسیم ہو گا۔ یہ دونوں باتیں کس طرح قابل جمع ہیں؟

اس کے متعدد جوابات دیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ دوسری آیت کا تعلق کسی خاص فیٔ سے متعلق ہے جس میں تقسیم ہونا لازمی ہے۔ دوسرا یہ جواب دیا گیا ہے کہ دوسری آیت ناسخ ہے۔ تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ تقسیم ضروری نہیں ہے۔ رسول کریم ﷺ کی طرف سے تفضّل ہے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے: **الجمع بین الآیتین و حکمهما فی غایة الاشکال۔** ان دو آیتوں کو جمع کرنا اور حکم نکالنا انتہائی مشکل ہے۔

اس جگہ سب سے بہتر جواب حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ خوئی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ جو فرماتے ہیں:

> پہلی آیت کا موضوع بلاقتال حاصل شدہ مال ہے جو رسول اللہ ﷺ کی خصوصی ملکیت ہے۔ آیت کا ظہور بھی اسی میں ہے۔ اگر ظہور نہ بھی ہو اور آیت میں مصرف کا تعین نہیں ہے تو بھی روایات کی صراحت سے ان دونوں یعنی ظہور اور مصرف کا تعین ہو جاتا ہے۔
>
> دوسری آیت کا موضوع قتال سے حاصل شدہ مال ہے۔ اس پر قرینہ یہ ہے کہ یہ آیت سابقہ آیت کے مقابلے میں ہے۔ اس موقف پر آنے والا یہ سوال کہ اگر اس آیت کا تعلق قتال سے حاصل شدہ مال ہے تو اس میں مسلمانوں کی غنیمت میں سے رسول کا حصہ کتنا ہو گا، اس کا ذکر نہیں ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول ﷺ کے حصے کا ذکر آیہ خمس میں ہو گیا ہے. چنانچہ محمد بن مسلم کی صحیح روایت سے بھی دوسری آیت کا موضوع واضح ہو جاتا ہے۔[1]

ابن جریر طبری نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے۔ چنانچہ وہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

> میرے نزدیک صائب رائے یہ ہے کہ اس آیت کا حکم سابقہ آیت کے حکم سے مختلف ہے۔ سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس مال کو صرف رسول اللہ سے مخصوص فرمایا، کسی اور کے لیے کوئی حصہ نہیں رکھا۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے محمد بن مسلم نے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

وَالْاَنْفَالُ مَا کَانَ مِنْ اَرْضٍ لَمْ یَکُنْ — انفال وہ مال ہے جو بغیر خون ریزی کے حاصل ہوا

---

[1] المستند فی شرح عروۃ الوثقی ۲: ۳۵۲

فِيهَا هِرَاقَةُ الدِّمَاءِ وَ قَوْمٍ صَالِحُوا وَ اَعْطَوا بِاَيْدِيهِمْ وَ مَا كَانَ مِنْ اَرْضٍ خَرِبَةٍ اَوْ بُطُون اَوْدِيَةٍ فَهُوَ كُلُّهُ مِنَ الْفَيْءِ فَهَذَا لِلّٰهِ وَ لِرَسُولِهِ ص فَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ لِرَسُولِهِ ص يَضَعُهُ حَيْثُ شَاءَ وَهُوَ لِلْإِمَامِ ع بَعْدَ الرَّسُولِ ص وَ قوله: وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ قَالَ اَلَا تَرَى هُوَ هَذَا وَ اَمَّا قَوْلُهُ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَهَذَا بِمَنْزِلَةِ الْمَغْنَمِ كَانَ اَبِي يَقُولُ ذَلِكَ وَلَيْسَ لَنَا فِيهِ غَيْرُ سَهْمَيْنِ سَهْمِ الرَّسُولِ وَ سَهْمِ الْقُرْبَى، ثُمَّ نَحْنُ شُرَكَاءُ النَّاسِ فِيمَا بَقِيَ۔[1]

اور اس قوم کا مال بھی انفال ہے جو مصالحت کے ذریعے اپنے ہاتھ سے دیا ہو اور غیر آباد زمین اور وادیوں کی غیر آباد زمینیں سب فیء میں سے ہیں، یہ سب اللہ اور رسول کا ہے اور جو اللہ کا ہے وہ رسول کا ہے۔ جسے وہ جہاں چاہے خرچ کر سکتے ہیں اور رسول (ص) کے بعد یہ مال امام (ع) کا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول: ''اور ان کے جس مال (غنیمت) کو اللہ نے اپنے رسول کی آمدنی قرار دیا ہے (اس میں تمہارا کوئی حق نہیں) کیونکہ اس کے لیے نہ تو تم نے گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ'' اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول: ''اللہ نے ان بستی والوں کے مال سے جو کچھ بھی اپنے رسول کی آمدنی قرار دیا ہے۔'' غنیمت کی جگہ کا ذکر ہے: میرے والد اسی طرح فرماتے تھے۔ اس غنیمت میں ہمارے لیے صرف دو حصے ہیں۔ رسول کا حصہ اور القربی کا حصہ، پھر باقی میں ہم لوگوں کے ساتھ بھی شریک ہیں۔

ایک جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دونوں آیات کا تعلق ایک ہی موضوع سے ہے اور دونوں کا حکم ایک ہے۔ یعنی رسول کی ملکیت ہے۔ دوسری آیت مین جس تقسیم کا ذکر ہے وہ رسول کی ملکیت کی تقسیم کا ذکر ہے۔ یعنی رسول اپنے مال کو اپنی ضرورت پر خرچ کریں گے اور اپنے اہل بیت کے مذکورہ اصناف یعنی یتیم، مساکین اور ابن سبیل پر خرچ کریں گے۔

چنانچہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی روایت ہے جس میں راوی نے امام علیہ السلام سے وَلِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ کے بارے میں پوچھا تو امام علیہ السلام نے فرمایا:

هم قرباناو مساكيننا و ابناء سبيلنا۔[2] اس سے مراد ہمارے قریبی، ہمارے مساکین اور ہمارے مسافر ہیں۔

طبری نے اپنی تفسیر جامع البیان میں اور ابوحیان اندلسی نے اپنی تفسیر البحر المحیط میں لکھا ہے:

قال علی بن ابی طالب الیتامی و المساکین ایتامنا و مساکیننا۔[3] حضرت علی ابن ابی طالب (علیہ السلام) نے فرمایا: یتیموں اور مسکینوں سے مراد ہمارے یتیم اور ہمارے مسکین ہیں۔

---

[1] تہذیب الاحکام ۴:۱۳۴ باب الانفال [2] مجمع البیان [3] بحوالہ علی فی القرآن و السنۃ ۲:۴۰۱

۲۔ فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ: ان جنگی غنائم کے مصارف کا ذکر ہے۔ ہم نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ سابقہ آیت کا تعلق فیء سے ہے اور اس آیت کا تعلق غنیمت سے۔ اگرچہ غنیمت کو بھی فیء کہا گیا ہے تاہم ایک فیء وہ ہے جو قتال کے بغیر ہاتھ آیا ہے۔ یہ خالصتاً رسول اللہ ﷺ کی ملکیت ہے اور ان کے بعد امام (ع) کی ملکیت ہے۔ یہ مال تقسیم نہ ہوگا اور جو مال قتال کے ذریعے حاصل ہوا ہے وہ غنیمت ہے۔ اسے تقسیم کیا جائے گا جو اس طرح ہو گی:

پہلا حصہ اللہ اور رسول ﷺ کا ہے۔ سابقہ مذکورہ حدیث صحیح میں امام (ع) نے فرمایا:

فما كان لله فهو لرسوله۔ جو حصہ اللہ کا ہے وہ بھی رسول کا ہے۔

لہٰذا سہم اللہ اور سہم الرسول ﷺ کا مصرف ایک ہے۔ دونوں رسول کی ملکیت ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ اپنی حیات میں اس حصے کو اپنے اور اپنے اہل و عیال کے اخراجات پر خرچ فرماتے تھے۔

الواحدی نے کہا ہے:

رسول اللہ کے زمانے میں فیء کے پانچ حصے کیے جاتے تھے۔ ان میں سے چار حصے رسول اللہ ﷺ کے لیے خالص تھے باقی پانچواں حصہ پانچ حصوں میں تقسیم ہوتا تھا۔ ان میں سے ایک حصہ رسول اللہ ﷺ کے لیے تھا۔ باقی چار حصے قربی، یتامی، مساکین اور مسافروں کے لیے۔[1]

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے:

كَانَ اَبِی يَقُولُ لَنَا سَهْمُ الرَّسُوْلِ وَ سَهْمُ ذِی الْقُرْبٰى وَ نَحْنُ شُرَكَاءُ النَّاسِ فِيمَا بَقِیَ۔[2] میرے والد فرماتے تھے: سہم رسول اور سہم ذی القربی ہمارا حق ہے اور باقی میں بھی ہم لوگوں کے ساتھ شریک ہیں۔

107

لہٰذا شیعہ امامیہ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کا حصہ ان کے بعد امام علیہ السلام کی ملکیت ہے۔ دیگر فقہی مسالک میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا حصہ مصالح مسلمین کے لیے ہے۔ سرحدوں کی حفاظت، نہروں اور پلوں کی تعمیر میں خرچ کیا جائے گا۔

امام شافعی سے یہ رائے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات خاص کے لیے جو حصہ تھا وہ آپ کے بعد آپ کے خلیفہ کے لیے ہے کیونکہ آپ اس کے مستحق اپنے منصب امامت کی بنا پر تھے۔ نہ کہ منصب رسالت کی بنا پر۔ مگر فقہائے شافعیہ کی اکثریت کا قول اس معاملے میں وہی ہے جو جمہور کا قول ہے کہ یہ حصہ اب مسلمانوں کے دینی و اجتماعی مصالح کے لیے ہے کسی شخص خاص کے لیے نہیں ہے۔

---

[1] تفسیر کبیر فخر رازی ۲۹: ۵۰۷ ذیل آیت [2] الوسائل ۱۵: ۱۱۴

دوسرا حصہ رشتہ داروں کا ہے ان سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کے رشتہ دار ہیں۔ یعنی بنی ہاشم اور بنی المطلب۔ یہ حصہ اس لیے مقرر کیا گیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال کے حقوق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے ان رشتہ داروں کے حقوق بھی ادا کرسکیں جو آپ کی مدد کے محتاج ہو یا آپ جن کی مدد کرنے کی ضرورت محسوس فرمائیں۔ حضورؐ کی وفات کے بعد یہ بھی ایک الگ اور مستقل حصہ کی حیثیت سے باقی نہیں رہا بلکہ مسلمانوں کے دوسرے مساکین، یتامی اور مسافروں کے ساتھ بنی ہاشم اور بنی المطلب کے محتاج لوگوں کے حقوق بھی بیت المال کے ذمہ عائد ہو گئے۔

....عطا بن سائب کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے اپنے عہد میں حضورؐ کا حصہ اور رشتہ داروں کا حصہ بنی ہاشم کو بھیجنا شروع کر دیا تھا۔[1]

سہم ذوی القربی کو ختم کرنے کے بعد اہل بیت علیہم السلام کو خمس سے محروم کر دیا گیا۔ زکوۃ ان کے لیے پہلے حرام تھی۔ اس طرح اہل بیت کے خلاف ایک منظم سازش جاری رہی۔

۳۔ كَيۡ لَا يَكُوۡنَ دُوۡلَةًۢ بَيۡنَ الۡاَغۡنِيَآءِ مِنۡكُمۡ: کسی معاشرے میں اقتصادی عدالت کا دارمدار تقسیم دولت کے اصول کے عادلانہ ہونے پر ہے۔ اسلام میں تقسیم دولت دو اصولوں پر قائم ہے: محنت اور ضرورت۔ تقسیم دولت میں پہلی اہمیت محنت کو حاصل ہے چونکہ محنت ہی مالکیت کے لیے بنیاد فراہم کرتی ہے۔ اس کے بعد احتیاج اور ضرورت بنیاد ہے۔

ہر معاشرے میں لوگ تین گروہوں میں تقسیم ہوتے ہیں: پہلا گروہ اپنی مہارت اور ذہانت کی بنیاد پر اپنی ضرورت سے زیادہ کماتا ہے۔ دوسرا گروہ اپنی ضروت کے مطابق یا اس سے کم کماتا ہے، تیسرا گروہ کمانے کے قابل نہیں ہوتا۔

تقسیم دولت میں پہلا گروہ اپنی محنت و مہارت کی بنیاد پر دولت اور مال کا مالک بن جاتا ہے اور تیسرا گروہ حاجت مندی اور ضرورت کی بنیاد پر مالک بن سکتا ہے جب کہ دوسرے گروہ میں دونوں باتیں جمع ہوسکتی ہیں۔ محنت اور ضرورت دونوں بنیادوں پر یہ مالک بن سکتا ہے۔

یہ آیہ شریفہ تقسیم دولت میں احتیاج اور ضرورت کو بنیاد بنانے کی ضرورت پر زور دیتی ہے کہ اگر تقسیم دولت میں احتیاج کو بنیاد نہ بنایا جائے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ملکی دولت امیروں کے ہاتھوں میں گردش کرے گی۔

چنانچہ خلیفہ اول کے بعد جب تقسیم دولت کی اس بنیاد کو نظر انداز کر کے دیگر ترجیحات کو بنیاد بنایا تو اسلامی معاشرہ طبقاتی معاشرہ بننا شروع ہوا اور چشم فلک نے دیکھ لیا تھوڑے عرصے بعد بااثر اصحاب کے

---

[1] تفہیم القرآن ۵: ۳۹۱۔۳۹۲

ترکے میں ملنے والے سونے کو کلہاڑیوں سے تقسیم کیا گیا۔

۵۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ: رسول سے صادر شدہ احکام کی خلاف ورزی کی صورت میں اللہ کے غضب اور عذاب سے بچو۔ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ایسی خلاف ورزی کرنے والوں پر اللہ کا عذاب بھی شدید ہو گا۔

جاگیر فدک: فدک ایک بستی کا نام ہے جو مدینہ سے دو یا تین دن کے فاصلے پر واقع ہے۔ سنہ سات ہجری تک اس بستی میں یہودی سکونت رکھتے تھے۔ فتح خیبر کے بعد یہودیوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے رعب ڈال دیا چنانچہ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے نصف فدک اور بقولے پورے فدک پر مصالحت کی۔

فدک چونکہ بلا قتال رسول اللہ ﷺ کے قبضے میں آیا تھا۔ قرآنی صراحت کے مطابق یہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصی ملکیت تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ بستی حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کو عنایت فرمائی اور رسول اللہ ﷺ کے وصال کے وقت یہ آپ کے قبضے میں تھی۔ چنانچہ نہج البلاغۃ مکتوب ۴۵ کے مطابق حضرت علی علیہ السلام عثمان بن حنیف کے نام اپنے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

بَلٰی کَانَتۡ فِی اَیۡدِینَا فَدَکٌ مِنۡ کُلِّ مَا اَظَلَّتۡهُ السَّمَاءُ فَشَحَّتۡ عَلَیۡهَا نُفُوسُ قَوۡمٍ وَ سَخَتۡ عَنۡهَا نُفُوسُ قَوۡمٍ آخَرِینَ۔۔۔۔	بے شک اس آسمان کے سایہ تلے لے دے کر ایک فدک ہمارے ہاتھوں میں تھا اس پر بھی کچھ لوگوں کے منہ سے رال ٹپکی اور دوسرے فریق نے اس کے جانے کی پروا نہ کی۔

لیکن رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد صاحب صواعق محرقہ کی تصریح کے مطابق حضرت عمر نے فدک چھین لیا۔

بنابروایت، حضرت عمر نے اپنے دور خلافت میں واپس کیا تھا لیکن جب حضرت عثمان خلیفہ ہوئے تو انہوں نے راندۂ رسول مروان بن حکم کی جاگیر میں دے دیا۔

۱۰۹

جب حضرت علی علیہ السلام کی خلافت قائم ہوئی تو بنی امیہ کی لوٹی ہوئی دیگر تمام جائدادوں اور اموال کے ساتھ فدک بھی مروان سے لے لیا گیا۔

اس سلسلے میں سب سے بڑی توجیہ یہ کی جاتی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اپنی دور خلافت میں حضرت ابوبکر کی سیرت پر عمل کیا اور فدک اولاد زہراء سلام اللہ علیہا کو واپس نہیں کیا۔ اگر حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کا دعویٰ درست ہوتا تو حضرت علی علیہ السلام ایسا نہ کرتے حالانکہ ایسے کوئی شواہد نہیں ملتے کہ آپ علیہ السلام نے حضرت ابوبکر کی سیرت پر عمل کیا ہو۔ جو شواہد ہمارے سامنے ہیں ان کے مطابق آپ علیہ السلام فدک کو حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کا حق سمجھتے تھے۔ چنانچہ عثمان بن حنیف کے نام آپ علیہ السلام کے خط سے ظاہر ہے۔

اپنی خلافت میں آپ اموال فدک و میراث رسول ﷺ کے صاحب اختیار تھے کہ اہل بیت کے

مصارف میں خرچ کریں یا وقف کریں اور صدقات میں شامل کریں۔

معاویہ کے دور میں تو اموال فدک کے ساتھ مزید کھیل کھیلا گیا۔ اسے تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ مروان بن حکم، ایک حصہ عمر بن عثمان اور ایک حصہ اپنے بیٹے یزید کو دیا۔

جب مروان کی اپنی حکومت قائم ہوئی تو پورے پر اسی کا دوبارہ قبضہ ہو گیا۔ جب عمر بن عبدالعزیز بن مروان کی حکومت قائم ہوئی تو انہوں نے مدینہ کے اپنے والی کو لکھا: فدک اولاد فاطمہ کو واپس کیا جائے۔ والی نے جواب میں لکھا: اولاد فاطمہ مختلف کنبوں میں پھیلی ہوئی ہے میں کس کس کو دے دوں؟ عمر بن عبدالعزیز نے لکھا: اگر میں تجھے لکھوں ایک گائے ذبح کرو تو تو پوچھنے لگے گا: اس کا رنگ کیا ہو؟ میرا خط ملتے ہی اولاد فاطمہ علیہا السلام میں تقسیم کرو۔ اس پر بنی امیہ کے لوگوں نے صدائے احتجاج بلند کی: تم نے شیخین کی سیرت کو مطعون کیا ہے۔ عمر بن عبدالعزیز نے کہا: میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ مجھے یاد ہے تم نے بھلا دیا ہے۔ الی آخر۔

اس کے بعد یزید بن عبدالملک نے اولاد فاطمہ علیہا السلام سے فدک چھین لیا اور مروان کی اولاد کے قبضے میں چلا گیا۔

جب بنی عباس کی حکومت قائم ہوئی ابوالعباس سفاح نے فدک اولاد فاطمہ کے حوالہ کیا بعد میں ابوجعفر منصور نے پھر چھین لیا۔ بعد میں مہدی منصور نے اولاد فاطمہ کو پھر واپس کر دیا لیکن اس کے بعد موسیٰ بن المهدی نے اپنے قبضے میں لیا۔ اس طرح فدک عباسیوں کے قبضے میں رہا۔

جب مامون کی حکومت قائم ہوئی تو سنہ ۲۱۰ ھ میں اولاد فاطمہ کو واپس کر دیا۔ اس کے بعد متوکل عباسی نے پھر اولاد فاطمہ سے واپس لے لیا اور عبد الله بن عمر البازیار کو دے دیا۔

روایت ہے کہ فدک میں گیارہ کھجور کے درخت ایسے بھی تھے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے لگایا تھا۔ عبد الله بن عمر البازیار نے بشران بن امیہ ثقفی نامی شخص کو بھیج کر ان درختوں کو کٹوا دیا۔ یہ شخص جونہی واپس آیا اس پر فالج گرا۔

فدک ایک معمولی جائداد نہ تھی۔ اس سے حاصل ہونے والی آمدنی سے حکومت کی تقویت ہوتی تھی۔ چنانچہ ایک روایت کے مطابق حضرت عمر نے یہ کہہ کر حضرت ابوبکر کو فدک حضرت فاطمہ علیہا السلام کو دینے سے روک دیا کہ اگر فدک حضرت فاطمہ علیہا السلام کو دیا گیا تو حکومت اپنے مصارف کہاں سے پورے کرے گی۔ معجم البلدان نے اسے ایک بستی قرار دیا ہے۔ بعض کے مطابق فدک کے نخلستان چھٹی صدی کے کوفہ کے نخلستان کے برابر تھے۔

دراصل اس قسم کی تمام باتوں کے پیچھے اصل مسئلہ بنی ہاشم کے ساتھ دیگر لوگوں کی حسادت ہے۔ عبد اللہ بن زبیر کی مکہ میں جب حکومت قائم ہوئی تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر درود بھیجنے سے منع کر دیا کہ

اس سے بنی ہاشم کی ناک اونچی ہوتی ہے۔ اسی طرح دیگر حکومتوں نے بھی بنی ہاشم کی امتیازی حیثیت ختم کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا۔

ماہرین نفسیات کے مطابق اگر کوئی شخص کسی پر احسان کرتا ہے تو وہ شخص احساس کمتری کا شکار ہوتا ہے اور احسان کرنے والے کی بالادستی کا احساس اسے ستاتا ہے اور موقع ملنے پر وہ اس کا انتقام لیتا ہے۔ چنانچہ لوگوں نے اس کا اظہار ان لفظوں میں کیا:

ان قومكم كرهوا ان يجمعوا لكم الخلافة والنبوة [1] تمہاری قوم اس بات کو ناپسند کرتی ہے کہ خلافت اور نبوت دونوں تمہارے (بنی ہاشم) لیے جمع ہوں۔

ا۔ چنانچہ ہیئت حاکمہ نے اپنی حکومت قائم ہونے کے بعد حضرت علی علیہ السلام کا گھر جلانے کے لیے لکڑیاں جمع کیں:

قالوا ان فيها فاطمه قال: وان...[2] لوگوں نے کہا: اس گھر میں فاطمہ ہے۔ کہا: ہونے دو۔

اس کا صاف صاف مطلب یہی ہے کہ جس گھر نے انہیں یہاں تک پہنچایا اس کے ساتھ حسادت کی آگ کی سوزش سے وہ بے تاب تھے۔

۲۔ اپنی حکومت میں ان لوگوں نے کسی ہاشمی کو کسی قسم کے منصب پر تعینات نہیں کیا جب کہ بنی امیہ کو کلیدی مناصب پر فائز کرتے رہے۔

اس بات سے کون واقف نہیں ہے کہ بنی ہاشم اور بنی امیہ کے درمیان جاہلیت اور اسلام میں ہمیشہ دشمنی چلتی رہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہیئت حاکمہ نے بنی امیہ کے حق میں اور بنی ہاشم کے خلاف بنیادی کردار ادا کیا اور بنی امیہ کو اقتدار میں لانے کے لیے فضا سازگار بنائی بلکہ حیات رسول میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے حضرت علی علیہ السلام کو جو مقام ملتا تھا وہ لوگوں پر گراں گزرتا تھا۔

ہم نے سورہ مجادلہ کی آیت ۱۲۔۱۳ کے ذیل وہ واقعات بیان کیے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ سرگوشی کرتے تھے تو یہ بھی دوسروں کو گراں گزرتی تھی۔

اس طرح جب سورہ برأت کی تبلیغ کے لیے حضرت ابوبکر کو واپس بلا کر حضرت علی علیہ السلام کو یہ ذمہ داری سونپی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو وحی سنائی کہ مجھے حکم ملا ہے:

لا يبلغه الا انت او رجل منك۔[3] اس سورۃ برائت کی تبلیغ یا تو خود آپ کریں یا وہ شخص جو آپ سے ہو۔

جنگ تبوک پر جاتے ہوئے اپنی جگہ حضرت علی علیہ السلام کو مدینے میں جانشین بنایا تو فرمایا:

لابد ان اقيم او تقيم۔[4] ضروری ہے یا میں خود مدینے میں رہوں یا آپ رہیں۔

---

[1] الكامل ۳: ۲۴ [2] الامامة و السياسة [3] بحار ۲۵: ۱۳۲ [4] خصائص النسائي: ۷ و مسند احمد بن حنبل ۱: ۲۳۱

جب رسول اللہ ﷺ حضرت علی علیہ السلام کو اپنی جگہ رکھتے تھے تو دوسرے لوگوں کو ایسی باتیں گراں گزرتی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ کی معیت میں احیائے اسلام میں علی علیہ السلام کی قربانیوں سے بعد از رسولؐ بقائے اسلام میں علی علیہ السلام کی قربانیاں شاید کم نہ ہوں۔

بعداز رسول ﷺ زمام حکومت ان لوگوں کے ہاتھ میں آ گئی جن کی خدمات علی علیہ السلام کے مقابلے میں عشرعشیر بھی نہیں ہیں۔ ان لوگوں نے علی اور اولاد فاطمہ کو ہر حیثیت سے محروم رکھا تو علی علیہ السلام نے یہ دیکھ کر صبر کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد گرد و پیش کے لوگ اسلام سے منحرف ہو رہے ہیں، اگر دارالحکومت مدینہ میں اختلاف رونما ہوا تو بقائے اسلام کو خطرہ لاحق ہو گا لیکن جب پچیس سال بعد علی علیہ السلام کی حکومت قائم ہوتی ہے تو دوسروں نے ایک دن کے لیے بھی اپوزیشن میں بیٹھنے کے لیے صبر نہیں کیا اور حضرت علی علیہ السلام کے خلاف متعدد محاذوں پر جنگیں لڑیں حتیٰ کہ ام المومنین تک کو گھر کی چار دیواری سے نکالا۔

حضرت آیت اللہ سید محمد باقر الصدر الشہید فرماتے ہیں:

اگر ایثار و قربانی ایک کتاب کی شکل میں ہوتی تو علی علیہ السلام اس کتاب کا تابناک عنوان ہوتے اور رسول اسلام نے جب آسمانی تعلیمات پیش فرمائیں تو اگر اس کی روئے زمین پر کوئی عملی تعبیر ہے تو علی علیہ السلام اس کی زندۂ جاوید تعبیر ہیں۔[1]

حضرت زہراء سلام اللہ علیہا نے ہیئت حاکمہ سے اپنے حق کے مطالبے کے لیے تین طریقے اختیار فرمائے:

i۔ پہلا قدم یہ اُٹھایا کہ کسی کو خلیفہ کے پاس بھیج کر اپنی میراث کا مطالبہ کیا۔

ii۔ خود بنفس نفیس خلیفہ سے خمس اور فدک میں سے اپنے حق کا مطالبہ فرمایا۔

iii۔ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے دس دن بعد مسجد میں خطبہ دے کر اپنے حق کا سرعام اعلان کیا۔

iv۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے اس وقت مطالبہ فرمایا جب یہ دونوں آپ سے معذرت کرنے آئے تھے۔ جس میں آپ نے فرمایا: اگر میں رسول اللہ ﷺ سے حدیث بیان کروں تم اس پر عمل کرو گے؟ دونوں نے کہا: ہاں۔ فرمایا: کیا تم دونوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے؟

رضافاطمۃ رضای و سخط فاطمۃ من سخطی و من احب فاطمۃ ابنتی فقد احبنی و من ارضی فاطمۃ فقدارضانی و من اسخط فاطمۃ فقد اسخطنی۔	فاطمہ کی خوشنودی میری خوشنودی، فاطمہ کی ناراضی میری ناراضی ہے۔ جس نے میری بیٹی فاطمہ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی جس نے فاطمہ کو راضی کیا اس نے مجھے راضی کیا، جس نے فاطمہ کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا؟

---

[1] فدک فی التاریخ ۷۴

دونوں نے کہا: ہاں! ہم نے رسول اللہ (ص) سے سنا ہے۔

پھر فرمایا:

فانی اشھد اللّٰہ و ملائکتہ انکما اسخطتمانی و ما ارضیتمانی و لئن لقیت النبی لاشکونکما۔[1]	میں اللہ اور اللہ کے فرشتوں کو گواہ بناتی ہوں تم دونوں نے مجھے ناراض کیا ہے۔تم دونوں نے مجھے راضی نہیں کیا ہے۔ جب میں نبیؐ سے ملوں گی تم دونوں کی شکایت کروں گی۔

v۔ انصار و مہاجرین کی خواتین سے خطاب کرتے ہوئے احتجاج فرمایا۔

vi۔ اپنی وصیت کے ذریعے جس میں آپ (س) نے اپنے جنازے میں شرکت سے منع فرمایا۔

رہا یہ سوال کہ حضرت ابوبکر نے ایک حدیث نقل کی جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

نحن معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقۃ۔	ہم گروہ انبیاء وارث نہیں بناتے جو ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔

اول تو اس حدیث کو صرف حضرت ابوبکر نے روایت کیا ہے۔ ثانیاً یہاں بعد کے واقعات کی روشنی میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا حضرت ابوبکر اس حدیث پر خود ایمان رکھتے تھے؟ کیونکہ

i۔ حضرت ابوبکر نے فدک حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے حوالہ کیا تھا۔ روایت ہے:

حضرت ابوبکر نے فدک حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کو لکھ کر دے دیا۔ حضرت عمر کو جب اس کا پتہ چلا تو پوچھا: یہ کیا ہے؟ حضرت ابوبکر نے کہا: یہ تحریر حضرت فاطمہ کے لیے ہے اپنے والد کی میراث کے بارے میں۔ حضرت عمر نے کہا: ماذا تنفق علی المسلمین و قد حاربتك العرب۔ مسلمانوں پر کیا خرچ کرو گے؟ عرب نے تم سے جنگ کر رکھی ہے۔ حضرت عمر نے یہ تحریر پھاڑ دی۔[2]

حضرت ابوبکر کا اس حدیث پر ایمان ہوتا تو یہ تحریر نہ لکھتے۔

ii۔ حضرت ابوبکر نے وصیت کی کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ یہ وصیت اس وقت صحیح ہو سکتی ہے جب حدیث نحن معاشر الانبیاء سے گریز کیا ہو اور اپنی بیٹی عائشہ کو وارث تسلیم کیا ہو۔

اگرچہ حضرت عائشہ کو صرف آٹھویں حصے میں سے نواں حصہ ملتا ہے اور خود حضرت عائشہ نے حضرت امام حسن علیہ السلام کو اپنے نانا کے پہلو میں دفن کرنے سے منع کرتے ہوئے کہا:

لا تدفنوا فی بیتی من لا احب۔	میرے گھر میں اسے دفن نہ کرو جسے میں نہیں چاہتی۔

---

[1] بحار ۲۸: ۳۵۶۔ قال رسول اللّٰہ: ان اللّٰہ یغضب لغضبك و یرضا لرضاك۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: فاطمہ تیری ناراضگی سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔ تیری خوشنودی سے اللہ خوش ہو جاتا ہے نیز فرمایا: فاطمۃ بضعۃ منی یریبنی ما ارابھا و یوذینی ما اذاھا۔ ملاحظہ ہو صحیح بخاری۔ صحیح مسلم۔ جامع الترمذی۔ ابن ماجہ۔

[2] السیرۃ الحلبیۃ ۳: ۳۹۱

یہ وارث نہیں بن سکتی تھیں تو " بیتی " میرا گھر کیسے ہوا۔

iii۔ یہ بات بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ خلیفہ نے زوجات رسول سے ان کے حجرے نہیں چھینے، نہ ہی ہبہ کا ثبوت مانگا اور آیہ وَقَرۡنَ فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ ...[۱] " اور اپنے گھروں میں جم کر بیٹھی رہو' سے زوجات کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی، صرف نسبت ثابت ہوتی ہے چونکہ دیگر آیات و احادیث میں ان گھروں کے رسول اللہ ﷺ کی ملکیت ہونے کا بیان ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡا بُیُوۡتَ النَّبِیِّ اِلَّاۤ اَنۡ یُّؤۡذَنَ لَکُمۡ ...[۲]	اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل مت نہ ہونا مگر یہ کہ تمہیں اجازت دی جائے...

اور حدیث میں ہے:

مَا بَیْنَ بَیْتِی وَ مِنْبَرِی رَوْضَةٌ مِنْ رِیَاضِ الْجَنَّةِ...[۳]	میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔

iv۔ تاریخ انبیاء میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں ملتا کہ انبیاء علیہم السلام نے اپنی اولاد کو وارث نہ بنایا ہو۔ قرآن سے تو ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی اولاد وارث بنتی تھیں۔

v۔ کیا رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی سے یہ مسئلہ بیان نہیں فرمایا ہوگا جب کہ وَاَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ ۔[۴] کے تحت رسول اللہ ﷺ پر واجب ہے کہ اپنے قریبی ترین رشتہ داروں کو احکام خداوندی بتا دیں۔

vi۔ کوئی اگر نبی کے وارث نہیں بن سکتا تو رسول اللہ ﷺ اس اہم مسئلہ کو اس کے متعلقہ افراد حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا حضرت علی ، حضرت ابن عباس سے بیان فرماتے۔

vii۔ اگر ہم اس حدیث کو درست فرض کر لیں تو عبارت اس طرح ہو سکتی ہے: لا نورث ما ترکناہ صدقۃ۔ اس میں صدقۃ حال ہے ماء موصولہ کا یعنی جو چیز ہم بطور صدقہ چھوڑ جاتے ہیں اس کے ہم کسی کو وارث نہیں بناتے۔

یہاں اس توجیہ پر ایک سوال آتا ہے کہ جو مال انسان بطور صدقہ (وقف) چھوڑ جاتا ہے وہ سب کے لیے ہے کہ اس کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ اس میں انبیاء علیہم السلام کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ جواب دیا گیا ہے: خصوصیت یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام جس چیز کو صدقہ کرنے کا عزم کرتے ہیں وہ وراثت میں نہیں آتی جب کہ دوسرے لوگوں کے لیے صیغۂ وقف جاری کرنا ضروری ہوتا ہے، صرف عزم اور وعدہ کافی نہیں ہے۔

یہی معنی امام شمس الدین سرخسی نے بھی سمجھا ہے۔ چنانچہ اپنی کتاب المبسوط باب الوقف میں حدیث کے مذکورہ معنی کرنے کے بعد مذکورہ سوال کا جواب دیتے ہیں:

---

[۱] ۳۳ احزاب: ۳۳　[۲] ۳۳ احزاب: ۵۳　[۳] الکافی ۴: ۵۵۴　[۴] ۲۶ شعراء: ۲۱۴

فعلی هذا التاویل فی الحدیث بیان ان لزوم الوقف من الانبیاء علیهم الصلوة والسلام خاصة بناء علی ان الوعد منهم کالعهد من غیرهم۔

حدیث کی اس تاویل کی بنا پر یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی طرف سے وقف کے نافذ اور ناقابل تنسیخ ہونے میں یہ خصوصیت ہے کہ ان کی طرف سے صرف وعدے پر وقف لازم ہو جاتا ہے کہ ان کا وعدہ دوسروں کے معاہدے کی طرح ہے۔

ہم نے امام سرخسی کی پوری عبارت سورہ مریم آیت ۶ کے ذیل میں درج کی ہے۔

قاضی عیاض نے اپنی معروف کتاب الالماع صفحہ ۱۵۱ پر بحث کی ہے کہ اس حدیث میں لفظ صدقة بالرفع پڑھا جائے یا بالفتح۔[1]

لِلۡفُقَرَآءِ الۡمُہٰجِرِیۡنَ الَّذِیۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِہِمۡ وَ اَمۡوَالِہِمۡ یَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضۡوَانًا وَّ یَنۡصُرُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ ؕ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الصّٰدِقُوۡنَ ۚ﴿۸﴾

۸۔ (یہ مال فیء) ان غریب مہاجرین کے لیے بھی ہے جو اپنے گھروں اور اموال سے بے دخل کر دیے گئے جو اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلبگار ہیں نیز اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ سچے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ لِلۡفُقَرَآءِ الۡمُہٰجِرِیۡنَ: مال غنیمت کے پانچویں حصے میں سے مہاجرین کے فقراء کو دیا جائے گا۔

بعض کے نزدیک الۡمُہٰجِرِیۡنَ کا ربط ذی القربی اور اس کے بعد سے ہے۔ اللہ کا نام صرف تبرکاً مذکور ہے۔ اس صورت میں اس کے دو حصے بن جاتے ہیں: ایک حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا، دوسرا حصہ مہاجرین کا۔ دوسرے بعض کے نزدیک یہ مہاجرین، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں سے مربوط ہے۔ اس صورت میں اس کے تین حصے ہوں گے: ایک رسولؐ کا، دوسرا ذی القربی کا، تیسرا مہاجرین کا۔

ائمہ اہل بیت علیہم السلام کا اس مسئلے میں موقف یہ ہے کہ الۡمُہٰجِرِیۡنَ کا تعلق فی سبیل اللّٰہ سے ہے۔ یعنی جو حصہ سبیل اللّٰہ کا ہے اس کے مصرف کا ذکر ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل بھی اس پر شاہد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فیء کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا: سبیل اللّٰہ کا حصہ، اپنا حصہ اور ذی القربی کا حصہ۔

---

[1] چونکہ بالرفع یعنی: صدقةٌ پڑھنے کی صورت میں حدیث کے معنی یہ ہوں گے: جو ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے، وراثت نہیں۔ اور بالفتح یعنی صدقةً پڑھنے کی صورت میں حدیث کے معنی یہ ہوں گے: جو ہم صدقہ کے طور پر چھوڑ جاتے ہیں اس میں وراثت نہیں ہے۔

مہاجرین کو سبیل اللّٰہ کے حصے سے دیا اور انصار کو نہیں دیا سوائے تین افراد کے جنہیں سبیل اللّٰہ سے دیا ورنہ آیت کے مطابق فیء میں انصار کا حصہ نہیں ہے۔

۲۔ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا: مہاجرین اپنے گھر اور دولت چھوڑ کر مدینہ ہجرت کر کے آئے تھے اور ان کی رہائش و معاش کا بوجھ انصار پر تھا اس لیے مہاجرین کو حصہ دیا گیا۔ روایت میں ہے کہ انصار سے پوچھا گیا کہ اس مال سے صرف مہاجرین کو دیا جائے اور تم سے ان کا بوجھ ہلکا کیا جائے یا تم کو بھی حصہ دیا جائے اور بوجھ برقرار رکھا جائے؟ انصار نے جواب دیا اس میں سے صرف مہاجرین کو دیا جائے اور ہم سے بوجھ بھی ہلکا نہ کیا جائے۔

۳۔ يَبْتَغُوْنَ: مہاجرین کا ہجرت میں کوئی مفاد وابستہ نہ تھا۔ وہ صرف اللہ کے فضل اور خوشنودی کی طلب میں ہجرت کی صعوبت اور تنگدستی کو اختیار کر رہے ہیں۔

۴۔ وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ: اور وہ اللہ اور رسول کی نصرت کی خاطر گھر بار چھوڑ کر یہاں آئے ہوئے ہیں۔ لہٰذا ان کے اس ایثار وقربانی کا صلہ یہ ہونا چاہیے کہ غنیمت سے صرف مہاجرین کو دیا جائے۔

۵۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ: یہی لوگ جو مہاجرین فضل و رضائے الٰہی کے لیے ہجرت کر کے آئے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی نصرت کرتے ہیں وہ اپنے ایمان میں سچے ہیں۔ ایسے لوگوں میں نفاق کا شائبہ نہیں ہے بلکہ وہ دل سے اللہ اور رسول پر ایمان لائے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۟ۚ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

۹۔ اور جو پہلے سے اس گھر (دارالہجرت یعنی مدینہ) میں مقیم اور ایمان پر قائم تھے، وہ اس سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آیا ہے اور جو کچھ ان (مہاجرین) کو دے دیا گیا اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی خلش نہیں پاتے اور وہ اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود محتاج ہوں اور جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچا لیے گئے ہیں پس وہی کامیاب لوگ ہیں۔

تشریح کلمات

خَصَاصَۃٌ : (خ ص ص) خصاص البیت اس فقر اور احتیاج کو کہتے ہیں جو ختم نہ ہوئی ہو۔
شُحَّ : اس بخل کو کہتے ہیں جس میں لالچ بھی ہو۔

تفسیر آیات

۱۔ وَالَّذِیۡنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ : اس آیت میں انصار کا ذکر ہے جو مہاجرین کے آنے سے پہلے ایمان پر قائم تھے۔

۲۔ یُحِبُّوۡنَ مَنۡ هَاجَرَ اِلَیۡهِمۡ : یہ انصار مہاجرین سے محبت کرتے ہیں۔ ان کی مہاجرین سے محبت اس بنیاد پر تھی کہ وہ اپنے دین کی خاطر گھر اور اموال چھوڑ کر مدینہ آئے۔ وَالَّذِیۡنَ مبتدأ اور یُحِبُّوۡنَ خبر ہے۔ یہ جملہ الۡمُهٰجِرِیۡنَ پر عطف نہیں، مستقل جملہ ہے۔

۳۔ وَیُؤۡثِرُوۡنَ: انصار کی اہم خدمت یہ تھی کہ وہ جذبہ ایثار سے سرشار تھے۔ مکہ میں گھر بار چھوڑ کر آنے والوں کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں۔ ترجیح بھی ایسے حالات میں جب خود محتاج ہیں اور جس ایثار کی اللہ گواہی دے وہ بہت بڑا ایثار ہے۔

۴۔ وَمَنۡ یُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِهٖ: آیت کے اس جملے میں ایک کلیہ بیان فرمایا ہے جو مومن انسان کے لیے نہایت قابل توجہ ہے: وہ یہ ہے کہ انسان بالطبع مفاد پرست ہے اور مال و دولت کی محبت اس کی رگوں میں رچی بسی ہے:

وَّ تُحِبُّوۡنَ الۡمَالَ حُبًّا جَمًّا ؕ[1] — اور مال کے ساتھ جی بھر کر محبت کرتے ہو۔

دوسری جگہ فرمایا:

وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الۡخَیۡرِ لَشَدِیۡدٌ ؕ[2] — اور وہ مال کی محبت میں سخت ہے۔

حضرت علی علیہ السلام سے مروی ہے:

یَنَامُ الرَّجُلُ عَلَى الثُّكْلِ وَ لَا یَنَامُ عَلَى الْحَرَبِ۔[3] — اولاد کے مرنے پر آدمی کو نیند آ جاتی ہے مگر مال کے چھن جانے پر اسے نیند نہیں آتی۔

اس طبیعت سے ہاتھ اٹھانا بہت دشوار ہے۔ لہٰذا اس سے ہاتھ اٹھانے کا ثواب باقی نیکیوں سے زیادہ ہے۔ باقی نیکیوں کا دس گنا ثواب ہے لیکن مال سے ہاتھ اٹھا کر انفاق کرنے پر کم از کم سات سو، اس سے زیادہ چودہ سو یا اس سے بھی زیادہ ہوسکتا ہے جیسا کہ آیہ میں فرمایا:

---

[1] ۸۹ فجر: ۲۰ [2] ۱۰۰ عادیات: ۸ [3] نہج البلاغۃ حکمت: ۳۰۷

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ...[1]

جولوگ اپنا مال راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں ان (کے مال) کی مثال اس دانے کی سی ہے جس کی سات بالیاں اگ آئیں جن میں سے ہر بالی کے اندر سو دانے ہوں اور اللہ جس (کے عمل) کو چاہتا ہے دگنا کر دیتا ہے۔ علیہ السلام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے روایت ہے:

ثَلَاثٌ مُهْلِكَاتٌ شُحٌّ مُطَاعٌ وَهَوًى مُتَّبَعٌ وَ اِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهِ۔[2]

تین باتیں مہلک ثابت ہوتی ہیں۔ وہ بخل جس پر عمل کیا جائے۔ وہ خواہشات جس کی پیروی کی جائے اور خود پسندی ہیں۔

حدیث میں آیا ہے:

لا یجتمع الشح والایمان فی قلب رجل مسلم۔[3]

بخل اور ایمان ایک مسلم شخص کے دل میں جمع نہیں ہوتے۔

جمیل حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا:

اللہ مومن کو جو خصوصیت عنایت فرماتا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ مومن کو اپنے برادر ایمانی سے نیکی کرنے کی معرفت عنایت فرماتا ہے۔ خواہ وہ تھوڑی ہی کیوں نہ ہو۔ نیکی کے لیے کثرت لازم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ پھر فرمایا: وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ جب اللہ اس بات کی معرفت عنایت فرماتا ہے تو اللہ اس سے محبت کرتا ہے اور جس سے اللہ محبت کرے قیامت کے دن اسے بے حساب اجر عنایت فرمائے گا۔ پھر فرمایا: اے جمیل! اس حدیث کو اپنے برادران ایمانی سے بیان کرو۔ اس میں نیکی کی ترغیب ہے۔[4]

اس بات کے تحت اس میں فرمایا: جو اپنے نفس میں موجود اس بری خصلت یعنی بخل سے بچا لیا گیا تو درجات اور رضائے الٰہی کے حصول میں کامیابی ہوگی۔

ابو ہریرہ سے روایت ہے:

ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور بھوک کی شکایت کی۔ رسول اللہؐ نے ازواج کے گھروں کی طرف روانہ کیا۔ ازواج نے بھی جواب دیا: ہمارے ہاں پانی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: اسے آج رات کا کھانا کون کھلائے گا؟

---

[1] ۲ بقرہ: ۲۶۱ [2] الوسائل ۱: ۱۰۲ [3] مجمع البیان ذیل آیۃ [4] الکافی ۲: ۲۰۶

حضرت علی (علیہ السلام) نے عرض کی: میں کھلاؤں گا۔ حضرت علی (علیہ السلام) نے حضرت فاطمہ (سلام اللہ علیہا) سے پوچھا تو فرمایا: صرف بچوں کا کھانا ہے، مگر ہم مہمان کو ترجیح دیں گے۔ حضرت علی (علیہ السلام) نے فرمایا: بچوں کو سلا دیں۔ میں چراغ بجھا دیتا ہوں۔ میں نے ایسے ہی کیا۔ چنانچہ اس رات کی صبح یہ آیت نازل ہوئی:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۔۔۔۔ اور وہ اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود محتاج ہوں۔

حضرت ابن عباس سے بھی روایت ہے کہ یہ آیت علی، فاطمہ اور حسن و حسین (علیہم السلام) کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

اس آیت کے ایک انصار کے بارے میں نازل ہونے کی بھی روایت ہے اور یہ روایت بھی ابوہریرہ سے ہے۔ ممکن ہے سبب نزول انصار ہو اور اہل بیت کے بھی ایسے ہی ایثار پر آیت کی تطبیق کی گئی ہو۔ چونکہ یہ ایک مسلمہ ہے آیت سبب نزول پر منحصر نہیں ہوتی۔

وَالَّذِيْنَ جَاۗءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۰

۱۰۔ اور جو ان کے بعد آئے ہیں، کہتے ہیں: ہمارے پروردگار! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان لانے والوں کے لیے کوئی عداوت نہ رکھ، ہمارے رب! تو یقیناً بڑا مہربان، رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَالَّذِيْنَ جَاۗءُوْ: الَّذِيْنَ مبتدا اور يَقُوْلُوْنَ خبر ہے۔ یہ ایک مستقل جملہ ہے۔ یہ آیت اور سابقہ آیت دونوں لِلْفُقَرَاۗءِ الْمُهٰجِرِيْنَ پر عطف نہیں ہیں جیسا کہ اکثر نے کہا ہے۔ چنانچہ عمل رسول ﷺ اس پر شاہد ہے کہ آپ نے انصار کو بہ حیثیت انصار حصہ نہیں دیا۔ البتہ ان میں سے تین افراد کو بہ حیثیت محتاج اور مسکین سہم سبیل اللّٰہ سے عنایت فرمایا۔

۲۔ يَقُوْلُوْنَ: مہاجرین و انصار کے بعد آنے والے مسلمان اپنے مومن اسلاف کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں جو ایمان میں سبقت لے جانے والے ہیں۔ سابق فی الایمان ہونا اپنی جگہ ایک فضیلت ہے اور ساتھ آنے والی نسلوں تک ایمان پہنچانے کا بھی یہی لوگ ذریعہ بن گئے ہیں۔

ابن عباس سے روایت ہے: سَبَقُوۡنَا بِالۡاِیۡمَانِ حضرت علی علیہ السلام اور حضرت جعفر طیارؓ کی شان میں ہے۔ ملاحظہ ہو شواھد التنزیل ذیل آیت۔ کشف الغمۃ ا: ۳۱۷

۳۔ وَ لَا تَجۡعَلۡ فِیۡ قُلُوۡبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا: ہمارے دلوں میں ایمان لانے والوں کے لیے کوئی عداوت نہ رکھ۔ اگر کوئی کسی مومن سے اس لیے عداوت رکھے کہ وہ مومن ہے تو یہ کفر ہے اور اگر کسی اور وجہ سے اس سے عداوت رکھتا ہے، وہ اگر الحب فی اللّٰہ و البغض فی اللّٰہ کے تحت ہے تو نہ صرف اس کی مذمت نہیں ہے بلکہ حدیث میں ہے:

اَوۡثَقُ عُرَی الۡاِیۡمَانِ الۡحَبُّ فِی اللّٰہِ وَ الۡبُغۡضُ فِی اللّٰہِ...[۱] — ایمان کی مضبوط ترین رسی برائے خدا محبت اور برائے خدا عداوت کرنا ہے۔

مثلاً کسی کلمہ گو مسلمان سے اس لیے عداوت رکھی جائے کہ وہ ظالم ہے تو یہ بھی حکم خدا کی تعمیل ہے۔ حدیث میں ہے:

کُونَا لِلظَّالِمِ خَصۡماً وَ لِلۡمَظۡلُومِ عَوۡناً...[۲] — (اے حسن وحسین) ظالم کے دشمن اور مظلوم کے مددگار بنے رہنا۔

اور اگر مومن سے بلاوجہ عداوت رکھے تو یہ فسق ہے۔ اگر کسی مومن سے اس بنا پر عداوت رکھے کہ اس نے ظلم کیا ہے اور حقیقت میں وہ ظالم نہ ہو تو اگر اس کے ظالم ہونے کی کوئی معقول دلیل اس کے پاس ہے تو وہ معذور ہے، جسے اجتہادی غلطی کہتے ہیں لیکن اگر اس کے نزدیک ایسی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ ذاتی خلش کی وجہ سے اس مومن سے عداوت رکھے تو یہ فسق ہے۔

چنانچہ اصحاب ایک دوسرے کے ساتھ عداوت رکھتے تھے۔ ایک دوسرے پر لعنت کرتے اور کبھی ایک دوسرے پر سَبّ بھی کرتے تھے اور مقاتلہ تک نوبت آ جاتی:

خالد بن ولید نے عبد الرحمن بن عوف کو گالی دی۔[۳]

حضرت عمر نے سعد بن عبادہ پر لعنت کی۔[۴]

حضرت ابو موسیٰ اشعری نے عمرو بن عاص سے کہا:

تجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔ تیری حالت بالکل اس کتے کی سی ہے جس پر لادو تب بھی ہانپتا ہے اور چھوڑ دو تو بھی ہانپتا ہے۔

تو عمر بن عاص نے کہا:

خدا تجھ پر لعنت کرے۔ تیری مثال اس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں۔[۵]

---

[۱] الکافی ۲: ۱۲۵ [۲] نہج البلاغۃ وصیت ۴۷ [۳] صحیح مسلم ۲: ۳۱۰ طبع دہلی [۴] صحیح بخاری ۲: ۱۰۱۰ ط دہلی
[۵] العقد الفرید ۳/۳۴۱ طبع دار الاندلس بیروت۔ خلفائے راشدین مؤلف معین الدین ندوی صفحہ ۳۱۰ طبع اعظم گڑھ

ایک بار تو خود رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک دوسرے کو سب وشتم کیا اور ایک دوسرے پر جوتے برسائے۔[1]

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ نَافَقُوۡا یَقُوۡلُوۡنَ لِاِخۡوَانِہِمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ لَئِنۡ اُخۡرِجۡتُمۡ لَنَخۡرُجَنَّ مَعَکُمۡ وَ لَا نُطِیۡعُ فِیۡکُمۡ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّ اِنۡ قُوۡتِلۡتُمۡ لَنَنۡصُرَنَّکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ یَشۡہَدُ اِنَّہُمۡ لَکٰذِبُوۡنَ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ کیا آپ نے ان منافقین کو نہیں دیکھا جو اپنے اہل کتاب کافر بھائیوں سے کہتے ہیں: اگر تمہیں نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ ضرور نکل جائیں گے اور تمہارے بارے میں ہم کبھی بھی کسی کی بات ہرگز نہیں مانیں گے اور اگر تمہارے خلاف جنگ کی جائے تو ہم ضرور بالضرور تمہاری مدد کریں گے لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ قطعاً جھوٹے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ نَافَقُوۡا: ان دنوں یہ آیت نازل ہوئی جب بنی نضیر کو رسول اللہ ﷺ نے دس دن کا نوٹس دیا کہ شہر چھوڑ کر یہاں سے چلے جائیں اور مدینہ کے منافقین کے لیڈروں نے یہودیوں کو یہ پیغام بھیجا کہ ہم دو ہزار آدمی تمہاری مدد کو آئیں گے۔ لڑنا پڑا تمہارے ہمراہ لڑیں گے۔ نکلنا پڑا تو تمہارے ساتھ گھر بار چھوڑ کر نکل جائیں گے۔

ترتیب نزول کے اعتبار سے یہ آیت پہلے نازل ہوئی ہو گی اور نبی نضیر کی جلا وطنی کے بارے میں آیت بعد میں لیکن یہودیوں کا مدینہ سے اخراج اہم ترین واقعہ تھا اس لیے اس کا ذکر پہلے ہو گیا۔

۲۔ وَ اللّٰہُ یَشۡہَدُ اِنَّہُمۡ لَکٰذِبُوۡنَ: یہ پیشینگوئی ہے کہ منافقین کی طبیعت میں نفاق رچا بسا ہے۔ وہ یہودیوں کے ساتھ بھی منافقت کرتے ہیں اور جھوٹے وعدے کرتے ہیں۔

لَئِنۡ اُخۡرِجُوۡا لَا یَخۡرُجُوۡنَ مَعَہُمۡ ۚ وَ لَئِنۡ قُوۡتِلُوۡا لَا یَنۡصُرُوۡنَہُمۡ ۚ وَ لَئِنۡ نَّصَرُوۡہُمۡ

۱۲۔ اگر وہ نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر ان سے جنگ کی گئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے اور اگر یہ ان کی مدد کے

[1] صحیح بخاری کتاب الصلح۔ صحیح مسلم کتاب الجہاد باب دعاء النبی الی اللہ

لَيُوَلُّنَّ الۡاَدۡبَارَ ۟ ثُمَّ لَا يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۱۲﴾ — لیے آ بھی جائیں تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔

تفسیر آیات

چنانچہ بعد میں ایسا ہی ہوا یہودی کئی دن محاصرے میں رہے۔ یہ منافقین ان کی مدد کو نہ پہنچے اور جب نکالے گئے تو ان کے ساتھ نہ نکلے۔ البتہ لڑائی کی نوبت نہ آئی۔ اگر آتی اور یہ منافقین یہودیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑنے لگ جاتے تو پیٹھ پھیر کر میدان جنگ سے فرار ہونے والے تھے۔

لَاَنۡتُمۡ اَشَدُّ رَهۡبَةً فِىۡ صُدُوۡرِهِمۡ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ ﴿۱۳﴾ — ۱۳۔ان کے دلوں میں اللہ سے زیادہ تمہاری ہیبت بیٹھی ہوئی ہے، یہ اس لیے کہ یہ لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ اگر یہ منافقین تم مسلمانوں کے خلاف عملاً محاذ آرائی کے لیے سامنے نہیں آتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہ ہوگا کہ ان کے دلوں میں خوف خدا نام کی کوئی چیز ہے بلکہ وہ تم مسلمانوں کی ایمانی شجاعت اور جاں نثاری سے مرعوب ہیں جس کا مشاہدہ ان منافقین نے مختلف جنگوں میں کیا ہے۔

۲۔ خدا کی بہ نسبت لوگوں سے خوف کھانا ان کی بے عقلی کی علامت ہے ورنہ عاقل کے لیے اللہ کی نافرمانی میں خوف ہے جس کے قبضۂ قدرت میں دنیا و آخرت ہے۔

لَا يُقَاتِلُوۡنَكُمۡ جَمِيۡعًا اِلَّا فِىۡ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوۡ مِنۡ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ بَاۡسُهُمۡ بَيۡنَهُمۡ شَدِيۡدٌ ؕ تَحۡسَبُهُمۡ جَمِيۡعًا وَّ قُلُوۡبُهُمۡ شَتّٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۴﴾ — ۱۴۔ یہ سب مل کر تم سے نہیں لڑیں گے مگر قلعہ بند بستیوں یا دیواروں کی آڑ میں سے، ان کی آپس کی لڑائی بھی شدید ہے، آپ انہیں متحد سمجھتے ہیں لیکن ان کے دل منتشر ہیں، یہ اس لیے ہے کہ وہ عقل سے کام لینے والے نہیں ہیں۔

تشریح کلمات

مُّحَصَّنَةٍ: (ح ص ن) قلعے کو حصن کہتے ہیں۔

شَتّٰی: (ش ت ت) پراگندہ۔ مختلف۔

تفسیر آیات

۱۔ لَا یُقَاتِلُوْنَکُمْ جَمِیْعًا: یہ منافقین یہود کے ساتھ مل کر تم سے جنگ نہیں کر پائیں گے۔ یہود کے دلوں میں اللہ نے رعب ڈال دیا ہے اس لیے وہ لڑنے کے قابل نہیں ہیں۔ منافقین اپنے نفاق اور کسی قسم کا معقول موقف اور نظریہ نہ ہونے کی وجہ سے لڑنے کے قابل نہیں ہیں۔

۲۔ اِلَّا فِیْ قُرًی مُّحَصَّنَۃٍ: یہ لوگ بستیوں میں قلعہ بند ہو کر یا دیواروں کی اوٹ میں تم سے لڑنے کی کوشش کریں گے اور روبرو ہو کر مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں کریں گے۔ قرآن کی یہ پیشینگوئی درست ثابت ہوئی۔ منافقین گھروں سے نہیں نکلے اور یہود اپنی بستیوں میں قلعہ بند ہو کر رہ گئے۔

۳۔ بَاْسُہُمْ بَیْنَہُمْ شَدِیْدٌ: بأس اس جگہ عداوت کے معنوں میں لیا گیا ہے جو ایک قسم کی ذہنی لڑائی ہے۔ لفظ بأس قرآن میں لڑائی اور قوت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے لیکن بأس بمعنی عداوت صرف اس جگہ استعمال ہوا ہے۔ یعنی ان یہودیوں یا یہود اور منافقین کے درمیان عداوت شدید ہے۔

۴۔ تَحْسَبُہُمْ جَمِیْعًا: بظاہر یہ لوگ متحد لگتے ہیں لیکن ان کے دل باہم متفق نہیں بلکہ ان کے نظریات، افکار اور خیالات میں انتشار پایا جاتا ہے۔

۵۔ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ: یہ اس لیے ہے کہ یہ لوگ حق سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ ان کی خواہشات نے ان سے حق سمجھنے کی صلاحیت چھین لی ہے۔

کَمَثَلِ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہِمْ قَرِیْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِہِمْ ۚ وَ لَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۵﴾	۱۵۔ ان لوگوں کی طرح جنہوں نے ان سے کچھ ہی مدت پہلے اپنے عمل کا وبال چکھ لیا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

تفسیر آیات

ان یہودیوں کا انجام مشرکین مکہ جیسا ہو گا یا بنی قینقاع کے یہودیوں جیسا ہو گا۔ بعض کہتے ہیں قریظہ کے یہودیوں جیسا ہو گا جن کا خاتمہ واقعہ بنی نضیر سے صرف دو سال پہلے ہوا تھا۔

کَمَثَلِ الشَّیْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اکْفُرْ ۚ فَلَمَّا کَفَرَ قَالَ اِنِّیْ	۱۶۔ شیطان کی طرح جب اس نے انسان سے کہا: کافر ہو جا! پھر جب وہ کافر ہو گیا تو کہنے

بَرِیۡٓءٌ مِّنۡکَ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اللّٰہَ رَبَّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۶﴾

لگا: میں تجھ سے بیزار ہوں، میں تو عالمین کے پروردگار اللہ سے ڈرتا ہوں۔

تفسیر آیات

بنی نضیر اور منافقین کی مثال شیطان کی سی ہے کہ منافقین نے شیطان کی طرح بنی نضیر کو ورغلایا اور جب منافقین کے کہنے میں آ کر ان لوگوں نے جنگ کے لیے اپنے آپ کو آمادہ کیا تو منافقین نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔

فَکَانَ عَاقِبَتَہُمَاۤ اَنَّہُمَا فِی النَّارِ خَالِدَیۡنِ فِیۡہَا ؕ وَ ذٰلِکَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۷﴾ ع ۵

۱۷۔ پھر ان دونوں کا انجام یہ ہوا کہ وہ دونوں جہنمی ہو گئے جس میں (وہ) ہمیشہ رہیں گے اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔

تفسیر آیات

جس طرح شیطان اور شیطان کے کہنے میں آ کر کفر اختیار کرنے والے، دونوں کا انجام جہنم کا ابدی عذاب ہوا اسی طرح بنی نضیر کے یہود اور منافقین کا انجام بھی یہی ہوا۔

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ لۡتَنۡظُرۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٍ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر شخص کو یہ دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل (روز قیامت) کے لیے کیا بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرو، جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ یقیناً اس سے خوب باخبر ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ: اتَّقُوا پرہیز کرو۔ بچاؤ کرو اللہ سے یعنی اللہ کے عدل سے۔ لا نخاف الا عدلہ....[1] ہم صرف اللہ کے عدل سے ڈرتے ہیں۔ جیسا کہ ہر مجرم عدل و انصاف سے ڈرتا ہے۔ ورنہ اللہ خود ارحم الراحمین ہے لیکن اللہ کے عدل کا تقاضا یہ ہے کہ نیک اور برا برابر نہ ہو لہٰذا اللہ کے عدل سے ڈرنے کا حکم ہے۔ اللہ کے عذاب سے ڈرو۔ عذاب بھی عدل کا ایک تقاضا ہے۔

---

[1] بحار ۹۱: ۱۰۷۔ امیر المومنین (ع) سے مروی دعا

۲۔ وَلۡتَنۡظُرۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٍ: ہر نفس، ہر شخص کو یہ دیکھنا چاہیے کہ اس نے روز قیامت کے لیے کیا آگے بھیجا ہے۔ وَلۡتَنۡظُرۡ اپنے اعمال، اپنی ہر جنبش پر نظر رکھنی چاہیے۔ ہر وقت اپنا محاسبہ کرنا چاہیے۔ تقویٰ کے بعد محاسبہ نفس کا مرحلہ آتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں محاسبہ، تقویٰ کا لازمہ ہے۔ جب انسان آگاہ اور ہوشیار ہوتا ہے اور خطرات سے اپنے آپ کو بچانا چاہتا ہے تو اس کا لازمہ یہ ہو گا کہ ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھائے گا۔

۳۔ لِغَدٍ: قیامت کو غد کل سے تعبیر فرمایا کہ قیامت ایسی ہے جیسے آج کے بعد کل ہے۔ یہ بات سب کے لیے واضح ہے کہ زمانے میں ٹھہراؤ نہیں ہے۔ آگے کل ہر صورت میں آنے ہی والا ہے۔ اسی طرح قیامت ہے کہ جس نے ہر صورت میں آنا ہے۔ جس طرح یہ نہیں ہو سکتا آج کے بعد کل نہ آئے۔ اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں قیامت نہ آئے۔

۴۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ: دوبارہ تقویٰ کا حکم تاکید کے لیے ہے چونکہ تقویٰ کو انسان کی سرنوشت و تقدیر میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ تقویٰ مقام محاسبہ سے مربوط ہے کہ کیا عمل اخلاص کے ساتھ صادر ہوا ہے؟ جب کہ شروع میں جس تقویٰ کا حکم دیا وہ اعمال کی بجا آوری سے متعلق ہے۔

اہم نکات

۱۔ فکر فردا ہر عاقل کا شیوہ ہے۔

۲۔ خطرات سے بچاؤ کا اہتمام عقلی تقاضا ہے۔

وَلَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنۡسٰىهُمۡ اَنۡفُسَهُمۡ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۱۹﴾	۱۹۔ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے انہیں خود فراموشی میں مبتلا کر دیا، یہی لوگ فاسق ہیں۔

تفسیر آیات

جو لوگ اللہ کو بھول جاتے ہیں وہ اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کو یاد رکھتے ہیں وہ اپنے آپ کو بھی یاد رکھتے ہیں۔ اس کا واضح مطلب یہ ہوا جو لوگ اللہ کو فراموش کر کے اس کی بندگی نہیں کرتے، اللہ کے احکام کی تعمیل نہیں کرتے، اللہ نے جن چیزوں سے روکا ہے ان سے نہیں رکتے، اللہ نے جو حدود قائم کی ہیں ان سے تجاوز کرتے ہیں، ایسے لوگ اپنی ذات کی پرواہ نہیں کر رہے ہیں۔ ان لوگوں نے خود اپنے وجود کو صفحۂ فراموشی کے سپرد کر دیا ہے۔ انہیں اپنی ذات کی فکر نہیں ہے کہ ابدی عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے۔ ان کی ابدی زندگی تباہ ہو جائے گی۔

جو ایک اللہ کی بندگی چھوڑتا ہے وہ کئی فریبی خداؤں کی بندگی کا شکار ہو جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں جو لوگ اللہ کو بھول جاتے ہیں ان کے دل اور وجدان مردہ ہو جاتے ہیں اور مردہ دل اپنا نفع نقصان نہیں سمجھتے۔

اہم نکات

۱۔ خدا فراموشی کا لازمہ خود فراموشی ہے۔ خود فراموشی کا لازمہ فسق ہے۔

لَا یَسۡتَوِیۡۤ اَصۡحٰبُ النَّارِ وَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ ؕ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ ہُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ ﴿۲۰﴾	۲۰۔ اہل جہنم اور اہل جنت برابر نہیں ہو سکتے، اہل جنت ہی کامیاب ہیں۔

تفسیر آیات

اللہ کو فراموش کرنے والے جہنمی اور اللہ کو یاد رکھنے والے جنتی ہیں۔ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ چونکہ جہنم والے تو اپنی زندگی کے بارے میں ہزیمت اور شکست سے دوچار ہوئے جب کہ جنت والوں نے اس جگہ کامیابی حاصل کی اور ابدی ناز نعیم کے مستحق ٹھہر گئے۔

دنیا والے اپنے مادی پیمانے کے مطابق مومن اور فاسق کو ایک جیسا سمجھتے ہیں بلکہ احیاناً فاسقین مومنین پر اپنی برتری جتاتے ہیں، بہت سے ظاہر بین بھی فاسقوں کی زرق برق سے متاثر ہوتے اور مومن کی روحانیت کو حقیر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ فاسق فی الواقع ذلت و رسوائی کی کھائی کی طرف جا رہے ہوتے ہیں، اہل تقویٰ اپنے ارتقائی مراحل طے کر رہے ہوتے ہیں اور ہمیشہ کی کامیابی کی طرف جا رہے ہوتے ہیں۔

لَوۡ اَنۡزَلۡنَا ہٰذَا الۡقُرۡاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیۡتَہٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنۡ خَشۡیَۃِ اللّٰہِ ؕ وَ تِلۡکَ الۡاَمۡثَالُ نَضۡرِبُہَا لِلنَّاسِ لَعَلَّہُمۡ یَتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۲۱﴾	۲۱۔ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ اسے اللہ کے خوف سے جھک کر پاش پاش ہوتا ضرور دیکھتے اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے لیے اس لیے بیان کرتے ہیں کہ شاید وہ فکر کریں۔

تفسیر آیات

۱۔ لَوۡ اَنۡزَلۡنَا ہٰذَا الۡقُرۡاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ: اگر ہم پہاڑ کو قرآن کا مخاطب قرار دے کر اس پر قرآنی تعلیمات کی ذمہ داری ڈال دیتے تو یہ پہاڑ اپنی مضبوطی اور محکم جسامت کے باوجود اس عظیم ذمہ داری کو

اٹھانے سے گھبرا جاتا۔ جیسا کہ پہاڑوں کو بار امانت اٹھانے کی جب پیشکش ہوئی تو انہوں نے اسے اٹھانے سے انکار کیا تھا جس کا ذکر سورہ احزاب میں تفصیل سے ہوا ہے۔ انکار اسی لیے کیا تھا کہ وہ اس بار امانت کے متحمل نہیں تھے۔

۲۔ لَّرَاَیۡتَہٗ خَاشِعًا: اس پہاڑ کو آپ حالت خشوع میں پاتے۔ یہ پہاڑ اپنی بلند جسامت کے ساتھ جھک جاتا۔ مُّتَصَدِّعًا پاش پاش ہو جاتا اور زمین بوس ہو جاتا۔

۳۔ مِّنۡ خَشۡیَۃِ اللّٰہِ: اس امانت کی جوابدہی کے خوف کی وجہ سے پہاڑ کی یہ حالت ہوتی مگر یہ انسان ہے جس پر ان قرآنی تعلیمات کا کوئی اثر نہیں ہے۔

چنانچہ سورہ بقرہ آیت ۷۴ میں فرمایا:

ثُمَّ قَسَتۡ قُلُوۡبُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ فَہِیَ کَالۡحِجَارَۃِ اَوۡ اَشَدُّ قَسۡوَۃً ؕ وَ اِنَّ مِنَ الۡحِجَارَۃِ لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنۡہُ الۡاَنۡہٰرُ ؕ وَ اِنَّ مِنۡہَا لَمَا یَشَّقَّقُ فَیَخۡرُجُ مِنۡہُ الۡمَآءُ ؕ وَ اِنَّ مِنۡہَا لَمَا یَہۡبِطُ مِنۡ خَشۡیَۃِ اللّٰہِ ؕ

پھر اس کے بعد بھی تمہارے دل سخت رہے، پس وہ پتھر کی مانند بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے، کیونکہ پتھروں میں سے کوئی تو ایسا ہوتا ہے جس سے نہریں پھوٹتی ہیں اور کوئی ایسا ہے کہ جس میں شگاف پڑ جاتا ہے تو اس سے پانی بہ نکلتا ہے اور ان میں کوئی ایسا بھی ہے جو ہیبت الٰہی سے نیچے گر پڑتا ہے۔

۴۔ وَ تِلۡکَ الۡاَمۡثَالُ: یہ تمثیلی بات ہے کہ ایک فکری اور عقلی بات پہاڑ جیسے محسوس کی شکل کی مثال میں سمجھائی جائے چونکہ اکثر لوگ محسوس چیزوں کو ہی سمجھ سکتے ہیں۔

۵۔ لَعَلَّہُمۡ یَتَفَکَّرُوۡنَ: تاکہ وہ محسوسات کے ذریعے قرآنی تعلیمات میں فکر کریں۔

اہم نکات

۱۔ انسانی قلب جب شقاوت کی منزل میں آتا ہے تو پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتا ہے۔ ۱۲۷

ہُوَ اللّٰہُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۚ عٰلِمُ الۡغَیۡبِ وَ الشَّہَادَۃِ ۚ ہُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِیۡمُ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ غیب و شہود کا جاننے والا ہے، وہی رحمن رحیم ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ ہُوَ اللّٰہُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ: اللہ کی ذات وہ ہے جس کے سوا لائق عبادت کوئی نہیں ہے۔ نہ خالق ہونے کے اعتبار سے، نہ رب ہونے کے اعتبار سے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے چونکہ عبادت

صرف خالق اور رب کی ہوتی ہے۔ اللہ کے سوا کوئی خالق ہے نہ کوئی رب۔

۲۔ عٰلِمُ الۡغَیۡبِ وَ الشَّہَادَۃِ: جو بات ادراک کرنے والے کے سامنے ہوگی وہ شہود ہے، جو اس کے سامنے نہیں ہوگی وہ غیب۔ لہٰذا ہر ایک کا غیب و شہود اس کے ادراکات کی حدود سے مربوط ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی چیز غیب نہیں ہے۔ غیب و شہود غیر اللہ کے لیے ہے۔ اسی کے مطابق فرمایا ہے کہ اللہ کے علاوہ دیگر موجودات کے لیے جو غیب و شہود ہے سب کو اللہ جانتا ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے:

الغیب ما لم یکن و الشهادة ما کان۔[1] غیب وہ ہے جو ابھی وجود میں نہیں آیا شہود وہ جو وجود میں آ گیا ہے۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلۡمَلِکُ الۡقُدُّوۡسُ السَّلٰمُ الۡمُؤۡمِنُ الۡمُهَیۡمِنُ الۡعَزِیۡزُ الۡجَبَّارُ الۡمُتَکَبِّرُ ؕ سُبۡحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی بادشاہ ہے، نہایت پاکیزہ، سلامتی دینے والا، امان دینے والا، نگہبان، بڑا غالب آنے والا، بڑی طاقت والا، کبریائی کا مالک، پاک ہے اللہ اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

هُوَ اللّٰهُ الۡخَالِقُ الۡبَارِئُ الۡمُصَوِّرُ لَهُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی ؕ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ وَ هُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۲۴﴾ ع

۲۴۔ وہی اللہ ہی خالق، موجد اور صورتگر ہے جس کے لیے حسین ترین نام ہیں جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اس کی تسبیح کرتے ہیں اور وہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اَلۡمَلِکُ: تمام کائنات پر اللہ کی بادشاہی، اللہ کی حکمرانی ہے اور وہ اللہ کی تدبیر و تنظیم پر قائم ہے۔ اس کی حکومت کے آگے کسی کا بس نہیں چل سکتا۔

۲۔ اَلۡقُدُّوۡسُ: القدس کا صیغۂ مبالغہ ہے۔ یعنی ہر نقص سے نہایت پاک ہے۔

۳۔ اَلسَّلٰمُ: اس کی ذات اپنی مخلوقات کو سلامتی دینے والی ہے۔ نہ وہ ان پر ظلم کرتا ہے، نہ وعدہ خلافی کرتا ہے اور نہ ان کا اجر و ثواب ضائع کرتا ہے۔

۴۔ اَلۡمُؤۡمِنُ: امن دینے والا۔ چونکہ ایمان والوں کو اللہ کے قرب میں ہی امن و سکون ملتا ہے یا

---

۱ مجمع البیان ذیل آیہ

اس اعتبار سے کہ اللہ مومنوں کے دلوں میں اطمینان خلق کرنے والا ہے یا اس اعتبار سے مومنوں کو امن کی خوشخبری دینے والا کہ انہیں نہ خوف ہو گا نہ حزن۔

۵۔ اَلۡمُہَیۡمِنُ: بالادستی کے ساتھ حفاظت اور نگہبانی کرنے والا۔ قرطبی نے کہا ہے: ای عالیاً و مرتفعاً۔ اس لفظ کے معنی کے بارے میں اقوال بہت زیادہ ہیں۔

۶۔ اَلۡعَزِیۡزُ: ہر چیز پر غالب آنے والا۔ ضرب المثل ہے من عزّبزّ جو غالب آئے وہ لوٹ لے۔

۷۔ اَلۡجَبَّارُ: عظمت والا۔ ابن عباس کہتے ہیں۔ جبروت اللّٰہ عظمتہ بعض کے نزدیک جبار: اصلاح کرنے والا۔ اسی سے ہے: یا جابر العظم الکسیر اے ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کا جوڑنے والے۔

۸۔ اَلۡمُتَکَبِّرُ: اپنی کبریائی اور عظمت کا اظہار کرنے والا۔

۹۔ سُبۡحٰنَ اللّٰہِ عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ: ان صفات کا مالک اللہ ان تمام باتوں سے پاک ومنزہ اور بالاتر ہے جن کی نسبت مشرکین اس کی طرف دیتے ہیں۔

۱۰۔ ہُوَ اللّٰہُ الۡخَالِقُ: اللہ ہی خالق ہے۔ خلق کی تین قسمیں ہیں: خلق ابداعی یعنی عدم سے وجود لانا۔ یہ خلق صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے۔ خلق ترکیبی یعنی مختلف چیزوں کو جوڑ کر ایک نئی چیز بنانا اور خلق تقدیری۔

۱۱۔ اَلۡبَارِئُ: (ب ر ء) پیدا کرنے والا۔ یہ لفظ ایجاد و اختراع یعنی عدم سے وجود میں لانے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے۔

۱۲۔ اَلۡمُصَوِّرُ: صورت گری کرنے والا۔ جو خلق کے مراحل سے عبارت ہے۔

۱۳۔ لَہُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی: اسمائے حسنی کے بارے میں سورہ اعراف آیت ۱۸۰ میں ذکر ہو چکا ہے۔

۱۴۔ یُسَبِّحُ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ: کائنات کی تمام موجودات اللہ کی تسبیح کرتی ہیں۔ اس موضوع پر سورہ بنی اسرائیل آیت ۴۴ میں تفصیلی بحث ہوگئی ہے۔

سُورَةُ المُمتَحنَة

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ الممتحنۃ سب کے نزدیک مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ بعض نے خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ سورۃ ہجرت کے آٹھویں سال نازل ہوئی۔

مضمون: حاطب بن ابی بَلْتَعَہ کا ذکر ہے جس نے قریش کے سرداروں کو اطلاع فراہم کرنے کی کوشش کی کہ ان پر حملہ ہونے والا ہے۔ یہ صحابی بدری ہونے کے باوجود اپنے اہل و عیال کو بچانے کے لیے مسلمانوں کو فتح مکہ کے لیے خونی تصادم سے دوچار کر رہے تھے۔

ایک اور اہم مسئلہ کا بھی اس سورۃ میں ذکر ہے کہ مکہ میں موجود کافر عورتیں، مدینہ کے مسلم مردوں پر حرام ہیں۔ اسی طرح مسلم عورتیں، کافر شوہروں کے لیے حرام اور آزاد ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا عَدُوِّیۡ وَ عَدُوَّکُمۡ اَوۡلِیَآءَ تُلۡقُوۡنَ اِلَیۡہِمۡ بِالۡمَوَدَّۃِ وَ قَدۡ کَفَرُوۡا بِمَا جَآءَکُمۡ مِّنَ الۡحَقِّ ۚ یُخۡرِجُوۡنَ الرَّسُوۡلَ وَ اِیَّاکُمۡ اَنۡ تُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰہِ رَبِّکُمۡ ؕ اِنۡ کُنۡتُمۡ خَرَجۡتُمۡ جِہَادًا فِیۡ سَبِیۡلِیۡ وَ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِیۡ ٭ۖ تُسِرُّوۡنَ اِلَیۡہِمۡ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

۱۔ اے ایمان والو! تم میرے اور اپنے دشمنوں کو حامی نہ بناؤ، تم ان کی طرف محبت کا پیغام بھیجتے ہو حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس کا وہ انکار کرتے ہیں اور وہ رسول کو اور تمہیں اس جرم میں جلاوطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لائے ہو، (ایسا نہ کرو) اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے اور میری خوشنودی حاصل کرنے کے لیے نکلے ہو، تم چھپ چھپا کر ان

بِالۡمَوَدَّۃِ ٭ وَ اَنَا اَعۡلَمُ بِمَاۤ اَخۡفَیۡتُمۡ وَ مَاۤ اَعۡلَنۡتُمۡ ؕ وَ مَنۡ یَّفۡعَلۡہُ مِنۡکُمۡ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیۡلِ ①

کی طرف محبت کا پیغام بھیجتے ہو؟ حالانکہ جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو ان سب کو میں بہتر جانتا ہوں تم میں سے جو بھی ایسا کرے وہ راہ راست سے بھٹک گیا۔

شان نزول: اس سورہ کی ابتدائی چند آیات حاطب بن ابی بَلْتَعَہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ واقعہ اس طرح پیش آیا:

جب کفار مکہ نے حدیبیہ کا معاہدہ توڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ نے مکہ پر حملہ کرنے کی تیاری شروع فرمائی تو ایک صحابی حاطب بن ابی بلتعہ نے ایک عورت کے ہاتھ قریش کے رئیسوں کے نام ایک خط بھیجا۔ یہ عورت مدینہ سے روانہ ہو گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو آگاہ فرمایا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام کو زبیر اور مقداد کے ساتھ اس عورت کے تعاقب میں بھیجا کہ اس عورت سے حاطب کا خط برآمد کریں اور حکم دیا کہ اگر عورت نے خط نہ دیا تو اسے قتل کر دینا۔ چنانچہ جب انہوں عورت کو پکڑ لیا اور اس سے خط مانگا تو اس عورت نے کہا میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔ اس کی تلاشی لی گئی مگر خط نہیں ملا۔ انہوں نے واپسی کا ارادہ کیا۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

واللّٰہ ما کذبنا و لا کذبنا قسم بخدا نہ ہم نے کبھی جھوٹ بولا ہے نہ ہی ہم سے جھوٹ بولا گیا ہے۔

یہ کہہ کر اپنی تلوار نیام سے نکالی اور فرمایا: خط ہمارے حوالہ کر دو ورنہ تیری گردن ماری جائے گی۔ اس پر عورت نے اپنے بالوں کی چوٹی میں سے وہ خط نکال کر دے دیا۔ خط لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر خط آپ کے حوالہ کیا۔ اس خط میں سرداران قریش کے نام لکھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ تم پر چڑھائی کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حاطب کو بلا کر پوچھا تم نے یہ کام کیوں کیا؟ اس نے کہا: یا رسول اللہ میں کافر ہو گیا ہوں نہ مرتد بلکہ میرے قریبی رشتہ دار مکہ میں ہیں۔ میں قبیلہ قریش کا آدمی نہیں ہوں۔ میں نے یہ خط اس خیال سے لکھا ہے کہ قریش والوں پر میرا ایک احسان ہو جس کی وجہ سے وہ میرے بچوں کو کچھ نہ کہیں۔ حضرت عمر نے اس موقع پر کہا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجیے میں اس منافق کی گردن مار دوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو اللہ اسے معاف فرمائے گا۔

حاطب مہاجر بدری ہے اس کے باوجود اس سے یہ جرم سرزد ہوا اور قرآن نے اسے گمراہ کہا ہے۔
اس واقعہ کو بخاری اور مسلم نے اپنی صحاح میں اور تمام مفسرین نے متفقہ طور پر بیان کیا ہے۔ تعجب کا مقام ہے کہ کچھ حضرات نے علمی خیانت کا ارتکاب کرتے ہوئے اس آیت سے تقیہ جائز نہ ہونے پر استدلال کیا ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر دریابادی

حالانکہ نہایت واضح ہے کہ یہ تقیہ کا مقام نہیں ہے۔ تقیہ میں خطرے سے بچنے کے لیے اصل راز چھپایا جاتا ہے۔ جیسا کہ یَکۡتُمُ اِیۡمَانَہٗۤ ....[1] سے ظاہر ہے۔ یہاں لشکر اسلام کو خطرے میں جھونکنے کے لیے راز فاش کیا جا رہا ہے اور یہی حاطب اپنا ایمان چھپا کر اپنی اور اپنے عزیزوں کی جان بچا لیتا تو یہ تقیہ تھا لیکن وہ ایک اہم راز دشمن تک پہنچا کر بہت سی جانوں کو خطرے میں ڈال رہا تھا۔ جسے وحی کے ذریعہ بچا لیا گیا۔

تفسیر آیات

۱۔ لَا تَتَّخِذُوۡا عَدُوِّیۡ وَ عَدُوَّکُمۡ اَوۡلِیَآءَ: اللہ اور مومنوں کے دشمن مشرکین کو اپنا ولی، حامی، ناصر مت بناؤ۔ اللہ کے دشمنوں کی حمایت نہ لو۔

۲۔ تُلۡقُوۡنَ اِلَیۡہِمۡ بِالۡمَوَدَّۃِ: انہیں محبت، ہمدردی کا پیغام بھیجتے ہو کہ تم پر حملہ ہونے والا ہے۔ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس بدری صحابی نے مشرکین سے محبت کی ہے۔ خواہ یہ محبت ان کے مشرک ہونے کی وجہ سے نہ ہو، اگر ایسا ہوتا تو کافر ہو جاتا بلکہ یہ محبت اپنے مفاد کی وجہ سے تھی۔

۳۔ وَ قَدۡ کَفَرُوۡا: یہ محبت تم ان حالات میں کر رہے ہو کہ اولاً وہ اس حق کے منکر ہیں جو تمہارے پاس آیا ہے یعنی دین اسلام اور اس کی تعلیمات کے منکر ہیں۔ ثانیاً ان مشرکین نے رسول خدا ﷺ اور تمہیں اس جرم میں مکہ سے نکالا ہے کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لائے ہو۔

۴۔ اِنۡ کُنۡتُمۡ خَرَجۡتُمۡ جِہَادًا: اگر تم اپنے گھر بار چھوڑ کر راہ خدا میں اور رضائے خدا کے لیے نکلے ہو تو میرے دشمن کی حمایت نہ لو۔ چونکہ یہ خط لکھنے والا مہاجر تھا اس لیے خَرَجۡتُمۡ سے مراد ہجرت ہو سکتی ہے۔

۵۔ تُسِرُّوۡنَ اِلَیۡہِمۡ بِالۡمَوَدَّۃِ: تم ان مشرکین کو خفیہ پیغام محبت بھیجتے ہو جو تمہاری ہجرت کے منافی ہے اور مرضات رب کے بھی خلاف قدم ہے۔

۶۔ وَ اَنَا اَعۡلَمُ بِمَاۤ اَخۡفَیۡتُمۡ: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں تمہاری پوشیدہ اور ظاہری سب باتیں جانتا ہوں۔ تم نے یہ بات کس سے چھپائی؟ صحابی کا اس پر پختہ ایمان ہوتا کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور

---
[1] ۴۰ غافر: ۲۸

اللہ سے کوئی بات چھپائی نہیں جا سکتی تو یہ قدم ہرگز نہ اُٹھاتا۔

۷۔ وَمَنۡ یَّفۡعَلۡہُ مِنۡکُمۡ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیۡلِ: تم مسلمانوں میں سے جس نے بھی یہ قدم اٹھایا وہ راہ راست سے بھٹک گیا۔ اس تصریح سے یہ بات واضح ہو گئی کہ کوئی شخص خواہ وہ صحابی اور بدری ہی کیوں نہ ہوں مسلمان ہوتے ہوئے بھی گمراہ ہو سکتا ہے۔

ابن عباس اس جملے کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں:

انه عدل عن قصد الایمان فی اعتقاده۔	اس شخص نے اپنے عقیدے میں ایمان سے عدول کیا ہے۔

اگر یہ روایت صحیح ہے کہ بدریوں سے افعلوا ما شئتم ''جو چاہو کرو'' کہا گیا ہے تو سرزنش کیوں؟

اس جرم کی سنگینی یہ ہے کہ اس نے حالت جنگ میں دشمن کے حق میں جاسوسی کی۔ اول تو دشمن کے حق میں مطلق جاسوسی بڑا جرم ہے جس کی سزا قتل ہے، پھر یہ جاسوسی حالت جنگ میں ہو تو جرم اور زیادہ سنگین ہو جاتا ہے۔

اِنۡ یَّثۡقَفُوۡکُمۡ یَکُوۡنُوۡا لَکُمۡ اَعۡدَآءً وَّ یَبۡسُطُوۡۤا اِلَیۡکُمۡ اَیۡدِیَہُمۡ وَ اَلۡسِنَتَہُمۡ بِالسُّوۡٓءِ وَ وَدُّوۡا لَوۡ تَکۡفُرُوۡنَ ؕ﴿۲﴾	۲۔ اگر وہ تم پر قابو پا لیں تو وہ تمہارے دشمن ہو جائیں اور برائی کے ساتھ تم پر دست درازی اور زبان درازی کریں اور خواہش کرنے لگیں کہ تم بھی کفر اختیار کرو۔

تشریح کلمات

۱۳۶

یَثۡقَفُوۡ: (ث ق ف) ثقف کسی چیز کے پا لینے یا کسی کام کے کرنے کی مہارت سے کام لینا ہے۔

تفسیر آیات

جن مشرکین کو تم نے محبت کا پیغام بھیجا ہے وہ اگر تم پر قابو پا لیں تو اس پیغام کا لحاظ رکھے بغیر تم مسلمانوں پر دست درازی کریں گے، تمہیں قتل کرنے سے نہیں رکیں گے اور زبانی طعن و شتم سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔

وَ وَدُّوۡا لَوۡ تَکۡفُرُوۡنَ: ان کا اصل مقصد تمہیں تمہارے دین سے پھرا کر دوبارہ کافر بنانا ہے۔ اس وقت تک یہ لوگ تم سے کسی قسم کی نرمی نہیں برتیں گے۔

لَنۡ تَنۡفَعَکُمۡ اَرۡحَامُکُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُکُمۡ ۚۛ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ۚۛ یَفۡصِلُ بَیۡنَکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۳﴾

۳۔ تمہاری قرابتیں اور تمہاری اولاد تمہیں ہرگز کوئی فائدہ نہیں دیں گی، قیامت کے دن اللہ تمہارے درمیان (ان رشتوں کو توڑ کر) جدائی ڈال دے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب دیکھنے والا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اے مشرکین کو پیغام مودت بھیجنے والو! جن رشتہ داروں اور اولاد کو تحفظ دینے کے لیے تم نے یہ حرکت کی ہے کل قیامت کے دن جب تمہیں اس جرم کا جواب دینا پڑے گا اس وقت تمہارے یہ رشتہ دار یہ اولاد جن کے لیے تم نے اس جرم کا ارتکاب کیا کوئی فائدہ نہیں دے سکیں گے۔

اس آیت کی صراحت سے وہ روایت صحیح ثابت نہیں ہوتی کہ اہل بدر کو بخش دیا گیا ہے اور انہیں کھلی اجازت مل گئی ہوئی ہے افعلوا ما شئتم "جو چاہو کرو۔" اس صحابی کے دل نے جو چاہا کیا ہے۔ اس پر قیامت کے دن باز پرس ہوگی اور رشتہ دار اور اولاد اس صحابی کو نہیں بچا سکیں گے۔

۲۔ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ۚۛ یَفۡصِلُ بَیۡنَکُمۡ : قیامت کے دن ہر ایک سے جدا جدا حساب لیا جائے گا:

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوۡرِ فَلَاۤ اَنۡسَابَ بَیۡنَہُمۡ ...[1] پھر جب صور میں پھونک ماری جائے گی تو ان میں اس دن نہ کوئی رشتہ داری رہے گی....

جب صور پھونکا جائے گا تو نسب کارآمد نہیں رہے گا۔ اولاد کی اپنی قسمت کا فیصلہ ہوگا اور تمہاری اپنی قسمت کا۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ اگر اولاد کے جنت جانے کا فیصلہ ہوتا ہے تو وہ تمہیں ساتھ نہیں لے جا سکے گی اگر تم صالح نہ ہوئے۔

قَدۡ کَانَتۡ لَکُمۡ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ فِیۡۤ اِبۡرٰہِیۡمَ وَالَّذِیۡنَ مَعَہٗ ۚ اِذۡ قَالُوۡا لِقَوۡمِہِمۡ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنۡکُمۡ وَمِمَّا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ۫ کَفَرۡنَا بِکُمۡ وَبَدَا بَیۡنَنَا وَبَیۡنَکُمُ

۴۔ تم لوگوں کے لیے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں بہترین نمونہ ہے جب ان سب نے اپنی قوم سے کہا: ہم تم سے اور اللہ کے سوا جنہیں تم پوجتے ہو ان سب سے بیزار ہیں، ہم نے تمہارے نظریات کا انکار کیا اور ہمارے اور تمہارے

---

[1] ۲۳ مومنون: ۱۰۱

الۡعَدَاوَۃُ وَ الۡبَغۡضَآءُ اَبَدًا حَتّٰی تُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَحۡدَہٗۤ اِلَّا قَوۡلَ اِبۡرٰہِیۡمَ لِاَبِیۡہِ لَاَسۡتَغۡفِرَنَّ لَکَ وَ مَاۤ اَمۡلِکُ لَکَ مِنَ اللّٰہِ مِنۡ شَیۡءٍ ؕ رَبَّنَا عَلَیۡکَ تَوَکَّلۡنَا وَ اِلَیۡکَ اَنَبۡنَا وَ اِلَیۡکَ الۡمَصِیۡرُ ④

درمیان ہمیشہ کے لیے بغض و عداوت ظاہر ہو گی جب تک کہ تم اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہ لاؤ، البتہ ابراہیم نے اپنے باپ (چچا) سے کہا تھا: میں آپ کے لیے مغفرت ضرور چاہوں گا اور مجھے آپ کے لیے اللہ سے کوئی اختیار نہیں ہے، (ان کی دعا یہ تھی) ہمارے پروردگار! ہم نے تجھ پر بھروسہ کیا اور ہم تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں اور ہمیں تیری ہی طرف پلٹنا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ قَدۡ کَانَتۡ لَکُمۡ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ فِیۡۤ اِبۡرٰہِیۡمَ: کفار اور مشرکین کے ساتھ اظہار ہمدردی کرنے والوں سے ہی خطاب ہے۔ تمہارے لیے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں ایک بہتر نمونہ عمل موجود تھا کہ ان لوگوں نے اپنے زمانے کے بہت بڑے طاغوت سے ٹکر لی تھی۔

۲۔ وَ الَّذِیۡنَ مَعَہٗ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہمراہ کفار سے برائت کرنے والے حضرت لوط علیہ السلام اور اپنی زوجہ کے علاوہ کوئی نہ تھا تاہم یہ ضروری نہیں شروع میں ساتھی موجود ہوں۔ جو لوگ بعد میں آپ کے ساتھ ہو گئے وہ مراد ہو سکتے ہیں۔

۳۔ اِذۡ قَالُوۡا لِقَوۡمِہِمۡ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنۡکُمۡ: جب ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے مٹھی بھر ساتھی اپنی انتہائی بے بسی کے باوجود مشرکین اور ان کے خداؤں سے برائت کا اعلان کرتے ہیں اور اس میں پیش آنے والے کسی خطرے کو اعتنا میں نہیں لاتے تو تمہیں یہ جواز کہاں سے مل گیا کہ ایک احتمالی خطرے کی بنیاد پر مشرکین کو ہمدردی کا پیغام دے کر مسلمانوں کو بڑے خطرے سے دوچار کرو۔

۴۔ کَفَرۡنَا بِکُمۡ: ہم نے تم سے کفر کیا۔ ابراہیم علیہ السلام کا موقف یہ تھا کہ انہوں نے زمانے کے طاغوت کو قبول کرنے سے انکار کیا:

فَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بِالطَّاغُوۡتِ وَ یُؤۡمِنۡۢ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسۡتَمۡسَکَ بِالۡعُرۡوَۃِ الۡوُثۡقٰی ٭ لَا انۡفِصَامَ لَہَا ...[1]

پس جو طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لے آئے، بتحقیق اس نے نہ ٹوٹنے والا مضبوط سہارا تھام لیا۔

گویا جس نے طاغوت سے ہمدردی کی، اس نے اسلام کا مضبوط سہارا نہیں پکڑا۔

---
[1] ۲ بقرۃ: ۲۵۶

۵۔ وَ بَدَا بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَکُمُ الۡعَدَاوَۃُ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ اٹل فیصلہ اور اعلان تھا کہ ہمارے اور مشرک کے درمیان ابدی دشمنی کی ایک خلیج حائل ہے جو صرف اور صرف ایمان باللہ سے دور کی جا سکتی ہے۔ اس دشمنی کو ختم کرنے کی کوئی اور صورت نہیں ہے۔

۶۔ اِلَّا قَوۡلَ اِبۡرٰہِیۡمَ لِاَبِیۡہِ لَاَسۡتَغۡفِرَنَّ لَکَ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت میں صرف ایک بات میں اسوہ نہیں ہے کیونکہ یہ بات صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مختص تھی۔ وہ یہ کہ انہیں مشرک باپ (چچا) کے لیے طلب مغفرت کی اجازت تھی لیکن یہ طلب مغفرت اس وقت ان کے لیے بھی ممنوع ہو گئی جب یہ واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے اور انہوں نے اس سے بیزاری اختیار کر لی۔ بعض کے بقول اس کے شرک کی حالت میں مرنے سے واضح ہو گیا کہ وہ عدو اللہ تھا۔ یعنی اس کے مرنے کے بعد استغفار ممنوع ہو گئی۔

واضح رہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بعثت کے ابتدائی دنوں میں، جب آپ نمرود کے ساتھ نبرد آزما تھے، اس وقت اپنے چچا کے لیے دعا کی:

وَ اغۡفِرۡ لِاَبِیۡۤ اِنَّہٗ کَانَ مِنَ الضَّآلِّیۡنَ ۞[1]	اور میرے باپ (چچا) کو بخش دے کیونکہ وہ گمراہوں میں سے ہے۔

پوشیدہ نہ رہے کہ لفظ اَبٌ حقیقی چچا، تایا سب کے لیے بولا جاتا ہے اور لفظ والد صرف اپنے حقیقی باپ کے لیے بولا جاتا ہے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑھاپے میں صاحب اولاد ہو گئے اور ملک کنعان میں آباد تھے، اپنی آخر عمر میں اپنے والدین کے لیے دعا فرماتے ہیں:

رَبَّنَا اغۡفِرۡ لِیۡ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡحِسَابُ ۞[2]	اے ہمارے رب! مجھے اور میرے والدین اور ایمان والوں کو بروز حساب مغفرت سے نواز۔

یہاں دو باتیں قابل توجہ ہیں: اول یہ کہ اس جگہ لفظ والدین استعمال ہوا ہے جو کہ حقیقی ماں باپ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ دوم یہ کہ یہ دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے والدین کی وفات کے بعد کی ہے اور وفات کے بعد یقیناً مشرک کے لیے دعا جائز نہیں ہے۔ لہٰذا یقیناً حضرت ابرہیم علیہ السلام کے والدین مومن تھے، مشرک نہ تھے۔

۷۔ وَ مَاۤ اَمۡلِکُ لَکَ مِنَ اللّٰہِ مِنۡ شَیۡءٍ: حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے چچا سے فرماتے ہیں: آپ کے لیے اللہ سے کچھ حاصل کرنا میرے بس میں نہیں ہے۔ میرے بس میں صرف اللہ سے مغفرت طلب کرنا ہے۔

۸۔ رَبَّنَا عَلَیۡکَ تَوَکَّلۡنَا: ابراہیم علیہ السلام کا اسوہ یہ ہے کہ صرف اللہ پر بھروسہ اور توکل کیا جائے اور خطرات کے موقع پر اسی کی طرف رجوع کیا جائے، نہ کہ مشرکین کی پناہ تلاش کی جائے۔

---

[1] ۲۶ شعرا: ۸۶ [2] ۱۴ ابراهیم: ۴۱

رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا فِتۡنَۃً لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ اغۡفِرۡ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۵﴾

۵۔ ہمارے پروردگار! تو ہمیں کفار کی آزمائش میں نہ ڈال اور ہمیں بخش دے ہمارے پروردگار! یقیناً تو ہی بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔

تفسیر آیات

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہو سکتی ہے۔ ابراہیم کا اسوۂ حسنہ یہ ہے کہ اللہ سے دعا کی جائے کہ اے مالک! ہمیں کافروں کے لیے ذریعہ آزمائش نہ بنا۔

ذریعہ آزمائش اس طرح ہوتا ہے: کافر مسلمان پر مسلط ہو جاتے ہیں۔ پھر کافر اسی بات کو دلیل بناتے ہیں کہ اگر مسلمان حق پر ہوتے اور ہم باطل پر تو ہم مسلمانوں پر مسلط نہ ہوتے۔ اس طرح وہ اپنے ظلم وفساد میں اضافہ کرتے ہیں۔

لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡہِمۡ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنۡ کَانَ یَرۡجُوا اللّٰہَ وَ الۡیَوۡمَ الۡاٰخِرَ ؕ وَ مَنۡ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰہَ ہُوَ الۡغَنِیُّ الۡحَمِیۡدُ ﴿۶﴾ ع

۶۔ تحقیق انہی لوگوں میں تمہارے لیے ایک اچھا نمونہ ہے ان کے لیے جو اللہ اور روز آخرت کی امید رکھتے ہیں اور جو کوئی روگردانی کرے تو اللہ یقیناً بے نیاز، قابل ستائش ہے۔

تفسیر آیات

ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کا اسوہ حسنہ اپنانے کے بارے میں یا تو تاکید کے لیے دوبارہ ذکر فرمایا یا بنا بر تفسیر مجمع البیان پہلی بار کفار سے دشمنی کے بارے میں اسوۂ حسنہ کا ذکر ہے اور اس آیت میں دوسری بار حصول ثواب اور عاقبت بخیر ہونے کی غرض سے اسوۂ حسنہ اختیار کرنے کا ذکر ہے۔

عَسَی اللّٰہُ اَنۡ یَّجۡعَلَ بَیۡنَکُمۡ وَ بَیۡنَ الَّذِیۡنَ عَادَیۡتُمۡ مِّنۡہُمۡ مَّوَدَّۃً ؕ وَ اللّٰہُ قَدِیۡرٌ ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۷﴾

۷۔ ممکن ہے کہ اللہ تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان جن سے تم دشمنی کر رہے ہو محبت پیدا کر دے اور اللہ بہت قدرت والا ہے اور اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر آیات

مشرکین سے دشمنی کا حکم اس وقت تک نافذ رہے گا جب تک وہ اسلام کے دائرے میں داخل نہیں ہوتے۔ اس آیت میں ارشاد فرمایا: امید ہے کہ مشرکین جب اسلام قبول کریں گے تو دشمنی دوستی میں بدل جائے۔ یہ اشارہ اور پیشگوئی فتح مکہ کے بعد پوری ہو گئی اور بہت سے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

یہ اس بات کے منافی نہیں ہے کہ چند ایک آدمی کے دل میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے آخری دم تک محبت نہ آئی ہو چونکہ فتح مکہ کے بعد اکثر سچے مسلمان ہو گئے تھے۔

لَا یَنۡہٰىکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یُقَاتِلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَ لَمۡ یُخۡرِجُوۡکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡہُمۡ وَ تُقۡسِطُوۡۤا اِلَیۡہِمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ ﴿۸﴾

۸۔ جن لوگوں نے دین کے بارے میں تم سے جنگ نہیں کی اور نہ ہی تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اللہ تمہیں ان کے ساتھ احسان کرنے اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا، اللہ یقیناً انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

تفسیر آیات

اس آیت میں مسلمانوں کا پرامن کافروں کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیے، اس کا حکم بیان ہوا ہے۔

۱۔ لَا یَنۡہٰىکُمُ: ان سے مراد وہ مشرکین ہیں جن کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ امن ہے۔

۲۔ اَنۡ تَبَرُّوۡہُمۡ وَ تُقۡسِطُوۡۤا: سے مراد ان کے ساتھ عدل و انصاف کے ساتھ معاملہ کرنا ہے۔ جیسے صلہ رحمی، حق ہمسایہ کی رعایت، مہمان نوازی، معاہدوں کی پاسداری، وفائے وعدہ، امانت کی ادائیگی، خرید و فروخت میں خیانت نہ کرنا۔

مسلمانوں کے کافروں کے ساتھ برتاؤ میں درج ذیل اصول سامنے رکھنے چاہئیں:

i۔ صرف عقیدے کی بنیاد پر اسلام کسی شخص کے ساتھ دشمنی کرنے کا حکم نہیں دیتا، نہ ہی کافر کو بھی صرف عقیدے کی بنیاد پر دشمنی کرنے کا حق دیتا ہے اور صرف عقیدے کی بنیاد پر دشمنی کرنا، اسلام جرم سمجھتا ہے۔ ہَلۡ تَنۡقِمُوۡنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنۡ اٰمَنَّا ....[۱]

ii۔ اسلام انسانی پہلو کا احترام کرتا ہے۔ ایک شخص اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ دشمنی اور زیادتی کا

---

[۱] ۵ مائدہ: ۵۹

مجرم نہیں ہے تو وہ کافر ہونے کے باوجود انسان اور مخلوق خدا ہے۔ خود اللہ دنیا میں کافر سے اپنی نعمتیں سلب نہیں فرماتا اور کافر والدین کے لیے قرآن یہ حکم دیتا ہے:

وَ صَاحِبۡهُمَا فِی الدُّنۡیَا مَعۡرُوۡفًا ...[۱] البتہ دنیا میں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھنا۔

مالک اشتر کے نام عہد نامے میں حضرت علی علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ اس انسانی برتاؤ کا حکم اس طرح فرماتے ہیں:

اِمَّا اَخٌ لَكَ فِی الدِّینِ وَ اِمَّا نَظِیرٌ لَكَ فِی الْخَلْقِ.... ایک تو تمہارے دینی بھائی اور دوسرے تمہارے جیسی مخلوق خدا۔

iii۔ اسلام کسی عقیدے کو قبول یا رد کرنے میں جبر کو جائز نہیں سمجھتا۔ اسلام جہاں دین کو قبول کرنے میں جبر و اکراہ کو جائز نہیں سمجھتا وہاں اسے رد کرنے کے لیے بھی جبر کی اجازت نہیں دیتا۔ ہم نے لَاۤ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ ...[۲] کے ذیل میں لکھا ہے کہ اسلام دین فطرت اور عقل و منطق کا دین ہے۔ اس فطری دعوت کے مخاطب فکر و ادراک اور عقل ہے۔ اسلامی دعوت جسم کو نہیں، عقل و ادراک کو جھنجھوڑتی ہے۔ اسلام طاقت کی نہیں بلکہ منطق کی زبان سے بات کرتا ہے۔ اس کا مدعی ایمان ہے اور ایمان امر قلبی ہے۔ دل طاقت کی زبان نہیں سمجھتا۔

iv۔ عدل و انصاف اسلام کے نزدیک ایک انسانی مسئلہ ہے جو ہر فرد کو ملنا چاہیے خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ اسلامی عدالت میں فریقین برابر ہوتے ہیں۔ اگرچہ ایک فریق مسلم دوسرا فریق کافر ہو۔

ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم ان دنوں (۲۰۱۰ء) ایسے کلمہ گو لوگوں سے دوچار ہیں جو صرف اور صرف عقیدے کی بنیاد پر بے جرم پرامن کافروں کو نہیں، کلمہ گو مسلمانوں کو مسجدوں میں حالت نماز میں، بازاروں میں قتل کر رہے ہیں۔ گزشتہ چندین سال سے یہ سلسلہ جاری ہے۔ وہ ان اہم اسلامی اور انسانی قدروں کو پامال کر کے اسے اسلامی جہاد کا نام دیتے ہیں۔ ”برعکس نہند نام زنگی کافور“

اِنَّمَا یَنۡهٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیۡنَ قٰتَلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَ اَخۡرَجُوۡکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ وَ ظٰهَرُوۡا عَلٰۤی اِخۡرَاجِکُمۡ اَنۡ تَوَلَّوۡهُمۡ ۚ وَ مَنۡ یَّتَوَلَّهُمۡ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ	۹۔ اللہ تو یقیناً تمہیں ایسے لوگوں سے دوستی کرنے سے روکتا ہے جنہوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اور تمہاری جلاوطنی پر ایک دوسرے کی مدد کی ہے اور جو ان لوگوں سے دوستی کرے

[۱] ۳۱ لقمان: ۱۵ [۲] ۲ بقرۃ: ۲۵۶

الظّٰلِمُوْنَ ۝ گا پس وہی لوگ ظالم ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ اِنَّمَا یَنۡہٰکُمُ اللّٰہُ: اللہ تم کو ایسے لوگوں سے محبت اور ہمدردی کرنے سے روکتا ہے جو:

i۔تم سے دین کے معاملے میں جنگ کرتے ہیں۔تمہارے مسلمان ہونے کی وجہ سے تم سے جنگ کرتے ہیں۔

ii۔ وَ اَخۡرَجُوۡکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ :اور تمہیں صرف دین کی بنیاد پر اپنے گھروں سے نکالتے ہیں۔

iii۔ وَ ظٰہَرُوۡا عَلٰۤی اِخۡرَاجِکُمۡ: تمہیں بے وطن کرنے والوں کی مدد کرتے ہیں۔

ان لوگوں سے محبت کرنے کی ممانعت ہے اور ان سے محبت کرنے والے ظالم ہیں۔ ان لوگوں نے ظالموں سے ہمدردی کی ہے۔ دوسری جگہ فرمایا ہے:

وَ مَنۡ یَّتَوَلَّہُمۡ مِّنۡکُمۡ فَاِنَّہٗ مِنۡہُمۡ ...[1] اور تم میں سے جو انہیں حامی بناتا ہے وہ یقیناً انہی میں (شمار) ہو گا۔

اہم نکات

۱۔ دشمن کا دوست دشمن ہوتا ہے۔

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا جَآءَکُمُ الۡمُؤۡمِنٰتُ مُہٰجِرٰتٍ فَامۡتَحِنُوۡہُنَّ ؕ اَللّٰہُ اَعۡلَمُ بِاِیۡمَانِہِنَّ ۚ فَاِنۡ عَلِمۡتُمُوۡہُنَّ مُؤۡمِنٰتٍ فَلَا تَرۡجِعُوۡہُنَّ اِلَی الۡکُفَّارِ ؕ لَا ہُنَّ حِلٌّ لَّہُمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحِلُّوۡنَ لَہُنَّ ؕ وَ اٰتُوۡہُمۡ مَّاۤ اَنۡفَقُوۡا ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ اَنۡ تَنۡکِحُوۡہُنَّ اِذَاۤ اٰتَیۡتُمُوۡہُنَّ اُجُوۡرَہُنَّ ؕ وَ لَا

۱۰۔ اے ایمان والو! جب ہجرت کرنے والی مومنہ عورتیں تمہارے پاس آ جائیں تو تم ان کا امتحان کر لیا کرو، اللہ ان کے ایمان کو بہتر جانتا ہے پھر اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ ایماندار ہیں تو انہیں کفار کی طرف واپس نہ بھیجو، نہ وہ ان (کفار) کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ (کفار) ان کے لیے حلال ہیں اور جو کچھ انہوں نے خرچ کیا ہے وہ ان (کافر شوہروں) کو ادا کر دو اور جب تم ان عورتوں کے مہر انہیں ادا کر دو تو ان سے نکاح کر لینے میں تم

---

[1] ۵ مائدہ: ۵۱

تُمۡسِکُوۡا بِعِصَمِ الۡکَوَافِرِ وَ سۡـَٔلُوۡا مَاۤ اَنۡفَقۡتُمۡ وَ لۡیَسۡـَٔلُوۡا مَاۤ اَنۡفَقُوۡا ؕ ذٰلِکُمۡ حُکۡمُ اللّٰہِ ؕ یَحۡکُمُ بَیۡنَکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ﴿۱۰﴾

پر کوئی گناہ نہیں اور کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں روکے نہ رکھو اور جو کچھ تم نے خرچ کیا ہے مانگ لو اور جو کچھ انہوں نے خرچ کیا ہے وہ (کفار) بھی (تم سے) مانگ لیں، یہ اللہ کا حکم ہے، وہ تمہارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اللہ بڑا علم والا، حکمت والا ہے۔

شان نزول: ابن عباس راوی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ میں مشرکین مکہ کے ساتھ مصالحت فرمائی، اس میں یہ بات تھی کہ جو اصحاب رسول میں سے مکہ بھاگ جائے وہ واپس نہیں کریں گے لیکن جب کوئی اہل مکہ کا بندہ رسول ﷺ کی طرف آئے گا اسے واپس کرنا ہو گا۔ صلح نامہ لکھنے اور اس پر مہر لگنے کے بعد سبیعہ بنت حرث اسلمی مسلمان ہو کر رسولؐ کے پاس آ گئیں تو اس کا شوہر اس کے تعاقب میں آ گیا اور کہا: اے محمد! میری بیوی مجھے واپس کرو چونکہ آپ نے معاہدے میں یہ بات مان لی ہے کہ ہمارا بندہ آپ واپس کریں گے اور ابھی عہد نامے کی سیاہی خشک نہیں ہوئی ہے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

تفسیر آیات

۱۔ اِذَا جَآءَکُمُ الۡمُؤۡمِنٰتُ مُہٰجِرٰتٍ: اس آیت کی رو سے مصالحت کا اطلاق مردوں پر ہوتا ہے عورتوں پر نہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے ہی کیا۔ کوئی مرد آتا تو واپس کر دیتے اور عورت آنے کی صورت میں واپس نہ کرتے۔

۲۔ فَامۡتَحِنُوۡہُنَّ: ابن عباس کہتے ہیں امتحان لینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ عورت اس بات پر قسم کھائے کہ وہ اپنے شوہر سے نفرت کرنے یا کسی سرزمین کی رغبت کی وجہ سے نہیں، صرف اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں نکلی ہے۔

یہ حکم چونکہ صرف اسی مورد کے ساتھ مختص ہے لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے جو بھی طریقہ امتحان وضع کیا ہو اس سے ایمان کے اصل محرک کا علم ہو سکتا تھا۔ لہٰذا یہ احتمال درست نہیں ہے کہ اس امتحان سے بھی ہو سکتا ہے واقع کا علم نہ ہو۔

۳۔ اَللّٰہُ اَعۡلَمُ بِاِیۡمَانِہِنَّ: اللہ کے علم کے علاوہ اس زمانے کے مسلمانوں کو بھی علم ہونا مطلوب ہے۔

۴۔ فَاِنۡ عَلِمۡتُمُوۡہُنَّ: اس جملے سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وضع کردہ طریقۂ امتحان سے علم ہو جاتا تھا۔

۵۔ فَلَا تَرۡجِعُوۡہُنَّ اِلَی الۡکُفَّارِ: ان عورتوں کے ایمان کا علم ہونے کے بعد انہیں کفار کی

طرف واپس نہیں کیا جائے گا اور صلح نامے کا اطلاق عورتوں پر نہیں ہوتا چونکہ معاہدے میں لفظ رجل ہے۔

۶۔ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَ لَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ: اب مشرک اور مومن کا جوڑ نہیں ہے۔ نہ مسلم عورتیں مشرک مردوں کے لیے حلال ہیں، نہ مشرک مرد مومن عورتوں کے لیے حلال ہیں۔

۷۔ وَ اٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا: جو مومن عورتیں اپنے مشرک شوہروں سے جدا ہوئی ہیں ان کا مہر مشرک شوہروں کو واپس کر دو۔ یہ حکم مشرکین کے ساتھ مصالحت کی وجہ سے ہے۔ صلح کی صورت میں مشرکین کے بھی جان و مال محفوظ ہو جاتے ہیں۔

۸۔ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ: اب مسلمان مردوں کے لیے جائز ہے ان عورتوں سے عقد کر لیں جو اپنے مشرک شوہروں سے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے جدا ہوئی ہوں بشرطیکہ ان کو مہر ادا کریں۔ یعنی ان کے کافر شوہروں نے جو مہر ادا کیا ہے وہ واپس کریں اور اس کے علاوہ بھی ان عورتوں کو مہر ادا کریں۔

۹۔ وَ لَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ: اور کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں روکے نہ رکھو۔ یعنی مسلمان کے لیے کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے۔ اگر شوہر مسلمان ہو جائے تو مشرک عورت جدا ہو جائے گی۔

اس آیت میں نکاح کو عصمت کہا ہے۔ عصمت تحفظ کو کہتے ہیں اور نکاح عورت کے لیے تحفظ ہے۔

آیت کا اطلاق تمام کافر عورتوں کو شامل کرتا ہے۔ وہ کافر عورت حربی ہو یا ذمی، بت پرست ہو یا کوئی اور قسم کی کافر ہو۔ آیت کا نزول بت پرست عورتوں کے بارے میں ہونے کی وجہ سے آیت کا اطلاق متاثر نہیں ہوتا: العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب۔ لفظ کا عام ہونا معتبر ہے سبب نزول کا خاص ہونا معتبر نہیں ہے۔

۱۰۔ وَسْئَلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ: اگر عورت مشرک یا مرتد ہو جائے تو وہ مسلم شوہر سے جدا ہو جائے گی۔ اس صورت میں اگر وہ دار الکفر چلی جاتی ہے اور وہ اسے واپس نہیں کیا جاتا تو مسلمانوں کو یہ حق حاصل ہے کہ جو مہر مسلم شوہر نے اس عورت کو ادا کیا ہے اس کی واپسی کا مطالبہ کریں۔ جیسا کہ ان مشرکوں کو معاہدے کے تحت یہ حق حاصل ہے جو مہر انہوں نے ادا کیا ہے اس کی واپسی کا تم سے مطالبہ کریں۔

اہم نکات

۱۔ مشرک کافروں کو ان کی ازواج کا مہر ادا کرنا اسلام کے نظام عدل کی اہم علامت ہے۔

۲۔ پرامن کافر کا مال بھی محفوظ ہے۔

وَ اِنۡ فَاتَکُمۡ شَیۡءٌ مِّنۡ اَزۡوَاجِکُمۡ اِلَی الۡکُفَّارِ فَعَاقَبۡتُمۡ فَاٰتُوا الَّذِیۡنَ ذَہَبَتۡ اَزۡوَاجُہُمۡ مِّثۡلَ مَاۤ اَنۡفَقُوۡا ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیۡۤ اَنۡتُمۡ بِہٖ مُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ اور اگر تمہاری کوئی بیوی تم سے نکل کر کفار کی طرف چلی جائے پھر تمہاری (غنیمت لینے کی) باری آ جائے تو جن لوگوں کی بیویاں چلی گئیں ہیں (اس غنیمت میں سے) انہیں اتنا مال ادا کرو جتنا ان لوگوں نے خرچ کیا ہے اور اس اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

تفسیر آیات

آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسلم عورت مرتد ہو کر دارالکفر کی طرف فرار ہو جائے اور اس کا مسلم شوہر کفار سے اس کا مہر واپس نہ لے سکے تو اس کا مہر بیت المال سے ادا کیا جائے گا یا غنیمت سے۔

۱۔ وَ اِنۡ فَاتَکُمۡ شَیۡءٌ: اکثر مفسرین نے شَیۡءٌ کو بمعنی اَحَدٌ لیا ہے اور بعض نے شَیۡءٌ کسی چیز کے معنوں میں لیا ہے اور "کسی چیز" سے مراد مہر ہو سکتا ہے۔

۲۔ فَعَاقَبۡتُمۡ: کے ایک معنی یہ کیے ہیں: جنگ کے انجام کو پہنچو یعنی غنیمت حاصل کریں۔ فَعَاقَبۡتُمۡ جب تمہاری نوبت آ جائے سے بھی معنی کیے ہیں۔

۳۔ فَاٰتُوا الَّذِیۡنَ ذَہَبَتۡ اَزۡوَاجُہُمۡ: جن کی بیویاں مرتد ہو کر چلی گئی ہیں ان کے شوہروں کو مشرکین سے مہر واپس نہیں ملتا ہے تو تم ان شوہروں کو مہاجرہ عورتوں کے برابر مہر دے دو۔ اگر مرتد عورت کا مہر زیادہ تھا تو وہ بیت المال یا غنیمت سے ادا کیا جائے۔ مِّثۡلَ مَاۤ اَنۡفَقُوۡا یعنی جتنا مہر تم نے اس مرتد کو دیا تھا۔

اہم نکات

۱۔ مسلم معاشرے میں فرد کا مالی خسارہ حکومت پر ہے۔

یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَکَ الۡمُؤۡمِنٰتُ یُبَایِعۡنَکَ عَلٰۤی اَنۡ لَّا یُشۡرِکۡنَ بِاللّٰہِ شَیۡئًا وَّ لَا یَسۡرِقۡنَ وَ لَا یَزۡنِیۡنَ وَ لَا یَقۡتُلۡنَ اَوۡلَادَہُنَّ وَ لَا یَاۡتِیۡنَ بِبُہۡتَانٍ یَّفۡتَرِیۡنَہٗ بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِنَّ

۱۲۔ اے نبی! جب مومنہ عورتیں اس بات پر آپ سے بیعت کرنے آپ کے پاس آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کا ارتکاب کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھ پاؤں کے

وَاَرۡجُلِهِنَّ وَلَا يَعۡصِيۡنَكَ فِىۡ مَعۡرُوۡفٍ فَبَايِعۡهُنَّ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُنَّ اللّٰهَ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ⑫

آگے کوئی بہتان (غیر قانونی اولاد) گھڑ کر (شوہر کے ذمے ڈالنے) لائیں گی اور نیک کاموں میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی تو ان سے بیعت لے لیں اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کریں، اللہ یقیناً بخشنے والا، مہربان ہے۔

تفسیر آیات

مفسرین لکھتے ہیں: یہ آیت فتح مکہ کے موقع پر نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ مردوں سے بیعت لینے سے فارغ ہوئے۔ جب آپ صفا پر تشریف فرما تھے اس وقت مکہ کی عورتیں آپ سے بیعت کے لیے آئیں۔ ان میں ابوسفیان کی زوجہ ہند بھی تھی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے درج ذیل شرائط پر عورتوں سے بیعت لی:

i۔ یہ کہ آئندہ کسی قسم کے شرک کا ارتکاب نہ کریں۔

ii۔ چوری نہ کریں۔ اس میں سرفہرست اپنے شوہروں کا مال ہے جو عورتیں ان کی اجازت کے بغیر خرچ کیا کرتی ہیں۔ چنانچہ اس بیعت کے وقت ابوسفیان کی زوجہ ہندہ کا سوال اور رسول اللہ ﷺ کا جواب شاہد ہے۔ ہندہ پوچھتی ہے: یا رسول اللہ ابوسفیان بخیل آدمی ہے۔ میں نے اس کے مال سے کچھ اس کی مرضی کے بغیر خرچ کیا ہے۔ کیا یہ مجھ پر حلال ہے؟ آپ نے فرمایا۔ صرف معروف اور معمول کی حد تک حلال ہے۔

iii۔ وَلَا يَزۡنِيۡنَ: زنا کا ارتکاب نہ کریں چونکہ جاہلیت میں یہ برائی عام تھی۔

iv۔ وَلَا يَقۡتُلۡنَ اَوۡلَادَهُنَّ: اولاد کو قتل نہ کریں۔ زندہ درگور یا اسقاط حمل کی صورت میں۔

v۔ وَلَا يَاۡتِيۡنَ بِبُهۡتَانٍ: بہتان کی صورت یہ ہے کہ ناجائز اولاد اپنے شوہروں کی اولاد قرار دیں۔ بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِنَّ وَاَرۡجُلِهِنَّ سے مراد یہی ہے کہ ایسی اولاد اپنے شوہروں کے سر تھوپ دینا جو ان کی نہیں ہے۔

vi۔ وَلَا يَعۡصِيۡنَكَ فِىۡ مَعۡرُوۡفٍ: نیک کاموں میں آپ ﷺ کی نافرمانی نہ کریں۔ معروف کی قید احترازی نہیں چونکہ معروف وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمائیں۔ معروف کا مصدر سنت رسول ہے۔ سنت رسول سے ہٹ کر معروف و منکر میں تمیز کرنے کا ان عورتوں کے پاس کیا میزان تھا کہ وہ دیکھ لیں رسول کا حکم معروف ہے یا نہیں۔ پھر کہا جائے لا طاعة

فی معصیة اللّٰہ۔ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں تو یہ طے ہے: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۔[1] اور رسول کے جانشین اولی الامر کے بارے میں بھی طے ہے کہ وہ رسول کا حکم سناتے ہیں۔ رسول اور اولی الامر کی اطاعت مطلق ان کی عصمت کے حوالے سے ہے کہ وہ از خود کوئی حکم نہیں دیتے بلکہ رسول اللہ ﷺ کا حکم بیان کرتے ہیں اور امام رسول ﷺ کا حکم بیان کرنے میں نہ غلطی کرتے ہیں نہ کوتاہی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾ ع

۱۳۔ اے ایمان والو! اس قوم سے دوستی نہ رکھو جس پر اللہ غضبناک ہوا ہے جو آخرت سے اس طرح مایوس ہیں جیسے کفار اہل قبور سے ناامید ہیں۔

تفسیر آیات

روایت ہے کہ یہ آیت بعض غربت زدہ مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو یہودیوں سے کچھ مفاد لینے کے لیے ان کے رابطے میں رہتے تھے۔

يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ: ان لوگوں سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ کا غضب ہوا ہے اور انہیں خود علم ہے کہ ان کی آخرت میں نجات نہیں ہے۔ لہٰذا وہ آخرت سے اس طرح مایوس ہیں جس طرح معاد کے منکر مشرکین قبروں میں جانے والوں کے بارے میں مایوس ہیں کہ وہ پھر زندہ کر کے نہیں اٹھائے جائیں گے۔

[1] ۵۳ نجم: ۳

سُورَةُ الصَّفِّ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

آیت نمبر۴ میں يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا سے سورۃ کا نام الصف ماخوذ ہے۔

یہ سورۃ مدینہ میں نازل ہوئی۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے لیکن یہ بات قطعاً قابل قبول نہیں ہے۔

اس سورۃ میں وعدہ خلافی کو سخت ناپسندیدہ قرار دیا ہے کہ جنگ میں جانے کی باتیں چرب زبانی سے کرتے ہیں پھر جنگ میں جاتے نہیں۔ اس سے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت ہوتی ہے۔

پھر اسی مناسبت سے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہا السلام کو اذیت دینے والوں کا ذکر فرمایا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	بنام خدائے رحمٰن رحیم
سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①	۱۔ جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور وہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔

تفسیر آیات

اس کائنات کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے خلق فرمایا تو ان تمام مخلوقات میں اپنے خالق کے بارے میں ایک شعور موجود ہونا قرین واقع ہے۔ لہٰذا کائنات کی ہر شے اپنے رب کی تسبیح کرتی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ②	۲۔ اے ایمان والو! تم وہ بات کہتے کیوں ہو جو کرتے نہیں ہو؟

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ③	۳۔اللہ کے نزدیک یہ بات سخت ناپسندیدہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو کرتے نہیں ہو۔
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ④	۴۔ اللہ یقیناً ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ ہوکر اس طرح لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

تشریح کلمات

مَقْتًا: (م ق ت) المقت کے معنی کسی شخص کو فعل قبیح کا ارتکاب کرتے دیکھ کر اس سے بہت بغض رکھنے کے ہیں۔

مَّرْصُوْصٌ: (ر ص ص) چیزوں کے ایک دوسرے کے ساتھ مضبوطی سے جڑنے کو کہتے ہیں۔ سیسہ کو اسی وجہ سے رصاص کہا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ: اول تو نہایت قبیح ہے کہ انسان کا کردار کچھ اور گفتار کچھ اور ہو۔ گفتار و کردار میں تضاد شخصیت میں خلا کی علامت ہے اور نفاق کی ایک صورت مگر ان تین آیات کو جب ہم سامنے رکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے اصل شان نزول جہاد کے بارے میں ہے۔ ان لوگوں کی مذمت کرنا مقصود ہے جن کی شخصیت میں خلا اور ایمان میں کمزوری ہے اور راہ خدا میں جان نثاری کے بارے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں۔ جہاد کا وقت آتا ہے تو بھاگ جاتے ہیں۔

۲۔ كَبُرَ مَقْتًا: چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ان بھاگنے والوں کو بہت بڑا مبغوض كَبُرَ مَقْتًا کہا ہے اور ان لوگوں کے مقابلے میں راہ خدا میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح لڑنے والوں کو اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فرما کر اپنا محبوب قرار دیا۔

ایسے بزدل، ضعیف الایمان لوگوں کے بارے میں سورہ نساء آیت ۷۷ میں ذکر آیا ہے نیز سورہ محمد آیت ۲۰ میں ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا:

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ	اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ کہتے ہیں: کوئی (نئی) سورت نازل کیوں نہیں ہوئی؟ (جس میں جہاد کا ذکر ہو) اور جب محکم بیان والی سورت نازل ہو اور اس میں قتال کا ذکر آ جائے تو آپ دیکھتے ہیں کہ

مَّرَضٌ يَّنۡظُرُوۡنَ اِلَيۡكَ نَظَرَ الۡمَغۡشِىِّ عَلَيۡهِ مِنَ الۡمَوۡتِ ؕ فَاَوۡلٰى لَهُمۡ ۞

جن کے دلوں میں بیماری ہے وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں جیسے موت کی بے ہوشی طاری ہو گئی ہو، پس ان کے لیے تباہی ہو۔

مؤلف تفہیم القرآن اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

مفسرین نے اس آیات کی شان نزول میں ان کمزوریوں کی مختلف صورتیں بیان کی ہیں جن پر یہاں گرفت کی گئی ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں: جہاد فرض ہونے سے پہلے مسلمانوں میں کچھ لوگ تھے جو کہتے تھے: کاش ہمیں وہ عمل معلوم ہو جائے جو اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے تو ہم وہی کریں گے۔ جب بتایا گیا کہ وہ عمل ہے جہاد تو ان پر اپنی اس بات کو پورا کرنا بہت شاق ہو گیا۔ مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ احد کی جنگ میں ان لوگوں کو آزمائش سے سابقہ پیش آیا اور حضور کو چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ ابن زید کہتے ہیں کہ بہت سے لوگ نبی ﷺ کو یقین دلاتے تھے کہ آپ کو دشمنوں کے مقابلے کے لیے نکلنا پڑا تو ہم آپ کے ساتھ نکلیں گے۔ مگر جب وقت آیا تو ان کے وعدے جھوٹے نکلے۔ قتادہ اور ضحاک کہتے ہیں: بعض لوگ جنگ میں شریک ہوتے بھی تھے تو کوئی کارنامہ انجام نہ دیتے تھے مگر آ کر یہ ڈینگیں مارتے تھے کہ ہم یوں لڑے اور ہم نے یوں مارا ایسے ہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ملامت کی ہے۔

۳۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيۡنَ يُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمۡ بُنۡيَانٌ مَّرۡصُوۡصٌ: جہاد سے کترانے والوں کے قول و فعل میں تضاد کو مبغوض قرار دینے کے بعد ان مجاہدوں کا ذکر آیا جن سے اللہ محبت کرتا ہے کیونکہ وہ راہ خدا میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ناقابل شکست ہو کر لڑتے ہیں۔ شیعہ مصادر کے علاوہ بعض سنی مصادر میں آیا ہے کہ اس آیت کا مصداق حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ذات گرامی صفات ہے۔

شواهد التنزیل ۲: ۳۲۷ میں ضحاك، ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے پوچھا گیا کہ كَاَنَّهُمۡ بُنۡيَانٌ مَّرۡصُوۡصٌ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا: حمزہ جو اللہ اور اس کے رسول کے شیر ہیں اور علی ابن ابی طالب، عبیدة بن الحارث اور مقداد بن الاسود۔

اس کتاب میں دوسری روایت میں کہا ہے: یہ آیت نازل ہوئی علی، حمزه، عبیده، سهل ابن حنیف، حارث بن صمه اور ابی دجانه کے بارے میں۔

اہم نکات

۱۔ اس آیت میں گفتار کے غازی اور میدان کے غازی کی نشاندہی فرمائی ہے۔

۲۔ میدان جنگ میں محبوب خدا اور مبغوض خدا کی شناخت ہوتی ہے۔

وَ اِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِہٖ یٰقَوۡمِ لِمَ تُؤۡذُوۡنَنِیۡ وَ قَدۡ تَّعۡلَمُوۡنَ اَنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ ؕ فَلَمَّا زَاغُوۡۤا اَزَاغَ اللّٰہُ قُلُوۡبَہُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿۵﴾

۵۔اور (وہ وقت یاد کیجیے) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! تم مجھے کیوں اذیت دیتے ہو؟ حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، پس جب وہ ٹیڑھے رہے تو اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا اور اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

تفسیر آیات

۱۔ یٰقَوۡمِ لِمَ تُؤۡذُوۡنَنِیۡ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی امت میں ضعیف الایمان مبغوض لوگوں کا موجود ہونا کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی اپنی قوم بنی اسرائیل سے شکایت رہی ہے کہ وہ موسیٰ کو رسول ماننے کے باوجود انہیں اذیت دیتے، جہاد کے باب میں وہی کمزوری دکھاتے اور کہتے تھے:

فَاذۡہَبۡ اَنۡتَ وَ رَبُّکَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا ہٰہُنَا قٰعِدُوۡنَ ﴿﴾ [۱] — آپ اور آپ کا پروردگار جا کر جنگ کریں ہم یہیں بیٹھے رہیں گے۔

۲۔ فَلَمَّا زَاغُوۡۤا: قوم موسیٰ میں جب کجی آ گئی تو اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں سیدھا نہیں کیا چونکہ وہ اس کے اہل نہیں رہے۔ انہیں ٹیڑھا ہی رہنے دیا چونکہ ہدایت کی اہلیت کے دائرے سے نکل جانے کے بعد جبری ہدایت نہیں دی جاتی۔

وَ اِذۡ قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوۡرٰىۃِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ یَّاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِی اسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ قَالُوۡا ہٰذَا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۶﴾

۶۔اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا: اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں اور اپنے سے پہلے کی (کتاب) توریت کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اپنے بعد آنے والے رسول کی بشارت دینے والا ہوں جن کا نام احمد ہوگا، پس جب وہ ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے تو کہنے لگے: یہ تو کھلا جادو ہے۔

---

[۱] ۵ مائدہ: ۲۴

تفسیر آیات

۱۔ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوۡرٰىةِ: انبیاء علیہم السلام کی ایک اہم ذمہ داری یہ ہے کہ اپنے پیشرو نبی اور سابقہ کتب آسمانی کی تصدیق کریں۔

۲۔ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ يَّاۡتِيۡ مِنۡۢ بَعۡدِي اسۡمُهٗۤ اَحۡمَدُ: آنے والے رسول کی بشارت دینا ہر نبی کا فریضہ ہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے بعد آنے والے رسول کی آمد کی بشارت دی۔

اَحۡمَدُ: اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے گرامی میں سے ایک نام احمد ہے۔

چنانچہ حضرت ابوطالب اور حسان کے اشعار سے ثابت ہے۔

حضرت ابوطالب کا شعر ہے:

أ تأمرنی بالصبر فی نصر احمد فو اللّٰہ ما قلت الذی قلت جازعاً

و سعیی لوجہ اللّٰہ فی نصر احمد نبی الھدی المحمود طفلا و یافعا[۱]

کیا تو مجھے احمد کی نصرت پر صبر کرنے کا حکم دیتا ہے۔ قسم بخدا جو کچھ میں نے کہا ہے وہ کسی خوف کی وجہ نہیں کہا۔ میں برائے رضائے خدا اس احمد کی نصرت میں سعی کروں گا جو نبی ھدیٰ ہے اور ہر حال میں قابل ستائش، طفل ہو یا جوان۔

حسان نے کہا:

صلی الا لہ ومن یحف بعرشہ والطیبون علی المبارك احمد

اللہ تعالیٰ نے، عرش کے گرد موجود فرشتوں نے اور پاکیزہ لوگوں نے احمد کی ذات بابرکت پر درود بھیجا ہے۔

اس کے علاوہ بہت سی روایات اور واقعات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام احمد مذکور ہے۔

اناجیل کی پیشگوئی میں حضرت مسیح علیہ السلام اپنی زبان سریانی میں حضورؐ کے نام کا ذکر کیا ہے جس کا بعد میں یونانی زبان میں ترجمہ فارقلیط کیا گیا ہے جس کے معنی کا تعین نہیں ہو سکا۔ کبھی اس کا ترجمہ "تسلی دہندہ" سے کرتے ہیں، کبھی "مددگار" سے کبھی "شفاعت کنندہ" سے اور کبھی "وکیل" سے کرتے ہیں۔ جبکہ اہل تحقیق کے مطابق فارقلیط (paracletus) کا ترجمہ محمود، احمد یا محمد یعنی قابل ستائش ہے۔

صاحب تفہیم القرآن لکھتے ہیں کہ انہیں سیرت ابن ہشام میں محمد بن اسحاق کے حوالہ سے یہ لفظ مل گیا۔ یہ لفظ سریانی میں مُنۡحَمَنَّا ہے جو محمد کے ہم معنی ہے۔ محمد بن اسحاق متوفی ۷۶۸ھ کے زمانے میں فلسطینی عیسائی سریانی زبان بولتے تھے۔

---

[۱] بحار ۳۵: ۹۳۔ الغدیر ۷: ۳۵۸

اس موضوع پر تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سورہ اعراف آیت ۱۵۷۔

مسیحی نومسلم محمد صادق فخر الاسلام نے اپنی کتاب انیس الاسلام میں ''میں کیوں مسلمان ہوا'' کے عنوان کے ذیل میں لکھا ہے:

> میرے مسیحی استاد نے اس شرط پر کہ میں ان کا نام کسی کو نہ بتاؤں دو کتابیں مجھے دکھائیں جو رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل لکھی ہوئی تھیں۔ ان دونوں کتابوں میں فارقلیط کا ترجمہ احمد اور محمد سے کیا ہوا تھا۔ (قاموس قرآن)

وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ وَ ہُوَ یُدۡعٰۤی اِلَی الۡاِسۡلَامِ ؕ وَ اللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ۞

۷۔ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے جب کہ اسے اسلام کی دعوت دی جا رہی ہو؟ اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

تفسیر آیات

۱۔ اس شخص سے بڑھ کر کوئی ظالم نہ ہوگا جسے اسلام کی دعوت دی گئی ہو پھر اس دعوت کو قبول کرنے کی جگہ دعوت دینے والے رسول کی تکذیب کر کے اللہ پر افترا باندھتا ہے۔

۲۔ وَ اللّٰہُ لَا یَہۡدِی: اللہ ایسے ظالموں کو اپنی گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے ان پر جبراً ہدایت مسلط نہیں کرتا۔

یُرِیۡدُوۡنَ لِیُطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰہِ بِاَفۡوَاہِہِمۡ وَ اللّٰہُ مُتِمُّ نُوۡرِہٖ وَ لَوۡ کَرِہَ الۡکٰفِرُوۡنَ ۞

۸۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ (کی پھونکوں) سے اللہ کے نور کو بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا خواہ کفار برا مانیں۔

تفسیر آیات

۱۔ یُرِیۡدُوۡنَ: اسلام دشمن عناصر اسلامی تعلیمات پر مشتمل اس روشن دستور حیات کی روشنی کو بجھانے کی کوشش کریں گے۔ اس جملے میں اسلام کے خلاف ہونے والی سازشوں کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ اسلام کی روشنی کی پہلی کرن پھوٹتے ہی یہ سازشیں شروع ہو جاتی ہیں اور آج تک پوری طاقت کے ساتھ ہر سو، ہر طرف سے جاری ہیں۔ چنانچہ کوئی موضوع، کوئی صورت نہیں چھوڑی جس کے ذریعے اسلام کے خلاف سازش نہ کی گئی ہو۔ اپنی حربی و عسکری طاقت، مالی و اقتصادی قوت، اپنے حیلوں اور مکاریوں،

جاسوسی، ففتھ کالم اور اپنے ذرائع ابلاغ کے ذریعے، اپنے ننگ و عار سے پُر کلچر، شرمناک، اخلاق سوز حرکات، اپنے تمام اخلاقی اور انسانی قدروں کی پامالی کے ذریعے۔

۲۔ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوۡرِہٖ: چنانچہ یہ نور اپنے بھرپور وجود کی وجہ سے اپنی چمک اور شعاعوں کی وسعت و قوت کی طرف رواں دواں ہے اور اپنی حقیر اور ناچیز پھونکوں سے بجھانے کی کوشش کرنے والوں کے منہ ہی باقی نہ رہے کہ وہ اس نور کو بجھانے کے لیے پھونک ماریں۔

نہایت قابل غور ہے کہ ہمارے معاصر کافروں نے اپنے منہ کو اسلام کے اس چراغ کو بجھانے کے لیے بہت بڑا بنایا تھا لیکن ان کافروں کے اپنے ملکوں میں اسلام ایک طاقت بن کر ابھر رہا ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ ہمارے معاصر کافر اسلام کے خلاف مادی طاقت استعمال کر رہے ہیں اور اسلام اپنی روحانی طاقت سے آگے بڑھ رہا ہے۔ اس لیے ان کافروں کے مادی تیر اسلام کے روحانی نشانے پر نہیں لگتے۔ اس لیے اسلام اس محاذ پر آگے بڑھ رہا ہے جس کے سامنے کوئی مخالف طاقت نہیں ہے یعنی روحانی محاذ اور کافر ایسے محاذ سے اسلام کے خلاف جنگ کر رہا ہے جس سے اسلام متاثر نہیں ہوتا۔

۳۔ وَلَوۡ کَرِہَ الۡکٰفِرُوۡنَ: چنانچہ فتح اسلام، خصوصاً فتح مکہ کے موقع پر کافروں پر گراں گزرنا تو تاریخی بات ہے۔ اسلام کا ہر شعار مثلاً مسلم خواتین کا حجاب دیکھ کر ہمارے معاصر کافروں کے دلوں پر خنجر چلتا ہے: قُلۡ مُوۡتُوۡا بِغَیۡظِکُمۡ ....[1]

اہم نکات

۱۔ کفار کی پھونکوں سے چراغ اسلام کی روشنی بجائے بجھنے کے مزید پھیل رہی ہے۔

هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡہُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ وَ لَوۡ کَرِہَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ ۹

۹۔ وہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے خواہ مشرکین کو ناگوار گزرے۔

اس آیت کی تشریح کے لیے ملاحظہ فرمائیں: سورہ توبۃ آیت ۳۳

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ہَلۡ اَدُلُّکُمۡ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنۡجِیۡکُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ اَلِیۡمٍ ۱۰

۱۰۔ اے ایمان والو! کیا میں ایسی تجارت کی طرف تمہاری رہنمائی کروں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچائے؟

---

[1] ۳ آل عمران: ۱۱۹

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾	۱۱۔ (وہ یہ کہ) تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور اپنی جانوں اور اپنے اموال سے راہ خدا میں جہاد کرو، اگر تم جان لو تو تمہارے لیے یہی بہتر ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ: اس تجارت میں جو سرمایہ لگایا جاتا ہے وہ ایک ناپائیدار وقتی زندگی اور مال ہے جس نے ہر صورت میں ختم ہونا ہے۔ اس تجارت سے جو منافع حاصل ہوگا وہ دائمی عذاب سے نجات اور ابدی نعمتوں والی جنت میں داخل ہونا ہے۔

۲۔ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ: اس سرمائے کا ذکر ہے جو اس منافع بخش تجارت پر لگانا ہے۔ اس کے لیے دو قسم کا سرمایہ درکار ہے۔ ایک ایمان، دوسرا جہاد۔ اس تجارت میں بنیادی سرمایہ ایمان ہے۔ ایمان سے انسان اور انسان کے عمل کو قیمت ملتی ہے اور اسے تجارت میں لگانے کے قابل ہو جاتا ہے۔ جہاد سے اس ایمان کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ ایمان کے آثار بہت ہیں لیکن جانی و مالی جہاد سے بیشتر اور بہتر ثبوت نہیں ہے۔

تجارت میں بائع اور مشتری ہوتے ہیں۔ بائع بندہ ہے جو اپنی جان اور مال کا حقیقی مالک نہیں ہے اور مشتری اللہ ہے جو اس مال و جان کا حقیقی مالک ہے۔ یہ مال و جان بائع کے پاس امانت تھی۔ امانت واپس کرنے کا مشتری صلہ دیتا ہے اور صلہ بھی اس بائع کو دیتا ہے جو خود اپنا ساختہ (مخلوق) ہے۔

یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ یُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ مَسٰكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۲﴾	۱۲۔ اللہ تمہارے گناہ معاف فرمائے گا اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور ابدی جنتوں میں پاکیزہ مکانات ہوں گے، یہی بڑی کامیابی ہے۔

۱۵۸

تفسیر آیات

۱۔ اس تجارت کے منافع کا ذکر ہے۔ پہلا نفع یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ گناہوں کی مغفرت ہے۔ اللہ کی آگاہانہ بندگی کرنے والے جانتے ہیں کہ بندے کے گناہان کس قدر زیادہ ہوتے ہیں۔ بے شعوری اور غفلت میں سرزد ہونے والے گناہوں کا تو عام انسان کو اندازہ نہیں ہوتا۔ کل قیامت کے دن اپنا نامہ اعمال

سامنے آئے گا تو اس وقت پتہ چلے گا کہ مجاہد پر اللہ کا کس قدر عظیم احسان ہوا تھا کہ اس کے سارے گناہ بخش دیے گئے تھے۔

۲۔ دوسرا نفع جنت میں داخل ہونا ہے۔ جنت میں داخل ہونے کے بعد جب اہل جہنم کے عذاب کا مشاہدہ کیا جائے گا تو اس وقت قدر ہوگی کہ جہاد کا یہ نفع کس قدر عظیم نفع تھا۔

۳۔ وَمَسٰکِنَ طَیِّبَۃً فِیۡ جَنّٰتِ عَدۡنٍ: جنت عدن میں پاکیزہ رہائش، ممکن ہے مجاہدین اور شہداء کے لیے اضافی نعمت ہو۔

وَ اُخۡرٰی تُحِبُّوۡنَہَا ؕ نَصۡرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ فَتۡحٌ قَرِیۡبٌ ؕ وَ بَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ اور وہ دوسری (بھی) جسے تم پسند کرتے ہو (عنایت کرے گا اور وہ ہے) اللہ کی طرف سے مدد اور جلد حاصل ہونے والی فتح اور مومنین کو (اس کی) بشارت دے دیجیے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَاُخۡرٰی تُحِبُّوۡنَہَا: نعمۃ اخری یا تجارۃ اخری ہے۔ بہرحال جہاد کا ایک اور اہم ثمر بھی ہے جسے تم پسند بھی کرتے ہو۔ وہ دنیا میں حاصل ہونے والی فتح ہے۔ چنانچہ جہاد ہی سے قوموں کو سربلندی اور فتح و نصرت حاصل ہوئی ہے اور جہاد نہ کرنے والی قومیں غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوتی ہیں۔

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُوۡنُوۡۤا اَنۡصَارَ اللّٰہِ کَمَا قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ لِلۡحَوَارِیّٖنَ مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ ؕ قَالَ الۡحَوَارِیُّوۡنَ نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰہِ فَاٰمَنَتۡ طَّآئِفَۃٌ مِّنۡۢ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ وَ کَفَرَتۡ طَّآئِفَۃٌ ۚ فَاَیَّدۡنَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا عَلٰی عَدُوِّہِمۡ فَاَصۡبَحُوۡا ظٰہِرِیۡنَ ﴿۱۴﴾ ع

۱۴۔ اے ایمان والو! اللہ کے مددگار بن جاؤ جس طرح عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا: کون ہے جو راہ خدا میں میرا مددگار بنے؟ حواریوں نے کہا: ہم اللہ کے مددگار ہیں، پس بنی اسرائیل کی ایک جماعت تو ایمان لائی اور ایک جماعت نے انکار کیا لہٰذا ہم نے ایمان لانے والوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد کی اور وہ غالب ہو گئے۔

تشریح کلمات

حوار: (ح و ر) سفید کو کہتے ہیں اور خالص چیز کو بھی حواری کہتے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ کُوۡنُوۡۤا اَنۡصَارَ اللّٰہِ: بظاہر انصار اللہ کا مقام حاصل کرنا مجاہد کے مقام سے بھی بالاتر مقام ہے۔ چنانچہ یہ نصرت صرف میدان جنگ میں منحصر نہیں ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کے ہر قدم میں انصار بن جائیں۔ اسی وجہ سے علماء کے قلم کی سیاہی شہداء کے خون سے افضل قرار پائی ہے۔

۲۔ کَمَا قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ لِلۡحَوَارِیّٖنَ: جیسا کہ عیسیٰ بن مریم نے اپنے حوارین سے کہا تھا۔ حواری ان بارہ ہستیوں کو کہتے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خاص حامی و ناصر اور دعوت الی الحق کے ساتھی تھے۔ چنانچہ بعض روایات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان حواریین کو مختلف علاقوں میں تبلیغ و ہدایت کے لیے بھیجتے تھے۔

۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواریین کی دعوت پر کچھ لوگ ایمان لے آئے اور کچھ لوگوں نے کفر اختیار کیا۔ اللہ کی تائید مومنین کے شامل حال رہی اور وہی فاتح رہے۔

امت اسلام میں بھی مومنین کو کفر کا مقابلہ کرنا ہوگا اور آخر میں فتح مسلمانوں کی ہوگی۔

سُورَةُ الجُمُعَةِ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نماز جمعہ کی طرف لپکنے کے حکم کی آیت سے اس سورہ کا نام ماخوذ ہے۔
بعض کے مطابق یہ سورۃ سنہ ۷ ہجری میں نازل ہوئی۔
مضمون: یہ سورۃ درج ذیل مضامین پر مشتمل ہے:
i۔ اس امت کی طرف ایک رسول مبعوث کرنے اور اس رسول کے تبلیغی و تربیتی عناوین کا ذکر ہے۔ وہ ہیں تلاوت قرآن، پھر تزکیہ، تعلیم۔
ii۔ یہودیوں کے اللہ کے چہیتے ہونے کے دعویٰ کے بطلان کا ذکر ہے۔
iii۔ نماز جمعہ کا ذکر ہے جو اسلام کا سیاسی عبادی عمل ہے جس میں دو رکعت کی جگہ دو خطبے ہیں۔ دو رکعت میں قبلہ رخ ہونے کی جگہ دو خطبوں میں لوگوں کی طرف رخ کرنے کا حکم ہوا۔ یعنی اسلامی نظام حیات میں جمعہ معاشرہ سازی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

اس اہمیت کے پیش نظر ہجرت سے پہلے مدینہ میں نماز جمعہ قائم ہوئی تھی۔ چنانچہ بعض روایات کے مطابق سب سے پہلا جمعہ سعد بن زرارہ نے پڑھا اور چالیس افراد نے شرکت کی۔
اس سورۃ مبارکہ میں "تمام اصحاب عادل ہیں" کا موقف اختیار کرنے والوں کے لیے ایک واضح تنبیہ ہے کہ وہ مدینہ جہاں ہجرت سے پہلے چالیس افراد پہلی نماز جمعہ میں شریک تھے، ہجرت کے چند سالوں بعد جمعہ نماز میں کافی تعداد میں لوگ شریک ہوں گے۔ ان میں سے صرف بارہ عادل اصحاب نماز میں شامل رہے، باقی سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھڑے چھوڑ کر شام سے آنے والے قافلے سے خرید و فروخت اور

لہویات کے لیے مسجد نبوی سے نکل گئے اور قرآن نے سیاسی عبادی نماز میں پڑھی جانے والی اپنی نماز میں اس کے ذکر کو دوام بخشا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ الۡمَلِکِ الۡقُدُّوۡسِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ①

۱۔ جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اس اللہ کی تسبیح کرتے ہیں جو بادشاہ نہایت پاکیزہ، بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ تسبیح ایک کائناتی عمل ہے اس سے مستثنیٰ ہے تو صرف خود مختار انسان ہے جو سرکش واقع ہوا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں سورہ بنی اسرائیل آیت ۴۴

۲۔ الۡمَلِکِ: وہ ہر عیب و نقص سے پاک ہونے کے ساتھ بادشاہ ہے۔ ہر شے پر تصرف کرنے پر قادر ہے۔

۳۔ الۡقُدُّوۡسِ: ایسی ذات جو ہر قسم کے نقص سے پاک، لائق تعظیم ہے۔

۴۔ الۡعَزِیۡزِ: بالادست ذات ہے۔ کسی کام سے عاجز نہیں ہے۔

۵۔ الۡحَکِیۡمِ: اس کا کوئی کام حکمت مصلحت سے خالی نہیں ہے۔

هُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَکِّیۡهِمۡ وَ یُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ

۲۔ وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاکیزہ کرتا ہے اور انہیں

وَ الۡحِکۡمَۃَ ٭ وَ اِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ۙ﴿۲﴾ کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے جب کہ اس سے پہلے یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔

تشریح کلمات

الۡاُمِّیّٖنَ: (ا م م) الامی۔ اس کے معنی ناخواندہ سے کیے جاتے ہیں لیکن یہ لفظ یہودی اصطلاح ہے کہ وہ اپنے علاوہ دوسری قوموں کو اہانت کے طور پر اُمی کہتے ہیں۔ قرآنی اصطلاح میں جنہیں کتاب نہیں دی گئی یعنی جو اہل کتاب نہ ہوں انہیں اُمی کہتے ہیں اور اہل کتاب میں بھی جو لوگ کتاب نہیں پڑھ سکتے انہیں بھی قرآن نے اُمی کہا ہے:

وَ مِنۡہُمۡ اُمِّیُّوۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ الۡکِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِیَّ ...[1] ان میں کچھ ایسے ناخواندہ لوگ ہیں جو کتاب (توراۃ) کو نہیں جانتے سوائے جھوٹی آرزوؤں کے۔

ابن عباس سے روایت کے مطابق عربوں کو اُمی کہتے ہیں خواہ خواندہ ہوں یا ناخواندہ۔

تفسیر آیات

۱۔ ہُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ: اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے غیر اہل کتاب میں سے ایک رسول مبعوث کیا یعنی ناخواندہ قوم میں سے ایک معلم کو مبعوث کیا۔ غیر تعلیم یافتہ قوم میں سے ایک تعلیم دہندہ کو مبعوث کیا۔ جاہل قوم میں سے ایک مقتدر عالم کو مبعوث کیا۔ یہ خود اس رسول کی رسالت پر ایک واضح دلیل ہے۔

آگے اس معلم کی تعلیم کے مضامین کا ذکر ہے۔ وہ مضامین یہ ہیں: تلاوت آیات، تزکیہ اور کتاب و حکمت کی تعلیم۔

۲۔ وَ الۡحِکۡمَۃَ: حکمت واقع بینی اور حقیقت شعاری کو کہتے ہیں۔ خطا اس کی ضد ہے۔ لہٰذا حکمت کی تعلیم سے مراد حقائق تک رسائی حاصل کرنا ہے۔ تمام مشکلات کی بنیاد حقائق تک رسائی نہ ہونا ہے۔ حقائق تک رسائی نہ ہونے کی صورت میں انسان ایک موہوم چیز کے پیچھے اپنی زندگی تلف کر دیتا ہے۔ زندگی ایک سراب کی مانند ہو جاتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا کام لوگوں کو سراب سے نکالنا، حقائق سے روشناس کرانا ہے۔

دیگر مضامین کی تشریح کے لیے ملاحظہ فرمائیں سورہ بقرہ آیت ۱۵۱۔

۳۔ وَ اِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ: اس رسول اُمی کے مبعوث ہونے سے پہلے یہ لوگ نہ دنیاوی زندگی کے بارے میں کچھ جانتے تھے، نہ تہذیب و تمدن سے آشنا تھے اور نہ آخرت اور ابدی زندگی کے بارے میں کچھ جانتے تھے۔ دنیا و آخرت دونوں کے اعتبار سے گمراہ تھے۔

---

[1] ۲ بقرۃ: ۷۸

وَّاٰخَرِیۡنَ مِنۡہُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِہِمۡ ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ③

۳۔اور (ان) دوسرے لوگوں کے لیے بھی (مبعوث ہوئے) جو ابھی ان سے نہیں ملے ہیں اور اللہ بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ مِنۡہُمۡ : سے مراد من الامیین لیا جاتا ہے جو قطعی طور پر قابل تائید نہیں ہے چونکہ رسول اللہ ﷺ کو آخرین میں سے مبعوث نہیں فرمایا بلکہ مِنۡہُمۡ : سے مراد ممن یعلمھم الکتاب و الحکمة ہے یا و یتلو علی آخرین منھم، ای ان المبعوث الیھم ہے جس کا مفہوم لفظ بعث سے ہوتا ہے۔

۲۔ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِہِمۡ : قیامت تک آنے والی نسلوں کو تعلیم دینے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں چونکہ یہ دین قیامت تک کے لیے ہے:

وَ اُوۡحِیَ اِلَیَّ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنُ لِاُنۡذِرَکُمۡ بِہٖ وَ مَنۡۢ بَلَغَ ...[1]

اور یہ قرآن میری طرف بذریعہ وحی نازل کیا گیا ہے تاکہ میں تمہیں اور جس تک یہ پیغام پہنچے سب کو تنبیہ کروں۔

۳۔ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ : اللہ تعالیٰ کی بالادستی اور حکمت کا تقاضا تھا کہ انسانوں پر یہ احسان عظیم فرمایا۔

ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ ④

۴۔ یہ اللہ کا فضل ہے، جسے وہ چاہتا ہے وہ عنایت فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

تفسیر آیات

اس فضل سے مراد رسالت ہی ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ پر یہ فضل فرمایا کہ قیامت تک آنے والی تمام نسلوں کی تعلیم و تزکیہ آپ ﷺ کے ذریعہ فرمایا۔ اس سے بڑا فضل ہو نہیں سکتا، اور ممکن ہے اس سے مراد آنے والی نسلیں ہوں جن پر اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور ان کی ہدایت و نجات کے لیے ایک نبی مبعوث فرمایا۔

مَثَلُ الَّذِیۡنَ حُمِّلُوا التَّوۡرٰىۃَ ثُمَّ لَمۡ یَحۡمِلُوۡہَا کَمَثَلِ الۡحِمَارِ

۵۔ ان کی مثال جن پر توریت کا بوجھ ڈال دیا گیا پھر انہوں نے اس بوجھ کو نہیں اٹھایا، اس

---

[1] ۶ انعام: ۱۹

يَحۡمِلُ اَسۡفَارًا ؕ بِئۡسَ مَثَلُ الۡقَوۡمِ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ۝

گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں، بہت بری ہے ان لوگوں کی مثال جنہوں نے اللہ کی نشانیوں کو جھٹلا دیا اور اللہ ظالم قوم کی ہدایت نہیں کرتا۔

تفسیر آیات

۱۔ محمد خاتم الانبیاء ﷺ کا مبعوث فرمانا ان لوگوں کے لیے فضل عظیم ہے جو ان کی تعلیم وتزکیہ پر عمل کرتے ہیں لیکن اگر قرآنی تعلیمات پر عمل نہ کیا جائے تو یہودیوں کی سی صورت ہو جائے گی جن پر توریت کی تعلیم وتبلیغ کا بار رکھا گیا تھا مگر ان لوگوں نے اس بار امانت کو نہیں اٹھایا۔ نہ اس کی تعلیمات پر عمل کیا، نہ آگے لوگوں تک تبلیغ کی۔ وہ اس گدھے کی طرح ہو گئے جس پر بیش بہا علمی کتابیں لدی ہیں لیکن گدھے کو صرف ان کتابوں کا وزن اٹھانے کی تکلیف برداشت کرنا پڑ رہی ہے۔ ان کتابوں کے مضامین سے اسے کوئی فائدہ نہیں مل رہا۔

۲۔ بِئۡسَ مَثَلُ الۡقَوۡمِ: یعنی قوم یہود کی مثال کتنی بری ہے کہ وہ جانوروں میں سے گدھے کی مانند ہو جائیں۔

۳۔ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ: ایسے ناقابل ہدایت ظالموں پر اللہ ہدایت جبراً نہیں مسلط کرتا۔

قُلۡ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ هَادُوۡۤا اِنۡ زَعَمۡتُمۡ اَنَّكُمۡ اَوۡلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنۡ دُوۡنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۝

۶۔ کہد یجیے: اے یہودیت اختیار کرنے والو! اگر تمہیں یہ زعم ہے کہ تم اللہ کے چہیتے ہو دوسرے لوگ نہیں تو موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو۔

تفسیر آیات

۱۔ قُلۡ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ هَادُوۡۤا: یہودیو کہہ کر نہیں، یہودیت اختیار کرنے والو کہہ کر اس لیے پکارا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دین وہی دین ابراہیمی اور اسلام کا دین ہے۔ یہود کا نام تو ان کی داخلی فرقہ بندی کے بعد اختیار کیا گیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد جب ان کی سلطنت دو فرقوں میں تقسیم ہوئی تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے چوتھے بیٹے یہودا کی نسل کے قبیلے نے اپنی ریاست کا نام یہود رکھ دیا اور دوسرا فرقہ اسرائیل کے نام سے موسوم تھا جو ختم ہو گیا۔

اس لیے قرآن نے فرمایا: اے لوگو جو اپنے آپ کو یہود کے نام سے موسوم کرتے ہو!

۲۔ اِنۡ زَعَمۡتُمۡ اَنَّکُمۡ اَوۡلِیَآءُ لِلّٰہِ: تمہارا زعم ہے کہ ہم اللہ کے چہیتے ہیں اور دعویٰ ہے:

نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰہِ وَ اَحِبَّآؤُہٗ ...[1] ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔

تو تمہیں لقاء اللّٰہ کا اشتیاق ہونا چاہیے۔ اللہ کی بارگاہ میں جانے کے لیے تمہارے اندر تڑپ ہونی چاہیے۔ اگر اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو اپنے محبوب سے ملنے کی تمنا کرو جس نے تمہیں برگزیدہ بنایا ہے۔ چنانچہ امام الاولیاء علیہ السلام سے مروی یہ فرمان مشہور ہے:

وَ اللّٰہِ لَابْنُ اَبِی طَالِبٍ آنَسُ بِالْمَوْتِ مِنَ الطِّفْلِ بِثَدْیِ اُمِّہِ...[2] خدا کی قسم ابو طالب کا بیٹا موت سے اتنا مانوس ہے کہ بچہ اپنی ماں کی چھاتی سے اتنا مانوس نہیں ہوتا۔

وَ لَا یَتَمَنَّوۡنَہٗۤ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡہِمۡ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ بِالظّٰلِمِیۡنَ ﴿۷﴾

۷۔ اور یہ اپنے ہاتھوں آگے بھیجے ہوئے اعمال کے سبب موت کی تمنا ہرگز نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

تفسیر آیات

یہود اس کے باوجود موت کی تمنا نہیں کریں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں اپنے برے اعمال خصوصاً اپنی ظالمانہ حرکتوں کے محاسبہ کا سامنا کرنے کا خوف لاحق ہے۔ اگرچہ عقیدے کے اعتبار سے تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ قیامت کے دن یہودیوں کو عذاب کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا تاہم ان کا ضمیر اور وجدان ان کے جرائم و مظالم کا خوف دلاتا ہے۔

قُلۡ اِنَّ الۡمَوۡتَ الَّذِیۡ تَفِرُّوۡنَ مِنۡہُ فَاِنَّہٗ مُلٰقِیۡکُمۡ ثُمَّ تُرَدُّوۡنَ اِلٰی عٰلِمِ الۡغَیۡبِ وَ الشَّہَادَۃِ فَیُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸﴾ ع

۸۔ کہد یجیے: وہ موت جس سے تم یقیناً گریزاں ہو اس کا تمہیں یقیناً سامنا کرنا ہوگا پھر تم غیب و شہود کے جاننے والے کے سامنے پیش کیے جاؤ گے پھر وہ اللہ تمہیں سب بتا دے گا جو کچھ تم کرتے رہے ہو۔

---

[1] ۵ مائدہ: ۱۸ [2] نہج البلاغہ خ ۵

تفسیر آیات

موت ایسی اٹل حقیقت ہے جس سے کسی نبی مرسل اور مقرب فرشتوں کو بھی خلاصی ملنا ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح قیامت کے دن اللہ کی عدالت میں اپنے اعمال کی جوابدہی کے لیے حاضر ہونا بھی اللہ کا اٹل فیصلہ ہے کہ کوئی مجرم خواہ اس کا تعلق کسی بھی نسل اور اصل سے ہو اس جوابدہی سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑨	۹۔ اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور خرید و فروخت ترک کر دو، یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

تفسیر آیات

۱۔ اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ: جب نماز کے لیے ندا دی جائے۔ ندا سے مراد اذان ہے لیکن اذان شرط وجوب نہیں ہے۔ بالفرض اگر کوئی اذان نہ دے تو بھی نماز جمعہ واجب ہے۔ لہٰذا اس ندا سے مراد عادل امام کی حکومت کی ندا ہے۔ نماز جمعہ اسلامی نظام کا ایک ریاستی فریضہ، سیاسی عبادت اور عبادی سیاست ہے بشرطیکہ اس نظام میں عبادت اور سیاست میں تصادم نہ ہو۔

سیاست یعنی ریاستی نظام کی درستگی اور مفاد عامہ کا تحفظ وغیرہ ہے۔ نماز جمعہ اسلامی ریاست کا اہم حصہ ہونے کی وجہ اس نماز کا حکومت کی طرف سے قائم ہونا اور ریاست کے نمائندے کا نماز پڑھانا ہے۔ اسی وجہ سے قبلہ رخ ہو کر دو رکعت کی جگہ لوگوں کی طرف رخ کر کے دو خطبے دیے جاتے ہیں چونکہ اس عبادت میں ریاست کو لوگوں سے کام ہے۔ اس لیے امامیہ فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ اذان قانونی اسلامی ریاست کی طرف سے ہو تو جمعہ نماز کے لیے حاضر ہونا واجب عینی ہے۔

عبد اللّٰہ بن عباس اور ابو مسعود انصاری کی روایت کے مطابق نماز جمعہ ہجرت سے قبل فرض ہو گئی تھی لیکن مکہ میں اسلامی ریاست قائم نہ ہونے کی وجہ سے نماز جمعہ قائم نہیں فرمائی۔ چنانچہ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نماز جمعہ کی امامت کے لیے خود افراد کا تعین فرماتے تھے جس طرح قضاوت کے لیے افراد کا تعین خود فرماتے تھے۔[1]

لہٰذا فقہائے امامیہ کا اجماع نہیں ہے تو تقریباً اتفاق ضرور ہے اس بات پر کہ اقامۂ نماز جمعہ کے

---

[1] بیہقی السنن الکبری ۳: ۱۲۳۔ کنز العمال ۷: ۱۰۰ حدیث نمبر ۲۰۴۵۳

واجب عینی ہونے کے لیے امام معصوم یا ان کے نائب خاص کا موجود ہونا شرط ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ نیابت عامہ کافی ہے یا نہیں۔

رسول اللہ ﷺ اور حضرات ابوبکر و عمر کے زمانے میں بھی نماز جمعہ کی ایک ہی اذان ہوتی تھی۔ حضرت عثمان کے زمانے میں آبادی بڑھنے کی وجہ سے ایک اذان کا اضافہ کیا گیا۔ شیعہ امامیہ کے نزدیک یہ اضافی اذان بدعت ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔

۲۔ مِنۡ یَّوۡمِ الۡجُمُعَۃِ: اجتماع کی وجہ سے اس دن کا نام جمعہ ہو گیا۔ پہلے یہ دن العروبۃ کے نام سے موسوم تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ہجرت سے پہلے مدینہ میں بیاضہ کے مقام پر انصار نماز جمعہ قائم کرتے تھے۔

۳۔ فَاسۡعَوۡا اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰہِ: ذکر خدا کی طرف دوڑ پڑو۔ ذکر اللہ سے مراد نماز ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں نماز جمعہ کے لیے دوڑنا واجب ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ پورے اہتمام کے ساتھ نماز میں حاضر ہو۔ تساہل کے ساتھ، کاہل اور بوجھل ہو کر نہیں، نماز کے لیے سکون وقار کے ساتھ جانے کا حکم ہے، دوڑنے کا نہیں۔

۴۔ وَ ذَرُوا الۡبَیۡعَ: خرید فروخت ترک کر دو۔ صرف خرید و فروخت نہیں بلکہ ہر وہ کام جو ترک نماز جمعہ کا موجب بنے، ترک کرو۔ خرید و فروخت کا خاص کر ذکر اس لیے کیا ہے کہ جس زمانے میں یہ سورہ نازل ہوئی لوگ جمعے کے دن اطراف مدینہ سے چیزیں فروخت کرنے مدینہ لاتے اور لوگ عموماً خرید و فروخت میں مصروف ہو جاتے تھے۔

۵۔ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ: دنیوی کام چھوڑ کر ایک ہفتہ وار اجتماعی عبادت میں دوسرے لوگوں کے ساتھ شریک ہونے میں دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی ہے۔

۶۔ فَاسۡعَوۡا اور وَ ذَرُوا الۡبَیۡعَ سے نماز جمعہ کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانۡتَشِرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ وَ ابۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِ اللّٰہِ وَ اذۡکُرُوا اللّٰہَ کَثِیۡرًا لَّعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۰﴾

۱۰۔ پھر جب نماز ختم ہو جائے تو (اپنے کاموں کی طرف) زمین میں بکھر جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

تفسیر آیات

۱۔ نماز ختم ہونے کے بعد تلاش رزق کے لیے زمین میں پھیل جاؤ سے مراد یہ نہیں ہے کہ نماز کی

طرح جمعہ کے دن رزق تلاش کرنا واجب ہے بلکہ تلاش رزق میں خرید و فروخت پر وقت نماز جو پابندی تھی وہ نماز ختم ہونے کے بعد ختم گئی ہے۔ یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے کہ کسی بات پر پابندی لگنے کے بعد آنے والے حکم سے اجازت ثابت ہوتی ہے، وجوب نہیں۔ جیسے یہ آیت ہے: وَاِذَا حَلَلۡتُمۡ فَاصۡطَادُوۡا ....[1] جب احرام کھول چکو تو شکار کرو۔ شکار کرو سے احرام کھولنے کے بعد شکار کی اجازت ثابت ہوتی ہے، وجوب نہیں۔

۲۔ وَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَثِيۡرًا: ذکر خدا، تلاش رزق سے متصادم نہیں ہے۔ لہٰذا کسی عبادت کے حکم کے ساتھ کثیراً نہیں آیا سوائے ذکر کے چونکہ ذکر خدا کسی کام میں متصادم نہیں ہے۔ ہر وقت ہر حالت میں ذکر خدا ہوسکتا ہے۔

ساتھ یہ اشارہ بھی ممکن ہے کہ تلاش رزق کے ساتھ اللہ کو یاد کرو یعنی اس کے حلال و حرام کی پابندی کرو۔

نماز جمعہ کے وجوب کی شرائط فقہی کتب میں ملاحظہ فرمائیں۔

جمعہ نماز اسلامی ریاست کی ایک انتظامی اور سیاسی عبادت ہے جس کے ذریعے اسلام اپنا تربیت و تزکیہ کا معاشرہ ساز عمل انجام دیتا ہے۔ اسی لیے ظہر کی چار رکعتوں کی جگہ جمعہ کی نماز دو رکعت اور دو خطبوں پر مشتمل ہے۔ دو خطبوں کا مطلب یہ ہے کہ امام جماعت دو رکعتوں میں قبلہ کی طرف رخ کرنے کی بجائے لوگوں کی طرف رخ کرے اور اللہ سے راز و نیاز کی جگہ لوگوں سے خطاب کرے۔ اس جگہ اسلام کو لوگوں سے سروکار ہے۔ لوگوں تک اسلام کا پیغام پہنچانا، ان کی تربیت کرنا عبادت کا حصہ ہے۔ اسی وجہ سے جب اسلامی ریاست قائم ہو اور امام معصوم یا ان کا نائب موجود ہو، وہاں اسلام کا انسان ساز پیغام ایک عادل حکومت کے زیر سایہ پہنچایا جا سکتا ہے۔ جمعہ نماز میں حاضر ہونے کی نہایت تاکید ہے اور ترک جمعہ کے بہت نامطلوب نتائج ہیں۔

وَ اِذَا رَاَوۡا تِجَارَۃً اَوۡ لَہۡوَا انۡفَضُّوۡۤا اِلَیۡہَا وَ تَرَکُوۡکَ قَآئِمًا ؕ قُلۡ مَا عِنۡدَ اللّٰہِ خَیۡرٌ مِّنَ اللَّہۡوِ وَ مِنَ التِّجَارَۃِ ؕ وَ اللّٰہُ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ ﴿۱۱﴾ ع

۱۱۔ اور جب انہوں نے تجارت یا کھیل تماشا ہوتے دیکھا تو اس کی طرف دوڑ پڑے اور آپ کو کھڑے چھوڑ دیا، کہد یجیے: جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ کھیل تماشے اور تجارت سے کہیں بہتر ہے اور اللہ بہترین رزق دینے والا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَاِذَا رَاَوۡا تِجَارَۃً اَوۡ لَہۡوَا: اس زمانے میں کوئی تجارتی قافلہ مدینہ پہنچتا تو لوگوں کی اطلاع کے

---

[1] ۵ مائدہ: ۲

لیے طبل بجایا جاتا تھا۔ ایک جمعے کے دن رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے اس وقت شام سے ایک تجارتی قافلہ وارد ہوا۔ طبل بجا تو لوگ رسول اللہ ﷺ کو حالت خطبہ میں چھوڑ کر چلے گئے۔

قتادہ کی روایت کے مطابق اس قسم کا واقعہ تین بار پیش آیا۔[1] اسی تفسیر میں یہ بھی مذکور ہے کہ شادیوں کے موقع پر لوگ باجے بجاتے تھے تو لوگ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر اس لہو کی طرف چلے جاتے۔

اگر ہم نماز جمعہ اور رسول کو چھوڑ کر تجارت کی طرف جانے میں بشری کمزوری کا لحاظ رکھ بھی لیں، لہو کی طرف جانے میں کوئی مجبوری نہ تھی اور تفہیم القرآن نے جو عذر پیش کیا ہے وہ تجارت کے بارے میں مسموع ہو سکتا ہے لیکن لہو کے بارے میں نہیں ہو سکتا۔

پھر اس حدیث کی کیا توجیہ ہو سکتی ہے جسے زمخشری نے کشاف میں ذکر کیا ہے: اگر سب لوگ چلے جاتے تو وادی میں آگ بھڑک اُٹھتی۔

پھر سورہ جمعہ سات ہجری میں یہودیوں کے انخلاء کے بعد فتح خیبر کے دنوں میں نازل ہوئی۔ اس وقت معیشت کافی بہتر تھی۔ اس آیت اور اس واقعہ سے دو باتیں واضح ہو کر سامنے آتی ہیں:

ایک یہ کہ تمام صحابہ عادل ہیں کا نظر اس آیت سے متصادم ہے۔

دوسرا یہ کہ اصحاب کی کمزوریوں کا ذکر طعن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں ایک ایسی سورہ میں جو اجتماعی عبادت میں پڑھی جاتی ہے اس کمزوری کا ذکر فرماتا ہے اور ہر نمازی اسے اپنی نماز میں پڑھتا ہے تو انسان کے لیے ایسا کرنا کیوں ممنوع ہوگا؟

ہمارا موقف یہ ہے کہ جو کمزوریاں سرزد ہوئی ہیں ان کا ذکر کرنا طعن نہیں ہے اور کسی ناکردہ گناہ کی نسبت دینا بہتان اور گناہ عظیم ہے۔

۲۔ وَتَرَكُوكَ قَآئِمًا: اور اے رسول آپ کو کھڑے چھوڑ دیا۔ ایک تو یہ بات ہے کہ نماز چھوڑ کر مسجد سے چھوڑ کر نکل گئے۔ دوسری بات یہ کہ رسول ﷺ کو چھوڑ کر نکل گئے۔ تیسری بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا خطبہ چھوڑ کر نکل گئے۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات چھوڑ کر نکل گئے۔ اسی جرم کی سنگینی کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر سب چلے جاتے تو مدینہ کی وادی میں آگ بھڑک اٹھتی لیکن بعض اصحاب کی حاضری اور نہ نکلنے کی وجہ سے سب کو امان مل گئی۔ متعدد احادیث ہیں کہ بعض ہستیاں ایسی ہیں جو اہل ارض کے لیے باعث امان ہیں۔ ۱۷۳

۳۔ قُلۡ مَا عِنۡدَ اللّٰہِ خَیۡرٌ: نمازی کو جو چیز نماز سے مل رہی ہے خصوصاً رسول اللہ ﷺ کی معیت میں نماز سے جو فیض مل رہا تھا وہ اس تجارت سے کہیں بہتر ہے جس کی طرف وہ نماز چھوڑ کر چلے گئے۔

۴۔ وَاللّٰہُ خَیۡرُ الرّٰزِقِیۡنَ: درست ہے تجارت حصول رزق کا ایک ذریعہ ہے لیکن اگر یہ تجارت نماز

---

[1] تفسیر کبیر رازی ذیل آیت

کے مقابلے میں آ جائے تو اس میں کوئی خیر نہیں ہے۔ اللہ کی طرف سے ملنے والا رزق، اس رزق سے بہتر ہے جو تجارت کے ذریعہ ملتا ہے۔

سُورَةُ الْمُنَافِقُونَ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اس سورۃ کا نام آیت اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ سے ماخوذ ہے۔ مدینہ میں نفاق یہاں سے شروع ہوا کہ مدینے میں دو قبیلوں اوس اور خَزْرَج میں آپس کی خانہ جنگی سے تنگ آ کر ایک شخص کی قیادت میں متحد ہونے پر اتفاق ہوا اور قیادت کے لیے قبیلہ خزرج کے سردار عبد اللّٰہ بن اُبی بن سلول کو بادشاہ بنانے پر متفق ہوگئے یہاں تک اس کے لیے تاج بنا لیا گیا تھا۔ اسی اثنا میں مدینہ میں اسلام کا اثر نفوذ شروع ہوا اور دونوں قبیلوں کی بااثر شخصیات نے اسلام قبول کیا جس کی وجہ سے عبد اللّٰہ بن اُبی بادشاہ نہ بن سکا۔ بعد میں اگرچہ اس نے بھی زبان پر کلمہ اسلام جاری کیا مگر اس کے دل میں اسلام کے خلاف نفرت موجزن تھی۔

چنانچہ مختلف جنگوں میں اس نے اپنی منافقانہ سازش کے ذریعے لشکر اسلام کو کمزور کرنے کی کوشش کی۔ جنگ احد میں اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ جنگ سے الگ ہوگیا۔ جب مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ جنگ کی صورت بن گئی تو اس نے یہودیوں کی حمایت کی۔ غزوہ بن مصطلق کے موقع پر اس کی منافقت کھل کر سامنے آ گئی کہ اس نے اپنے ساتھیوں سے ایک مجلس میں کہا: تم اصحاب محمدؐ سے ہاتھ روک لو۔ مدینہ پہنچ کر ہم میں سے جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو نکال دے گا۔ اس بات کو زید بن ارقم سن رہا تھے جو کم عمر تھے۔ زید نے یہ باتیں رسول اللہؐ کو بتائیں۔ عبد اللّٰہ بن اُبی نے انکار کیا، مگر زید کی تصدیق میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ	بنام خدائے رحمٰن رحیم
اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ	۱۔منافقین جب آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور اللہ کو بھی علم ہے کہ آپ یقیناً اس

وقف لازم

اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ لَکٰذِبُوۡنَ ۝۱　　اس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے یہ منافقین یقیناً جھوٹے ہیں۔

تفسیر آیات

عصر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مدینہ میں منافقین کی ایک خاص تعداد موجود تھی:

وَ مِنۡ اَہۡلِ الۡمَدِیۡنَۃِ ۟ۛ مَرَدُوۡا عَلَی النِّفَاقِ ...[1]　　اور خود اہل مدینہ میں بھی ایسے منافقین ہیں جو منافقت پر اڑے ہوئے ہیں۔

اہل مدینہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے منافقت میں مہارت حاصل کی ہے اور اس پر اڑے ہوئے ہیں۔ جنگ احد میں ان کی تعداد تین سو سامنے آئی اور جو لوگ سامنے نہ آئے ان کی تعداد معلوم نہیں ہے۔

۱۔ اِذَا جَآءَکَ الۡمُنٰفِقُوۡنَ: یہ منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہتے ہیں: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ اس آیت میں فرمایا: وہ جھوٹ بولتے ہیں یعنی ان کا یہ کہنا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، یہ گواہی ان کے اپنے عقیدے کے مطابق نہیں ہے۔ وہ اپنے عقیدے کے خلاف بات کر رہے ہیں۔ اگرچہ یہ واقع کے مطابق سچ ہے لیکن یہ اپنے عقیدے کے مطابق جھوٹ بول رہے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ان منافقین کی طرف سے آپ کی رسالت کی گواہی، گواہی کے اعتبار سے تو سچی ہے لیکن گواہ کے اعتبار سے جھوٹی ہے۔ گواہی سچ ہے اور گواہ جھوٹا ہے۔

اِتَّخَذُوۡۤا اَیۡمَانَہُمۡ جُنَّۃً فَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ اِنَّہُمۡ سَآءَ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ۝۲　　۲۔ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے، پھر وہ (دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، جو کچھ یہ کرتے ہیں یقیناً برا ہے۔

تشریح کلمات

فَصَدُّوۡا: (ص د د) الصد: رک جانا اور منحرف ہونے کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ جیسے یَصُدُّوۡنَ عَنۡکَ صُدُوۡدًا۔[2] اور یہی لفظ یعنی صد دوسروں کو روکنے کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ اگر صد، صدودا سے ہے تو رک جانے، منحرف ہونے کے معنوں میں آتا ہے اور اگر صد، یصد، صداً سے ہے تو دوسروں کو روکنے کے معنوں میں ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اِتَّخَذُوۡۤا اَیۡمَانَہُمۡ جُنَّۃً: یہ لوگ اگر اپنے اندر کے عقیدۂ کفر کا اظہار کرتے اور مسلمانوں کے

---
[1] ۹ توبۃ: ۱۰۱　[2] ۴ نساء: ۶۱

ساتھ لڑتے تو یہ قتل ہو جاتے۔ زبان سے اسلام کے اظہار سے انہیں جان و مال کا تحفظ مل جاتا ہے لہٰذا ان لوگوں کی طرف سے اظہار ایمان کے لیے جو قسمیں کھائی جاتی ہیں وہ ایک چال اور ڈھال ہے۔

۲۔ فَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ : اپنی قسموں کو ڈھال بنا کر راہ خدا سے ہٹ گئے۔ وہ راہ خدا جو خود ان کے مفاد میں تھی جس سے انحراف کر کے ان لوگوں نے اپنے ساتھ برا کیا۔

ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ فَہُمۡ لَا یَفۡقَہُوۡنَ ۝۳

۳۔ یہ اس لیے ہے کہ یہ ایمان لا کر پھر کافر ہو گئے، پس ان کے دلوں پر مہر لگ گئی لہٰذا اب یہ سمجھتے نہیں ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ ان منافقین کے اس جرم میں مبتلا ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ پہلے ایمان لے آئے، اسلام کی حقانیت ان پر واضح ہو گئی جس کی وجہ سے ان کے دل میں ایمان اتر گیا تھا۔ ثُمَّ کَفَرُوۡا بعد میں وہ کافر ہو گئے یعنی اسلام کی حقانیت واضح ہونے کے باوجود کفر اختیار کیا۔ جیسا کہ سورہ توبہ آیت ۶۶ میں ان منافقین کے بارے میں فرمایا:

لَا تَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ کَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِیۡمَانِکُمۡ ۔۔۔ عذر تراشی مت کرو تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔

بعض مفسرین کا یہ کہنا کہ اٰمَنُوۡا سے مراد ظاہری اقرار ہے اور ثُمَّ کَفَرُوۡا سے مراد باطنی انکار ہے، درست نہیں ہے کیونکہ ظاہری اقرار کو ایمان نہیں کہا جاتا، اسے اسلام کہتے ہیں، البتہ منافقین کے دعوائے ایمان کے مطابق کہا ہو۔ جیسے:

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَ اِذَا خَلَوۡا اِلٰی شَیٰطِیۡنِہِمۡ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّا مَعَکُمۡ ۔۔۔[1] اور جب وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اپنے شیطانوں کے ساتھ تخلیے میں ہوتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔

۲۔ فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ : حق کے منکشف ہونے کے بعد کفر اختیار کرنے پر اللہ تعالیٰ نے ان سے ہاتھ اُٹھا لیا۔ اب ہدایت کے سرچشمے سے ہدایت کا دروازہ بند ہونے پر یہ ایمان کے قابل بھی نہ رہے، نہ کسی کلمہ حق کے سمجھنے کے اہل رہے۔

---

[1] ۲ بقرۃ: ۱۴

وَ اِذَا رَاَیۡتَہُمۡ تُعۡجِبُکَ اَجۡسَامُہُمۡ ؕ وَ اِنۡ یَّقُوۡلُوۡا تَسۡمَعۡ لِقَوۡلِہِمۡ ؕ کَاَنَّہُمۡ خُشُبٌ مُّسَنَّدَۃٌ ؕ یَحۡسَبُوۡنَ کُلَّ صَیۡحَۃٍ عَلَیۡہِمۡ ؕ ہُمُ الۡعَدُوُّ فَاحۡذَرۡہُمۡ ؕ قٰتَلَہُمُ اللّٰہُ ۫ اَنّٰی یُؤۡفَکُوۡنَ ﴿۴﴾

۴۔ اور جب آپ انہیں دیکھ لیں تو ان کے جسم آپ کو بھلے معلوم ہوں گے اور جب وہ بولیں تو آپ ان کی باتیں توجہ سے سنتے ہیں (مگر وہ ایسے بے روح ہیں) گویا وہ دیوار سے لگائی گئی لکڑیاں ہیں، ہر آواز کو اپنے خلاف تصور کرتے ہیں، یہی لوگ (بڑے) دشمن ہیں لہٰذا آپ ان سے محتاط رہیں، اللہ انہیں ہلاک کرے یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں۔

تفسیر آیات

روایات کے مطابق رئیس المنافقین عبد اللّٰہ بن ابی کی طرف اشارہ ہے۔ یہ قبیلۂ خزرج کا بزرگ تھا۔ مدینے کے دونوں قبیلوں اوس اور خزرج دونوں نے آپس میں اس بات پر اتفاق کیا تھا کہ عبد اللہ بن ابی بن سلول کو اپنا بادشاہ بنایا جائے۔ بات یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ اس کے لیے تاج بنا لیا گیا تھا۔

اسی اثنا میں مدینے میں اسلام کا سورج طلوع ہو گیا اور بہت سے بااثر لوگوں نے اسلام قبول کیا تو عبد اللّٰہ بن اُبی کی بادشاہت کی کوئی گنجائش باقی نہ رہی۔ بعد میں اس نے بھی بظاہر اسلام کا کلمہ پڑھ لیا لیکن اس کے دل میں اسلام داخل نہ ہو سکا۔

۱۔ وَاِذَارَاَیۡتَہُمۡ تُعۡجِبُکَ اَجۡسَامُہُمۡ: کہتے ہیں ابن اُبی سلول ایک جسیم، بلند قد و قامت کا آدمی تھا اور بولنے میں تیز تھا۔ جب وہ بات کرتا تو اس کی فصاحت، خوش کلامی اور چرب زبانی کی وجہ سے لوگ اس کی باتوں کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ چنانچہ بعض روایات کے مطابق یہ شخص جمعہ کے خطبے سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی حمایت میں اٹھ کر باتیں کرتا تھا۔

۲۔ کَاَنَّہُمۡ خُشُبٌ مُّسَنَّدَۃٌ: ان منافقین کی حالت ایسی ہے جیسے دیوار سے لگی ہوئی لکڑیاں ہوں۔ اس میں دو باتیں وجہ تشبیہ ہیں: اول یہ کہ یہ لکڑیاں بے روح بے شعور ہیں۔ کسی قسم کی تعلیم و تربیت کی اہلیت نہیں رکھتیں۔ دوم یہ کہ لکڑیاں اگر چھت وغیرہ میں لگی ہوئی ہوں تو ان سے استفادہ ہو رہا ہوتا ہے۔ دیوار کے ساتھ لگائی ہوئی لکڑی بے مصرف ہوتی ہے۔ یہ لوگ معاشرے کے لیے ایک خشک چیز کی طرح غیر مفید ہیں۔

۳۔ یَحۡسَبُوۡنَ کُلَّ صَیۡحَۃٍ عَلَیۡہِمۡ: بستی میں کبھی بھی کہیں سے شور کی آواز آتی تو یہ خیال کرتے ہیں کہ ہمارا راز فاش ہو گیا ہے۔ یہ آواز ہمارے خلاف اٹھ رہی ہے۔

۴۔ ہُمُ الۡعَدُوُّ: دشمن یہی لوگ ہیں۔ چونکہ ظاہری دشمن سے مقابلہ ہوتا ہے تو وہ فاصلے پر ہوتا ہے۔ اس سے بچنا آسان ہے لیکن مار آستین اندر کا دشمن زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔

۵۔ فَاحۡذَرۡہُمۡ : لہٰذا ان سے اسی طرح بچ کر رہو جس طرح ایک کھلے دشمن سے بچا جاتا ہے اور جس اسلام کا یہ اظہار کرتے ہیں اس سے دھوکہ نہ کھایا کرو۔

۶۔ قٰتَلَہُمُ اللّٰہُ : اللہ ان سے زندگی کی نعمت چھین لے۔ یہ لعنت کی طرح ہر قسم کی رحمت حتیٰ رحمتِ حیات سے دور کرنے پر مشتمل لعنت ہے۔

۷۔ اَنّٰی یُؤۡفَکُوۡنَ : اظہار تعجب ہے کہ یہ منافقین حق اور ابدی سعادت چھوڑ کر کس گمراہی اور تباہی کی طرف جا رہے ہیں۔

وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُمۡ تَعَالَوۡا یَسۡتَغۡفِرۡ لَکُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ لَوَّوۡا رُءُوۡسَہُمۡ وَ رَاَیۡتَہُمۡ یَصُدُّوۡنَ وَ ہُمۡ مُّسۡتَکۡبِرُوۡنَ ﴿۵﴾

۵۔ اور جب ان سے کہا جائے: آؤ کہ اللہ کا رسول تمہارے لیے مغفرت مانگے تو وہ سر جھٹک دیتے ہیں اور آپ دیکھیں گے کہ وہ تکبر کے سبب آنے سے رک جاتے ہیں۔

تفسیر آیات

عبد اللّٰہ بن ابی ایک دن اپنی نجی مجلس میں رسول اللہ ﷺ اور مہاجرین کے خلاف غلیظ باتیں کر رہا تھا۔ اس مجلس میں زید بن ارقم بھی موجود تھے۔ اس وقت زید بن ارقم کم عمر تھے۔ زید نے یہ ساری باتیں رسول اللہ ﷺ کو بتا دیں۔ عبد اللّٰہ بن ابی نے ان باتوں سے انکار کیا۔ بعد میں جب یہ آیات بھی نازل ہوئیں تو لوگوں نے عبد اللّٰہ بن ابی سے کہا: چلو رسول اللہ کی خدمت میں توبہ و استغفار کے لیے۔ اس پر اس نے اپنا سر بڑی خود بینی و تکبر سے جھٹک دیا، رسول اللہ ﷺ کی خدمت آنے کے لیے آمادہ نہ ہوا اور کہا: ایمان لانے کے لیے کہا تو ہم ایمان لے آئے، زکوۃ دینے کے لیے کہا تو ہم نے اپنا مال بھی دے دیا۔ اب تم کہتے ہو کہ میں محمد کے لیے سجدہ کروں۔

سَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ اَسۡتَغۡفَرۡتَ لَہُمۡ اَمۡ لَمۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَہُمۡ ؕ لَنۡ یَّغۡفِرَ اللّٰہُ لَہُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿۶﴾

۶۔ ان کے لیے یکساں ہے خواہ آپ ان کے لیے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں، اللہ انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا، اللہ فاسقین کو یقیناً ہدایت نہیں کرتا۔

تفسیر آیات

۱۔ اگر شخص قابل ہدایت نہیں ہے تو اس کے لیے استغفار فائدہ مند نہیں ہے چونکہ عفو اور درگزر اس صورت میں ہوسکتا ہے جب مجرم اپنا جرم ترک کرے اور راہ راست پر آ جائے۔ یہ منافقین اپنے جرم سے باز نہیں آئے ہیں تو ان کے جرم سے درگزر کیسے ہوسکتا ہے۔

۲۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ: مجرم جب اپنے جرم کی وجہ سے ہدایت کی راہ سے نکل گیا ہے اور ایسا فسق اس پر مسلط ہے کہ وہ از خود راہ راست پر آنے والا نہیں ہے لہٰذا اللہ اسے جبراً ہدایت کی طرف نہیں لائے گا۔

اس آیت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ رسول اللہ ﷺ کا استغفار عام لوگوں کے استغفار کی طرح نہیں ہے۔

اہم نکات

۱۔ رسول ﷺ کی دعا کو اہمیت نہ دینا نفاق کی علامت ہے۔

هُمُ الَّذِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ لَا تُنۡفِقُوۡا عَلٰی مَنۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ حَتّٰی یَنۡفَضُّوۡا ؕ وَ لِلّٰہِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ لٰکِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ لَا یَفۡقَهُوۡنَ ﴿۷﴾

۷۔ یہ وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں: جو لوگ رسول اللہ کے پاس ہیں ان پر خرچ نہ کرنا یہاں تک کہ یہ بکھر جائیں حالانکہ آسمانوں اور زمین کے خزانوں کا مالک اللہ ہی ہے لیکن منافقین سمجھتے نہیں ہیں۔

یَقُوۡلُوۡنَ لَئِنۡ رَّجَعۡنَاۤ اِلَی الۡمَدِیۡنَۃِ لَیُخۡرِجَنَّ الۡاَعَزُّ مِنۡهَا الۡاَذَلَّ ؕ وَ لِلّٰہِ الۡعِزَّۃُ وَ لِرَسُوۡلِہٖ وَ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ لٰکِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸﴾ ع

۸۔ کہتے ہیں: اگر ہم مدینہ لوٹ کر جائیں تو عزت والا ذلت والے کو وہاں سے ضرور نکال باہر کرے گا، جب کہ عزت تو اللہ، اس کے رسول اور مومنین کے لیے ہے لیکن منافقین نہیں جانتے۔

تشریح کلمات

یَنۡفَضُّوۡا: (ن ف ض) النفض منتشر ہونے کے معنوں میں ہے۔

تفسیر آیات

یہ باتیں بھی عبد اللّٰہ بن اُبی نے کہی تھیں اور زید بن ارقم نے رسول اللہ ﷺ کو بتائی تھیں۔ عبداللّٰہ بن اُبی نے بعد میں انکار کیا تھا۔ لوگوں نے ابن اُبی کی تصدیق کی اور زید بن ارقم کی ملامت کی۔ بعد میں یہ آیات نازل ہوئیں جن سے زید بن ارقم کی باتوں کی تصدیق ہوئی۔ تفصیل اگلی آیت کے ذیل میں آئے گی۔

۱۔ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: آسمانوں اور زمین کے خزانوں کا مالک اللہ ہے۔ رازق اللہ ہے۔ ان منافقین کے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ کا دیا ہوا ہے۔ اگر اللہ چاہے تو یہ اموال ان سے چھین سکتا ہے۔ البتہ مومنوں کو اللہ تعالیٰ آزمائش کے مراحل سے گزار رہا ہے۔

۲۔ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ: منافقین یہ بات سمجھنے سے قاصر ہیں کہ رزق اللہ کی طرف سے ہے یا اسباب وعلل کے ہاتھوں میں ہے۔ اسباب وعلل کی فراہمی بھی اللہ کی طرف سے ہے۔ اگر اللہ چاہے تو تمام علل و اسباب نابود ہو جائیں اور انسان رزق حاصل کرنے پر قادر ہی نہ ہو۔

۳۔ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ: واپس مدینہ پہنچ کر ہم ان ذلیلوں (مہاجرین) کو مدینہ سے نکال باہر کریں گے۔

غزوہ المصطلق کے موقع پر دشمن کو شکست دینے کے بعد ایک مہاجر اور ایک انصاری میں پانی کے مسئلہ پر تکرار ہوئی اور ہاتھا پائی تک نوبت پہنچ گئی۔ اس پر انصاری اور مہاجر نے اپنی اپنی قوم کو مدد کے لیے پکارا۔ منافقین کے سربراہ عبد اللّٰہ بن ابی نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور اوس و خزرج کو پکارا۔ ادھر کچھ مہاجرین بھی اٹھ کر کھڑے ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کی مداخلت پر معاملہ ختم ہو گیا لیکن اس واقعے کے بعد دیگر منافقین عبد اللّٰہ بن ابی کے پاس جمع ہو گئے تو ابن ابی نے ان سے کہا: خدا کی قسم مدینہ پہنچنے پر ہم میں سے عزت والا ذلیل کو نکال دے گا۔ تم لوگ ان پر کوئی مال خرچ نہ کرو۔ یہ اپنی بالا دستی چھوڑ کر یہاں سے نکل جائیں گے۔ حضرت زید بن ارقم جو ابھی کم سن تھے اس مجلس میں موجود تھے۔ انہوں نے سارا واقعہ رسول اللہ ﷺ کو سنا دیا۔ اس سلسلے میں زید بن ارقم کی تصدیق میں یہ آیات نازل ہوئیں۔

۴۔ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ: عزت اور عظمت اللہ، رسول اور مومنین کی ہے۔ کافروں کے اقتصادی محاصرے سے کبھی بھی مومنوں کو زیر نہیں کیا جا سکے گا اور منافقین اپنے نفاق کے ذریعے ذلت سے بچ نہیں سکتے۔

جو عزت اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو دی ہے اس عزت کو یہ منافقین تو کیا ساری دنیا کی طاقت زائل نہیں کر سکتی۔

مومن کی اپنی عزت کے بارے میں اسلام کا یہ قانون ہے کہ ہر وہ عمل جس سے مومن کی اہانت ہوتی ہے حرام ہے اور خود مومن پر بھی ہر وہ عمل جس سے اس کی اہانت ہوتی ہے حرام ہے۔

۵۔ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ: منافقین کو اس بات کا علم کہاں کہ عزت کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر تکیہ کرے گا عزت اسی کی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۹

۹۔ اے ایمان والو! تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ذکر خدا سے تمہیں غافل نہ کر دیں اور جو ایسا کرے گا تو وہ خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔

تفسیر آیات

مال اور اولاد تقرب الی اللّٰہ کا ذریعہ بن جائیں تو مال کو قرآن نے خیر سے تعبیر کیا ہے اور اولاد باقیات الصالحات بن جاتی ہے۔ اگر یہ دونوں انسان کو اللہ سے دور اور ذکر خدا سے غافل کر دیں اور انسان اور اس کے رب کے درمیان حائل ہو جائیں تو اس صورت میں مال و اولاد خسارے کا باعث بنتے ہیں۔

وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۰

۱۰۔ اور جو رزق ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرو قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کو موت آ جائے پھر وہ کہنے لگے: اے میرے پروردگار! تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت کیوں نہ دی تا کہ میں صدقہ دیتا اور میں (بھی) صالحین میں سے ہو جاتا۔

تفسیر آیات

موت کے وقت یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ راہ خدا میں مال خرچ کرنے کا کیا رتبہ ہے۔ اس انکشاف کے بعد وہ اس حسرت کا اظہار کرے گا: کاش ایک موقع پھر مل جاتا تو جی بھر کر راہ خدا میں مال خرچ کرتا۔ چونکہ جب موت سامنے آئے گی تو ایک مرتبہ ساری زندگی کا کیا دھرا سامنے آئے گا اور موت سے

پہلے اپنی آئندہ زندگی کے بارے میں علم ہو جائے گا۔ اس لیے حسرت کا بھی اظہار کرے گا اور مزید مہلت کی تمنا کرے گا۔

وَلَنۡ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفۡسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ وَاللّٰهُ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ۞ ع

۱۱۔ اور جب کسی کا مقررہ وقت آ جاتا ہے تو پھر اللہ اسے ہرگز مہلت نہیں دیتا اور جو کچھ تم لوگ کرتے ہو اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔

تفسیر آیات

جب مقررہ وقت اجل آ جائے گا تو اس کا ٹل جانا اور مزید مہلت ملنا اللہ تعالیٰ کے اٹل اور حتمی قانون میں ممکن نہیں ہے۔ اب عمل کا وقت ختم ہو گیا۔ جزائے عمل کا وقت آ گیا۔ جب عمل کا وقت تھا، مہلت بھی دے دی گئی تھی لیکن جزائے عمل کا مرحلہ آنے کے بعد پھر مہلت ملنا ممکن نہیں ہے۔

سُوْرَةُ التَّغَابُن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ کا نام آیت نمبر۹ میں وارد ذٰلِكَ یَوْمُ التَّغَابُنِ سے ماخوذ ہے۔ یہ سورۃ مکی ہے یا مدنی؟ اس میں شدید اختلاف ہے تاہم اس سورۃ کا مدنی ہونا زیادہ قرین واقع ہے۔بعض کے نزدیک آخری تین آیات مدنی ہیں اور باقی مکی ہیں۔

سورۃ مبارکہ کے مضامین توحید و صفات الٰہی اور انسان کی اچھی شکل و صورت میں تخلیق پر مشتمل ہیں۔ دوسری طرف انسان کو اپنے اعمال پر نظر رکھنے اور غافل نہ رہنے کا حکم ہے۔ تیسرا مضمون معاد سے مربوط ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ ۫ وَ هُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ①

بنام خدائے رحمٰن رحیم

۱۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ کی تسبیح کرتے ہیں بادشاہی اسی کی ہے اور ثنا بھی اسی کی ہے اور وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ یُسَبِّحُ لِلّٰهِ: کل کائنات کی موجودات میں سے ہر ایک اپنے اپنے حواس و شعور کے مطابق اللہ کی تسبیح کرتی ہیں۔اس موضوع پر کئی بار گفتگو ہوگئی۔

۲۔ لَهُ الْمُلْكُ: بادشاہی اور حکمرانی اسی کی ہے۔ کائنات کو خلق کرنے کے بعد بھی یہ کائنات اپنی بقا میں اللہ کی محتاج ہے۔ایک لحہ کے لیے اگر اللہ اپنی بادشاہی، حکمرانی اور تدبیر کا ہاتھ اٹھالے تو یہ کائنات صفحہ

نیستی میں چلی جائے۔

اس کائنات میں کسی اور کی حکمرانی ہے اور نہ ہی کسی کے ہاتھ تفویض و سپرد ہوئی ہے بلکہ لَہُ الْمُلْکُ بادشاہی اللہ ہی کے پاس ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ کائنات وجوداً و بقاءً اللہ کی محتاج ہے۔

۳۔ وَلَہُ الْحَمْدُ: جس بات کو حمد و ستائش کہا جاتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اگر اللہ کے علاوہ کوئی شخص قابل ستائش ہے تو اس کا بھی سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اللہ سے ہٹ کر کوئی شخص نہ بذات خود، نہ کسی غیر اللہ سے ستائش کسب نہیں کر سکتا۔

۴۔ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ: انسان کسی چیز پر قادر ہوتا ہے وسائل و اسباب کے ذریعے، اللہ تعالیٰ وسائل و اسباب کا محتاج نہیں ہے۔ اللہ کا صرف ارادہ کافی ہے۔ لہٰذا یہ قابل تصور نہیں ہے کہ اللہ کسی چیز کا ارادہ کرے اور وہ ارادہ نافذ نہ ہو۔

هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ فَمِنۡکُمۡ کَافِرٌ وَّ مِنۡکُمۡ مُّؤۡمِنٌ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۲﴾

۲۔ وہی ہے جس نے تمہیں خلق کیا پھر تم میں سے بعض کافر اور بعض ایمان والے ہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس پر خوب نگاہ رکھتا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ ھُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ: اللہ وہ ہے جس نے تمہیں اس طرح خلق فرمایا کہ تم اپنے ارادے کے مالک اور خود مختار ہو۔ اگر تخلیق میں جبر ہوتا تو یہ صورت نہ ہوتی کہ کچھ لوگ کافر اور کچھ لوگ مومن ہو جاتے۔ یہ اللہ کا انداز تخلیق ہے کہ تم اپنے ارادے کے مالک ہو۔ کفر اختیار کر سکتے ہو یا ایمان۔ دونوں راستے تمہارے سامنے رکھ دیے جاتے ہیں۔

۲۔ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ: اس کے بعد عمل تمہارا ہوگا، نظارت ہماری ہوگی۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ وَ صَوَّرَکُمۡ فَاَحۡسَنَ صُوَرَکُمۡ ۚ وَ اِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ ﴿۳﴾

۳۔ اس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے اور اس نے تمہاری صورت بنائی تو بہترین صورت بنائی اور اسی کی طرف پلٹنا ہے۔

تفسیر آیات

تخلیق کائنات کے ساتھ انسان کی اچھی تصویر کشی کا خصوصیت سے ذکر ہے، کیونکہ اس کائنات میں

انسان اللہ کا عظیم معجزہ ہے، اسے اللہ نے تخلیقاً وتشریعاً عزت وتکریم سے نوازا ہے۔ کھڑی قد وقامت دے کر اس کا سر اونچا کیا پھر طاقت سے نہیں، اطاعت سے خالق کے سامنے جھکنے کا حکم دیا۔ اسے ظاہری اعضاء اور باطنی صلاحیتیں ایسی عطا فرمائیں کہ وہ جمال وکمال میں خلیفۃ اللّٰہ فی الارض کے مرتبے کا اہل ہو گیا اور بہت سے موجودات اس کے لیے مسخر کر دی گئیں اور براہ راست اللہ کی عبودیت جیسے مقام کے لیے منتخب ہو گیا۔

اس انسان کے مقام و منزلت کے لیے یہ بات کافی ہے کہ قدرت کو خود اس مخلوق پر ناز ہے کہ فرمایا: اس نے تمہاری شکل بنائی تو عمدہ بنائی۔

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

۴۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب کو جانتا ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو ان سب کو بھی اللہ جانتا ہے اور جو کچھ سینوں میں ہے اسے بھی اللہ خوب جانتا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ جب کائنات کا خالق اللہ ہے تو خالق اور مخلوق کے درمیان کوئی حجاب قابل تصور نہیں ہے۔ جس چیز کو حجاب تصور کیا جائے گا وہ بھی اللہ کی مخلوق ہے۔ انسان کو چیزوں کا علم ہوتا ہے وسائل و ذرائع سے۔ آنکھ سے، کان سے، چھو کر وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم میں کسی وسائل و ذرائع کا محتاج نہیں ہے۔ کائنات کی تمام اشیاء بذات خود اللہ کے سامنے حاضر ہیں۔ لہٰذا علم خدا ہمیشہ حضوری ہوتا ہے، حصولی نہیں ہوتا۔

۲۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ: انسان کو تو اپنے سینے کی خصوصیات کا بھی علم نہیں ہوتا لیکن اللہ انسان کی رگ گردن سے بھی نزدیک ہے لہٰذا اللہ سینوں میں موجود ارادوں اور نیتوں کو جانتا ہے کہ انسان کوئی عمل انجام دیتا ہے تو اللہ کے علم میں ہوتا ہے اس عمل کو انجام دینے کا اصل محرک اور نیت کیا تھی۔

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۡ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

۵۔ کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو پہلے کافر ہو گئے تھے پھر انہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھ لیا تھا؟ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

تشریح کلمات

وَبَالَ : (و ب ل) ہر اس چیز کو وبال کہا جاتا ہے جس سے ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

تفسیر آیات

۱۔ اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ : خطاب مشرکین سے ہے کہ کیا تم تک گزشتہ اقوام کی سرنوشت کی خبر نہیں پہنچی جن کی طرف انبیاء مبعوث ہوئے۔ یہ لوگ ان انبیاء پر ایمان نہیں لائے، کفر اختیار کیا۔ یہ کفر ان کے لیے کس قدر وبال جان بن گیا؟

ذٰلِکَ بِاَنَّہٗ کَانَتۡ تَّاۡتِیۡہِمۡ رُسُلُہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَقَالُوۡۤا اَبَشَرٌ یَّہۡدُوۡنَنَا ۫ فَکَفَرُوۡا وَ تَوَلَّوۡا وَّ اسۡتَغۡنَی اللّٰہُ ؕ وَ اللّٰہُ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ ﴿۶﴾

۶۔ یہ اس لیے ہے کہ ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل لے کر آتے تھے تو یہ کہتے تھے: کیا بشر ہماری ہدایت کرتے ہیں؟ لہٰذا انہوں نے کفر اختیار کیا اور منہ پھیر لیا، پھر اللہ بھی ان سے بے پرواہ ہو گیا اور اللہ بڑا بے نیاز، قابل ستائش ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ ذٰلِکَ بِاَنَّہٗ : وہ عذاب علیم میں مبتلا اس لیے ہو گئے کہ رسولوں نے واضح دلیل کے ساتھ انہیں دعوت دی تو ان لوگوں نے اللہ کی طرف سے کسی رسالت کو قبول نہیں کیا۔

۲۔ اَبَشَرٌ یَّہۡدُوۡنَنَا : رسالت قبول نہ کرنے کے لیے ان لوگوں نے یہ موقف بنایا کہ بشر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سفارت کے عہدے کا اہل نہیں ہے۔ اگر اللہ نے اپنی طرف سے کسی نمائندے کو بھیجنا ہوتا تو کسی فرشتے کو بھیجتا۔

بت پرست لوگ انسان کو اللہ کی نمائندگی کا اہل نہیں سمجھتے تھے لیکن بے جان پتھر کو معبود ہونے کا اہل سمجھتے تھے۔

۳۔ فَکَفَرُوۡا وَ تَوَلَّوۡا : دعوت انبیاء علیہم السلام کو ٹھکرا دیا اور اس دعوت کا مضمون سمجھنے کی بھی کوشش نہیں کی اور منہ پھیر لیا۔

۴۔ وَّ اسۡتَغۡنَی اللّٰہُ : اس آیت کے معنی اس طرح کیے ہیں: اللہ نے انہیں تباہ کر کے ان سے بے نیازی کا اظہار فرمایا۔ میرے نزدیک ممکن ہے اسۡتَغۡنَی اس جگہ بے اعتنائی کے معنوں میں ہو۔ یعنی ان کے کفر اور

منہ پھیرنے کے نتیجے میں اللہ نے ان کی ہدایت پر توجہ دینا چھوڑ دیا۔ جیسے خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوۡبِھِمۡ ...[1] کا مفہوم ہے۔

زَعَمَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنۡ لَّنۡ یُّبۡعَثُوۡا ؕ قُلۡ بَلٰی وَ رَبِّیۡ لَتُبۡعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلۡتُمۡ ؕ وَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرٌ ﴿۷﴾

۷۔ کفار کو یہ گمان ہے کہ وہ ہرگز (دوبارہ) اٹھائے نہیں جائیں گے، کہد یجیے: ہاں! میرے پروردگار کی قسم! تم ضرور اٹھائے جاؤ گے پھر تمہیں (اس کے بارے میں) ضرور بتایا جائے گا جو کچھ تم کرتے رہے ہو اور یہ بات اللہ کے لیے نہایت آسان ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ زَعَمَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا: اس کائنات میں موجود شواہد اور انبیاء علیہم السلام کی طرف سے قائم کردہ دلائل کے باوجود یہ کافر لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں: اَنۡ لَّنۡ یُّبۡعَثُوۡا ہو ہی نہیں سکتا دوبارہ اٹھائے جائیں۔

۲۔ قُلۡ بَلٰی وَ رَبِّیۡ: آپ ان کے جواب میں کہ دیں: میرے پروردگار کی قسم! تمہارے انکار سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ تمہیں ہر صورت میں اٹھایا جائے گا اور تمہیں تمہارے اعمال کا نتیجہ سنایا جائے گا۔ اگر ان اعمال کا کوئی نتیجہ نہ ہو تو یہ کائنات ایک عبث، بے مقصد کھیل ثابت ہو گی۔

۳۔ وَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرٌ: جو ذات تمہیں عدم سے وجود میں لائی اور تمہیں خاک سے اٹھایا ہے اسے تمہیں دوبارہ خاک سے اٹھانے میں کوئی دشواری نہ ہو گی۔ جس ذات کا صرف ارادہ نافذ ہو اس کے لیے کوئی کام مشکل نہیں ہوا کرتا۔

ہمارے لیے مشکل اور آسان کا تصور اس لیے ہے کہ ہم اسباب و علل کے ذریعے کسی کام پر قادر ہوتے ہیں۔ اسباب و علل کم ہوں تو آسان، زیادہ ہوں تو مشکل ہوتا ہے۔ اللہ کے لیے ایسا نہیں ہے۔ اس کا صرف ایک ارادہ کافی ہوتا ہے۔

فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ وَ النُّوۡرِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلۡنَا ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ ﴿۸﴾

۸۔ لہٰذا اللہ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا ہے ایمان لے آؤ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خوب آگاہ ہے۔

---

[1] ۲ بقرۃ: ۷

تفسیر آیات

جب قیامت یعنی روز جزا کا آنا ایک لازمی امر ہے اور اللہ کو اس یوم جزا کو سامنے لانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی،

۱۔ فَاٰمِنُوۡا: پس ایمان لے آؤ اللہ اور اس کے رسول پر تاکہ تمہیں نجات مل جائے۔

۲۔ وَالنُّوۡرِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلۡنَا: اور اس نور پر بھی ایمان لے آؤ جس کی روشنی میں تمہیں نجات کا راستہ نظر آئے گا اور اپنی ابدی سعادت کی منزل تک پہنچ جانا ممکن ہو جائے گا۔

واضح رہے یہاں نور سے مراد قرآن مجید ہے جو کفر و جہالت کی تاریکیوں میں ایمان کی روشنی ہے اور اس بھٹکے ہوئے انسانوں کے لیے حیات جاویداں کا دستور العمل فراہم کرتا ہے۔

۳۔ وَاللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ: ایسا ممکن نہیں کہ تمہارے اعمال کا محاسبہ بے خبری کی وجہ سے رہ جائے۔ تمہارے اعمال کا اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے۔

یَوۡمَ یَجۡمَعُکُمۡ لِیَوۡمِ الۡجَمۡعِ ذٰلِکَ یَوۡمُ التَّغَابُنِ ؕ وَ مَنۡ یُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰہِ وَ یَعۡمَلۡ صَالِحًا یُّکَفِّرۡ عَنۡہُ سَیِّاٰتِہٖ وَ یُدۡخِلۡہُ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿۹﴾	۹۔ جس روز اللہ اجتماع کے دن تمہیں اکٹھا کر دے گا تو وہ فائدے خسارے کا دن ہوگا اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل انجام دے اللہ اس کے گناہوں کو اس سے دور کر دے گا اور اسے ایسی جنتوں میں داخل کر دے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، ان میں وہ ابد تک رہیں گے، یہی بڑی کامیابی ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ یَوۡمَ یَجۡمَعُکُمۡ لِیَوۡمِ الۡجَمۡعِ: اجتماع کا دن یوم قیامت ہے جس میں تمام اولین و آخرین محشر کے میدان میں جمع ہوں گے۔

۲۔ ذٰلِکَ یَوۡمُ التَّغَابُنِ: یہ یوم فائدہ اٹھانے والوں کے لیے فائدہ اٹھانے اور خسارہ اٹھانے والوں کے لیے خسارے کا دن ہو گا۔ التَّغَابُنِ غبن کا مفاعلہ ہے شر لے کر خیر چھوڑنے والا۔ مغبون ''خسارہ اٹھانے والا'' ہے اور خیر لے کر شر چھوڑنا، غابن، ''خسارے میں ڈالنے والا'' ہے۔ اس کے بعد آیات میں اس تغابن یعنی ہار جیت کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔

اس تفسیر کی تائید میں یہ حدیث بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ما من عبد مومن یدخل الجنۃ الا اری مقعدہ فی النار لو اساء لیزداد شکراً، وما من عبد یدخل النار الا اری مقعدہ من الجنۃ لو احسن لیزداد حسرۃ.... [1]

کوئی بندہ مومن ایسا نہ ہوگا جو جنت میں داخل ہو گا مگر اسے جہنم میں وہ جگہ نہ دکھائی جائے جس میں اس نے جانا تھا اگر برا کام کرتا تا کہ اس کے شکر میں اضافہ ہو اور کوئی بندہ جہنم میں داخل نہ ہوگا جب تک جنت میں اس کی جگہ نہ دکھا دی جائے اگر اچھا کام کرتا تا کہ اس کی حسرت میں اضافہ ہو۔

۲۔ وَمَنۡ یُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰہِ: اس تغابن میں فائدہ اٹھانے والا وہ شخص ہوگا جو ایمان کے ساتھ عمل صالح بجا لائے۔ اس کے دو نتائج سامنے آئیں گے:

۴ یُّکَفِّرۡ عَنۡہُ سَیِّاٰتِہٖ: ایک تو یہ ہے کہ اگر اس کی گردن پر گناہوں کا بوجھ ہوگا تو ایمان اور عمل صالح اس کے گناہوں کا کفارہ ہوگا اور گناہ مٹ جائیں گے۔

۵۔ وَیُدۡخِلۡہُ جَنّٰتٍ: دوسرا یہ ہوگا کہ گناہ دھل جانے کی وجہ سے اب وہ جنت میں داخل ہونے کا اہل ہو جائے گا اور جنت میں داخل ہوگا۔

۶۔ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا: جس میں اہل جنت ہمیشہ رہیں گے۔ اَبَدًا تاکید ہے خٰلِدِیۡنَ کی۔ چنانچہ خلود بھی ہمیشہ رہنے کو کہتے ہیں۔ یعنی یہاں نہ ختم ہونے والی زندگی ملے گی۔

۷۔ ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ: جو شخص اپنی ختم نہ ہونے والی ابدی زندگی سنوارنے میں کامیاب ہو جائے، اس سے زیادہ عظیم کامیابی کیا ہو سکتی ہے۔

وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ وَ بِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ﴿۱۰﴾

۱۰۔ جو لوگ کافر ہو گئے اور انہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی وہی اہل جہنم ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ بدترین ٹھکانا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اس تغابن میں خسارہ اٹھانے والوں کا ذکر ہے۔ یہ خسارہ اٹھانے والے کفر و تکذیب کے مرتکب لوگ ہیں۔ یہ لوگ بھی جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔

۲۔ وَبِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ: جن لوگوں نے اپنی دائمی زندگی کو ناکام اور جہنم کو اپنا ٹھکانا بنایا۔ ان لوگوں سے زیادہ ناکام لوگ اور کون ہو سکتے ہیں۔

۱۔ مجمع البیان ذیل آیت

مَاۤ اَصَابَ مِنۡ مُّصِیۡبَۃٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰہِ ؕ وَ مَنۡ یُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰہِ یَہۡدِ قَلۡبَہٗ ؕ وَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ مصائب میں سے کوئی مصیبت اللہ کے اذن کے بغیر نازل نہیں ہوتی اور جو اللہ پر ایمان لاتا ہے اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے اور اللہ ہر شے کا خوب علم رکھتا ہے۔

تفسیر آیات

روایت ہے کہ یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی جب کافروں نے کہا: مسلمان اگر حق پر ہوتے تو وہ مصیبتوں سے دوچار نہ ہوتے۔

۱۔ مَاۤ اَصَابَ مِنۡ مُّصِیۡبَۃٍ: مصیبت ایسے حادثہ کو کہتے ہیں جو انسان کے لیے نامطلوب اور باعث ضرر و اذیت ہوتا ہے۔

بِاِذۡنِ: عدم مانع، رکاوٹ نہ ڈالنے اور ہونے دینے کو اذن کہتے ہیں۔ یعنی اللہ سبب اور علت کی تاثیر میں رکاوٹ نہیں ڈالتا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے لیے جو تکوینی نظام قائم کیا ہے وہ علت و معلول اور سبب و مسبب کا قانون ہے اور انسان کے لیے یہ قانون ارتقاء و اختیار کی بنیاد پر ہے۔ یہ نظام اپنی جگہ ایک ممتحن کی طرح ہے جو غیر جانبدار ہے۔ چنانچہ اس نظام میں ظالم ظلم کر سکتا ہے، چھری مظلوم کا گلا کاٹ سکتی ہے، گولی مومن کے سینے کو چھلنی کر سکتی ہے، دھماکے تباہی مچا دیتے ہیں۔ ایک مکمل علت کے وجود میں آنے کے بعد معلول کا وجود میں آنا اس نظام تکوینی میں لازمی ہے۔

ایسا نہیں ہو سکتا کہ تیز دھار چھری مومن کا گلا نہ کاٹے اور کافر کا گلا کاٹ دے۔ گولی مومن کے سینے پر اثر نہ کرے اور کافر کا سینہ چھلنی کر دے۔ ایسا جانبدارانہ نظام نہیں ہے:

مَاۤ اَصَابَ مِنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَا فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّبۡرَاَہَا ...[۱]

مصائب میں سے کوئی مصیبت زمین پر اور تم پر نہیں پڑتی مگر یہ کہ اس کے پیدا کرنے سے پہلے وہ ایک کتاب میں لکھی ہوتی ہے۔

لہٰذا مسلمان یہ توقع نہ رکھیں کہ نظام کائنات ان پر نافذ نہ ہو گا اور حوادث کے شکار نہ ہوں گے۔ بھوک، پیاس، زخم، شہادت وغیرہ سے دوچار ہوں گے۔

البتہ اذن سے مراد اذن تکوینی ہے، اذن تشریعی نہیں ہے۔ ممکن ہے ایک جگہ اذن تکوینی ہو، اذن تشریعی نہ ہو۔ مثلاً ظالم کی تیز دھار چھری میں مظلوم کا گلا کاٹنے صلاحیت ہے۔ یہ اذن تکوینی ہے لیکن ایسا کرنے کا اذن تشریعی نہیں ہے۔ شریعت نے تو ایسا کرنے سے منع کیا ہے۔ ایسا کرنے سے منع اس لیے کیا

---

[۱] ۵۷ حدید: ۲۲

ہے کہ ظالم ایسا کر سکتا ہے۔ اگر اللہ کے نظام میں ظالم کے لیے ایسا کرنے کی طاقت سرے سے نہ ہوتی تو ایسا کرنے سے منع بھی نہ کیا ہوتا۔

۲۔ وَ مَنۡ یُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰہِ یَہۡدِ قَلۡبَہٗ: ایمان باللہ کا نتیجہ ہے کہ حوادث اور صبر آزما مصائب میں مومن کا ہدایت یافتہ دل اس راز کو خدا داد ''ہدایت و رہنمائی'' کی وجہ سے سمجھتا ہے کہ یہ اللہ کے وضع کردہ نظام کا لازمی حصہ ہے جو آزمائشی بنیادوں پر حکیمانہ ہے۔

۳۔ وَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ: جو کچھ رونما ہونے والا ہے علم خدا سے خارج نہیں ہے کہ اس کے وضع کردہ عادلانہ نظام میں کیا حوادث رونما ہونے والے ہیں۔

وَ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ ۚ فَاِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو، پس اگر تم نے منہ پھیر لیا تو ہمارے رسول کے ذمے تو فقط صاف پیغام پہنچا دینا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ: اللہ اور رسول کی اطاعت اپنے ارادہ و اختیار سے کرو۔

۲۔ فَاِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ: اگر تم نے اطاعت نہ کی اور منہ موڑ لیا تو تم پر حجت پوری ہو گئی۔ حجت پوری ہونا منکروں کے لیے ابدی عذاب کا پیش خیمہ ہے۔

۳۔ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ: ہمارے رسول کے ذمے واضح اور کسی ابہام کے بغیر پیغام پہنچا دینا ہے۔ نہ جبر ہو گا، نہ طاقت کا استعمال چونکہ رسول کے پیغام کا مخاطب ضمیر اور عقل ہے۔ رسولؐ نے اپنے مخاطب کو بات سمجھا دی ہے۔ نہ ماننے پر منکرین کو نتائج کے لیے تیار رہنا ہو گا۔

اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ وَ عَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ اللہ (ہی معبود برحق ہے) اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور مومنین کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔

تفسیر آیات

۱۔ اس اللہ کی اطاعت کرو جس کی اطاعت کرنا اس کے معبود ہونے کی وجہ سے لازم ہے۔ چونکہ اطاعت ایک قسم کی بندگی ہے اور بندگی صرف اللہ کی ہوتی ہے۔

۲۔ وَ عَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ: توکل علی اللّٰہ، اللہ کی بندگی کی ایک اہم صورت ہے

اور اس کے لیے ایمان کا ایک اہم مرتبہ لازم ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾

۱۴۔ اے ایمان والو! تمہاری ازواج اور تمہاری اولاد میں سے بعض یقیناً تمہارے دشمن ہیں لہٰذا ان سے بچتے رہو اور اگر تم معاف کرو اور درگزر کرو اور بخش دو تو اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ: تمہاری بعض ازواج و اولاد تمہارے دشمنوں کا کردار ادا کرسکتی ہیں۔ مانع خیر ہوتی ہیں یا حرام کے ارتکاب پر اکساتی ہیں اور باپ، شوہر سے ایسے مطالبات کرتی ہیں جن میں گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہوتا ہے یا حقوق الناس اپنی گردن پر لادنے پڑتے ہیں۔

۲۔ فَاحْذَرُوْهُمْ: ایسی ازواج و اولاد سے بچتے رہو۔ یعنی ان کا کہنا نہ مانو۔ ان کی خاطر اپنی عاقبت تباہ نہ کرو اور ان کی اطاعت نہ کرو۔

۳۔ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا: اور ساتھ ساتھ ان سے درگزر کرو۔ آپس میں پدرانہ تعلقات ختم نہ کرو اور شوہر پر جو حقوق عائد ہوتے ہیں وہ ادا کرو۔ اگر شوہر بدکرداری پر اکساتا ہے تو زوجہ کو بھی اطاعت نہیں کرنی چاہیے اور ساتھ زن و شوہر کے تعلقات بھی بحال رکھنے چاہئیں۔ یہ ایسا ہے جیسے مشرک والدین کے بارے میں فرمایا:

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ...[1]

اور اگر وہ دونوں تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسے کو شریک قرار دے جس کا تجھے علم نہیں ہے تو ان کی بات نہ ماننا، البتہ دنیا میں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھنا۔

اسی طرح والدین کے لیے بھی یہی حکم کہ اگر اولاد گناہ کے ارتکاب پر اکسائے تو اس کا کہنا نہ مانو اور ساتھ باپ بیٹے کا تعلقات بھی نہ توڑو۔ پدرانہ شفقت اپنے بدچلن فرزند کے ساتھ جاری رکھو۔

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ

۱۵۔ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد بس آزمائش

---

[1] ۳۱ لقمان: ۱۵

وَاللّٰہُ عِنۡدَہٗۤ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۵﴾ ہیں اور اللہ کے ہاں ہی اجر عظیم ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ مال اور اولاد انسان کی نہایت کمزوری ہے۔ مال کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَّ تُحِبُّوۡنَ الۡمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝۲۰[۱] اور تم مال کے ساتھ جی بھر کر محبت کرتے ہو۔

نیز فرمایا:

وَ اِنَّہٗ لِحُبِّ الۡخَیۡرِ لَشَدِیۡدٌ ۝۸[۲] اور وہ مال سے محبت کرنے میں سخت ہے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کے تحفظ کے لیے اولاد سے محبت انسان کے قلب وضمیر میں ودیعت فرمائی ہے۔ اسی لیے انسان کو کبھی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔

ان دونوں کی محبت انسان کو ظلم و زیادتی، حرام کے ارتکاب اور اللہ کو ناراض کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ مال سے ہاتھ اٹھانا یہ کہہ کر کہ حرام ہے، اولاد کی خواہش سے ہاتھ اٹھانا یہ کہہ کر کہ یہ خواہش نا مشروع ہے، ایک بڑا امتحان ہے۔

۲۔ وَاللّٰہُ عِنۡدَہٗۤ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ: اگر اللہ کی رضایت کی خاطر مال اور اولاد کی آزمائش میں کامیابی حاصل کرو تو اللہ کے پاس سے جو ثواب ملے گا وہ دنیا کے مال و اولاد سے عظیم ہوگا۔

فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ وَ اسۡمَعُوۡا وَ اَطِیۡعُوۡا وَ اَنۡفِقُوۡا خَیۡرًا لِّاَنۡفُسِکُمۡ ؕ وَ مَنۡ یُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۶﴾

۱۶۔ پس جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو اور سنو اور اطاعت کرو اور (راہ خدا میں) خرچ کرو تو (یہ تمہاری) اپنی بھلائی کے لیے ہے اور جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے محفوظ رہ جائیں تو وہی کامیاب لوگ ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ: جہاں تک ہو سکے تقویٰ اختیار کرو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا موقع نہ چھوڑو جہاں تقویٰ اختیار کرنا ممکن ہو اور تقویٰ اختیار نہ کرو۔ جہاں جہاں تقویٰ اختیار کرنا ممکن ہو وہاں تقویٰ اختیار کرو۔ لہٰذا یہ آیت تقویٰ اختیار کرنے کے لیے تاکید ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے کہا جائے: تقویٰ اختیار کرنے میں کوتاہی نہ کرو۔

---

[۱] ۸۹ فجر: ۲۰ [۲] ۱۰۰ عادیات: ۸

۲۔ وَاسۡمَعُوۡا وَاَطِیۡعُوۡا: اللہ اور رسول ﷺ کی بات سننا، پھر اطاعت کرنا بھی تقویٰ ہے۔ اس کے باوجو خاص طور پر اس کا ذکر کیا چونکہ واجبات پر عمل کرنا اور حرام چیزوں سے بچنا اس بات پر موقوف ہے کہ واجبات اور محرمات کو رسول اللہ ﷺ سے سن لیا جائے پھر فرمایا: وَاَطِیۡعُوۡا چونکہ اطاعت بھی سننے پر موقوف ہے۔

۳۔ وَاَنۡفِقُوۡا خَیۡرًا لِّاَنۡفُسِکُمۡ: راہ خدا میں خرچ کرو۔ مال کی محبت مالی واجبات کی ادائیگی میں رکاوٹ نہ بنے۔ خَیۡرًا یا تو کان کی خبر ہے۔ اصل میں عبارت اس طرح ہے: وَاَنۡفِقُوۡا یکن خَیۡرًا لِّاَنۡفُسِکُمۡ یا محذوف مصدر کی صفت ہے۔ یعنی انفاقا خیراً۔

۴۔ وَمَنۡ یُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِہٖ: آیت کے اس جملے کی تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ حشر آیت ۹۔

اِنۡ تُقۡرِضُوا اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا یُّضٰعِفۡہُ لَکُمۡ وَ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ شَکُوۡرٌ حَلِیۡمٌ ﴿ۙ۱۷﴾

۱۷۔ اگر تم اللہ کو قرض حسنہ دو گے تو وہ تمہارے لیے اسے کئی گنا بڑھا دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بڑا قدر شناس، بردبار ہے۔

تفسیر آیات

اس آیت کی تشریح کے لیے ملاحظہ سورہ بقرہ آیت ۲۴۵ اور سورہ حدید آیت ۱۱۔

وَاللّٰہُ شَکُوۡرٌ حَلِیۡمٌ: اللہ تمہارے انفاق کو رائیگاں نہیں جانے دے گا۔ وہ قدرداں، حلیم ہے۔ اپنے احکام کی خلاف ورزی کرنے پر عذاب نازل کرنے میں عجلت سے کام نہیں لیتا۔

عٰلِمُ الۡغَیۡبِ وَ الشَّہَادَۃِ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۱۸﴾ ع ۲ ۱۲

۱۸۔ وہ غیب و شہود کا جاننے والا، بڑا غالب آنے والا، حکمت والا ہے۔

تفسیر آیات

وہ انفاق کے بارے میں پوشیدہ نیتوں کو بھی جانتا ہے کہ کس محرک کے تحت انفاق ہو رہا ہے اور مقدار انفاق کو بھی جانتا ہے۔

الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ: وہ ثواب دینے کی قدرت رکھنے والا، بالادست ہے اور ہر کام حکمت کے تقاضوں کے مطابق کرنے والا ہے۔

سُورَةُ الطَّلَاقِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اس سورة مبارکہ کا نام الطلاق اس لیے مقرر ہوا کہ اس میں طلاق کے احکام بیان ہوئے ہیں۔ اسی لیے اسے چھوٹی سورة النسآء بھی کہتے ہیں۔

یہ سورہ مدنی ہے۔ آیات کی تعداد قرائت کوفی کے مطابق بارہ ہے۔

اس سورہ کی ابتدائی سات آیات طلاق کے بارے میں ہیں اور طلاق کے لیے یہ حکم صاف لفظوں میں بیان فرمایا کہ طلاق اس وقت دو جہاں سے عدت شروع ہو سکے۔ یعنی حالت حیض میں عدت شروع نہیں ہوسکتی، طلاق بھی نہیں ہوسکتی۔ اس کے تفصیل آیت کی تفسیر میں مذکور ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوۡہُنَّ لِعِدَّتِہِنَّ وَ اَحۡصُوا الۡعِدَّۃَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ رَبَّکُمۡ ۚ لَا تُخۡرِجُوۡہُنَّ مِنۡۢ بُیُوۡتِہِنَّ وَ لَا یَخۡرُجۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّاۡتِیۡنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ ؕ وَ تِلۡکَ حُدُوۡدُ اللّٰہِ ؕ وَ مَنۡ یَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰہِ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَہٗ ؕ لَا تَدۡرِیۡ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِکَ اَمۡرًا ①

بنام خدائے رحمٰن رحیم

۱۔ اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو انہیں ان کی عدت کے لیے طلاق دے دیا کرو اور عدت کا شمار رکھو اور اپنے رب اللہ سے ڈرو، تم انہیں (عدت کے دنوں میں) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ ہی وہ عورتیں خود نکل جائیں مگر یہ کہ وہ کسی نمایاں برائی کا ارتکاب کریں اور یہ اللہ کی حدود ہیں اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا تو اس نے اپنے ہی نفس پر ظلم کیا، تجھے کیا معلوم اس کے بعد شاید اللہ کوئی صورت پیدا کر دے۔

تفسیر آیات

۱۔ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ: رسول اللہ ﷺ بعنوان حاکم و نفاذ کنندۂ احکام اس حکم کے مخاطب ٹھہرے ہیں۔

۲۔ فَطَلِّقُوۡهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ: جب طلاق دینے لگو تو عدت کے لیے طلاق دو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے زمانے میں طلاق دو کہ عدت شروع ہو سکے۔ سورہ بقرہ آیت ۲۲۸ میں فرمایا:

وَالۡمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصۡنَ بِاَنۡفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوۡٓءٍ... اور طلاق یافتہ عورتیں تین مرتبہ (ماہواری سے) پاک ہونے تک انتظار کریں۔

یعنی عدت رکھیں۔ لِعِدَّتِهِنَّ کا لام وقت بتانے کے لیے ہے۔ چنانچہ لام، زمانہ بتانے والے کسی لفظ پر داخل ہو تو وقت بیان کرنے کے لیے ہوتا ہے۔

اس طرح اس آیت سے تین احکام مترشح ہوتے ہیں:

اول: حالت حیض میں طلاق صحیح نہیں ہے چونکہ اس حیض سے اس کی عدت شروع نہیں ہو سکتی جس میں اسے طلاق دی گئی ہے۔ تفصیل آگے آئے گی۔

دوم: اس طہر میں بھی طلاق صحیح نہیں ہے جس میں شوہر نے اس سے مباشرت کی ہے کیونکہ معلوم نہیں ہے کہ اس مباشرت سے حمل ٹھہرا ہے یا نہیں۔ اس وجہ سے عدت کی ابتدا نہیں ہو سکتی۔

سوم: ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں مؤثر نہیں ہیں۔ صرف ایک طلاق مؤثر ہو سکتی ہے کیونکہ عدت صرف ایک طلاق کی ہو سکتی ہے۔ دوسری اور تیسری کی عدت نہیں ہو سکتی۔ تین طلاقوں کی شرعی حیثیت کی بارے میں ملاحظہ ہو سورہ بقرہ آیت ۲۳۰۔

حالت حیض میں طلاق غیر مؤثر ہونے پر آیت کے ساتھ سنت رسولؐ سے بھی ثابت ہے۔ حضرت عمر کے بیٹے عبد اللہ نے اپنی زوجہ کو حالت حیض میں طلاق دی تو حضرت عمر نے رسول اللہؐ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا:

لیراجعها ثم یمسکها حتی تطهر ثم تحیض ثم تطهر ثم ان شاء طلقها قبل ان یجامعها۔[1] اسے چاہیے کہ وہ رجوع کرے اور اپنی زوجیت میں رکھے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے پھر اسے حیض آئے اور اس سے بھی پاک ہو جائے پھر اگر وہ چاہے تو مباشرت سے پہلے طلاق دے دے۔

واضح رہے اس حدیث میں لیراجعها سے مراد طلاق مؤثر ہونے کے بعد کا رجوع نہیں ہے بلکہ یہاں رجوع سے مراد واپس بلانا ہے۔ ورنہ اگر حالت حیض کی طلاق مؤثر ہوتی تو رجوع کر کے دوبارہ طلاق

---

[1] تفسیر طبری، صحیح بخاری و مسلم، روح المعانی ذیل آیہ

دینے سے حالت حیض کی حرمت کی تلافی نہیں ہوتی بلکہ رسول ﷺ کا یہ فرمانا: دوبارہ حیض سے پاک ہونے کے بعد مباشرت سے پہلے طلاق دینا چاہے تو دے دو، بتاتا ہے کہ طلاق اس طرح مؤثر ہوتی ہے۔

تعجب ہے اس روایت کو قانون طلاق کا اہم ترین مأخذ قرار دیا جاتا ہے لیکن اس کے مضمون پر عمل نہیں کیا جاتا۔

فقہ حنفی، مالکی اور حنبلی کے مطابق حالت حیض اور ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دینا حرام اور معصیت ہے اور موثر بھی ہے۔

جب کہ ان فقہوں میں معصیت کا نکاح درست نہیں ہے۔ اس سے لازم آتا ہے کہ جب معصیت کی طلاق کو موثر قرار دیا تو اس معصیت کے نتیجے میں دوسرے شوہر کا نکاح بھی معصیت ہے تو اس طلاق کے بعد جب دوسرے شوہر سے نکاح کرے گی، یہ نکاح بھی معصیت کا نکاح ہے چونکہ یہ نکاح ایک طلاق معصیت کا نتیجہ ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے لِعِدَّتِهِنَّ فرما کر طلاق کے وقت کا تعین کیا ہے۔ اس معینہ وقت سے پہلے طلاق دینا ایسے ہے جیسے وقت ظہر سے پہلے ظہر کی نماز پڑھی جائے۔

۳۔ وَاَحۡصُوا الۡعِدَّۃَ: اور عدت کا شمار رکھو کہ کب شروع ہوئی ہے اور کب ختم ہو گی۔ چونکہ عدت کے دنوں پر چند ایک احکام مترتب ہوتے ہیں۔

i۔ عدت کے دنوں میں عورت کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہیں کر سکتی۔ شمار صحیح نہ ہونے کی صورت میں امکان ہے کہ عدت کے دوران نکاح ہو جائے جس سے نسلیں متاثر ہوتی ہیں۔

ii۔ طلاق یافتہ عورت کو عدت کے دنوں کے اخراجات اور رہائش، طلاق دینے والے سابقہ شوہر سے لینے کا حق حاصل ہے۔

iii۔ طلاق رجعی ہونے کی صورت میں عدت کے دنوں میں شوہر کو رجوع کرنے کا حق حاصل ہے۔ اگر شمار صحیح نہ ہو اور رجوع کرے تو ممکن ہے عدت گزرنے کے بعد رجوع کیا ہو، اس سے بھی نسلیں متاثر ہوتی ہیں۔ اس مقام پر وَاتَّقُوا اللّٰہَ رَبَّکُمۡ سے عدت کی اہمیت کا علم ہوتا ہے کہ اس میں تقویٰ اور خوف خدا کا اہم دخل ہے۔

۴۔ عدت کے دوران فوت ہونے کی صورت میں ایک دوسرے کے وارث بن جاتے ہیں۔

۴۔ لَا تُخۡرِجُوۡہُنَّ مِنۡۢ بُیُوۡتِہِنَّ وَلَا یَخۡرُجۡنَ: ان مطلقہ عورتوں کو عدت کے دنوں میں ان کے گھروں سے نہ نکالو۔ عدت کے دنوں میں ابھی وہ پوری طرح زوجیت کے تحفظ سے نہیں نکلی ہیں۔ اس لیے نان ونفقہ اور سکونت دینا شوہروں کے ذمے ہے۔ اس کے علاوہ طلاق کے بعد عدت کے دنوں میں ایک گھر میں رہنے سے صلح و مفاہمت کا امکان زیادہ رہتا ہے۔

۵۔ اِلَّاۤ اَنۡ یَّاۡتِیۡنَ بِفَاحِشَۃٍ: مگر یہ کہ عورت بد زبان یا بدکار ہو تو اس وقت اس کا اخراج جائز ہے۔ حضرت امام رضا علیہ السلام کی روایت ہے: فاحشۃ سے مراد یہ ہے کہ عورت شوہر کے خاندان والوں کو اذیت یا گالی دے۔

۶۔ وَ تِلۡکَ حُدُوۡدُ اللّٰہِ: یہ بیان کرو، یہ احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے قائم کردہ حدیں ہیں۔ یعنی طلاق کے معین کردہ وقت کی پابندی کرنا، عدت کا شمار درست رکھنا، عدت کے دنوں کے احکام پر عمل کرنا۔ ان حدوں کی خلاف ورزی سے نکاح کے احکام اور نسلیں متاثر ہوتی ہیں۔ مثلاً حالت حیض کی طلاق فی الواقع عند اللہ مؤثر نہیں ہے۔ اسے مؤثر سمجھ کر دوسرے شوہر سے نکاح کر لے تو یہ نکاح فی الواقع درست نہیں ہے۔ یہ عورت ابھی سابقہ شوہر کی بیوی ہے، اس سے ہونے والی نسل، شبہ کی ہو جاتی ہے۔

اگر کوئی یہ کہے: آپ حیض کے دنوں کی طلاق کو مثلاً غیر مؤثر سمجھتے ہیں۔ اگر فی الواقع مؤثر ہو تو وہی بات آپ پر بھی آ جاتی ہے۔ ہم کہیں گے ہم معصیت کو مؤثر نہیں سمجھتے جب کہ دوسرے موقف میں معصیت کو مؤثر سمجھا جاتا ہے۔

۷۔ وَ مَنۡ یَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰہِ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَہٗ: نسلوں کے اختلاط سے بڑھ کر ظلم کیا ہو سکتا ہے۔

۸۔ لَا تَدۡرِیۡ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِکَ اَمۡرًا: تجھے کیا معلوم شاید اللہ اس کے بعد کوئی صورت پیدا کر دے۔ یعنی طلاق ہونے کے باوجود رجوع کے ذریعے یا شوہر اور بیوی کی رائے میں تبدیلی کے ذریعے یہ رشتۂ ازدواج دوبارہ بحال ہو جائے۔

فَاِذَا بَلَغۡنَ اَجَلَہُنَّ فَاَمۡسِکُوۡہُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ فَارِقُوۡہُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ وَّ اَشۡہِدُوۡا ذَوَیۡ عَدۡلٍ مِّنۡکُمۡ وَ اَقِیۡمُوا الشَّہَادَۃَ لِلّٰہِ ؕ ذٰلِکُمۡ یُوۡعَظُ بِہٖ مَنۡ کَانَ یُؤۡمِنُ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ۬ؕ وَ مَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًا ۙ﴿۲﴾ وَّ یَرۡزُقۡہُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ ؕ وَ

۲۔ پس جب عورتیں اپنی عدت پوری کرنے کو آئیں تو انہیں اچھی طرح سے (اپنے عقد میں) رکھو یا انہیں اچھے طریقے سے علیحدہ کر دو اور اپنوں میں سے دو صاحبان عدل کو گواہ بناؤ اور اللہ کی خاطر درست گواہی دو، یہ وہ باتیں ہیں جن کی تمہیں نصیحت کی جاتی ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور جو اللہ سے ڈرتا رہے اللہ اس کے لیے (مشکلات سے) نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے،

۳۔ اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے

مَنۡ یَّتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ فَہُوَ حَسۡبُہٗ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ اَمۡرِہٖ ؕ قَدۡ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیۡءٍ قَدۡرًا ③

وہ سوچ بھی نہ سکتا ہو اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے پس اس کے لیے اللہ کافی ہے، اللہ اپنا حکم پورا کرنے والا ہے، بتحقیق اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ مقرر کیا ہے۔

تفسیر آیات

ا۔ فَاِذَا بَلَغۡنَ اَجَلَہُنَّ: جب عدت پوری ہونے والی ہو تو یہ فیصلہ کر لو کہ عورت کو اپنی زوجیت میں رکھنا ہے یا نہیں۔ جو بھی فیصلہ ہو شائستگی ضروری ہے۔ اگر زوجیت میں رکھنا ہے تو شائستہ طریقہ سے رکھو۔ اذیت دینے کے لیے نہ ہو۔ یعنی رجوع کر کے عدت کے بعد آزاد بھی نہ ہونے دے اور زوجیت کے حقوق بھی ادا نہ کرے۔

۲۔ وَّاَشۡہِدُوۡا ذَوَیۡ عَدۡلٍ مِّنۡکُمۡ: طلاق کے موقع پر دو عادل افراد کو گواہ بنا لو۔ فقہ اہل بیت علیہم السلام میں طلاق کے مؤثر ہونے کے لیے دو عادل گواہوں کا ہونا لازمی ہے۔ اس پر از روئے نص وفتویٰ اتفاق ہے۔ یعنی نہ روایات میں اختلاف ہے، نہ فتاویٰ میں۔ چنانچہ محمد بن مسلم کی صحیح روایت میں ہے:

طَلَاقُ السُّنَّۃِ یُطَلِّقُھَا تَطْلِیقَۃً یَعْنِی عَلَی طُھْرٍ مِنْ غَیْرِ جِمَاعٍ بِشَھَادَۃِ شَاھِدَیْنِ۔[1]

طلاق سنت یہ ہے کہ ان پاک دنوں میں جن ہمبستری نہ ہوئی ہو، دو گواہوں کے سامنے طلاق دی جائے۔

اس طرح ان دو گواہوں کا عادل ہونا بھی شرط ہے اس پر بھی ائمہ اہل البیت علیہم السلام کی متعدد روایات موجود ہیں۔

مَنْ طَلَّقَ بِغَیْرِ شُھُودٍ فَلَیْسَ بِشَیْءٍ۔[2]

کوئی بغیر گواہ کے طلاق دے تو یہ طلاق کچھ بھی نہیں ہے۔

یعنی غیر مؤثر ہے۔

اس پر خرید و فروخت کے بارے میں گواہ رکھنے کے حکم کے ساتھ قیاس نہیں ہو سکتا ہے جہاں گواہ لینے کا حکم ہے۔ گواہ نہ ہونے کی صورت میں بھی بیع صحیح ہو جاتی ہے کیونکہ اول تو بیع معاملہ ہے، یہ معاملہ نہیں ہے۔ ثانیاً بیع میں فرمایا ہے:

وَاسۡتَشۡہِدُوۡا شَہِیۡدَیۡنِ مِنۡ رِّجَالِکُمۡ ...[3] پھر تم لوگ اپنے میں سے دو مردوں کو گواہ بنا لو۔

استشہاد سے طلب شہادت مراد ہے۔ یعنی قاضی کو حکم ہے اختلاف کی صورت میں دو گواہ طلب کرو۔ یہاں سین استفعال، طلب کے لیے ہے اس پر وَلَا یَاۡبَ الشُّہَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوۡا قرینہ ہے۔ جب کہ آیت طلاق میں وَّاَشۡہِدُوۡا گواہ رکھنے اور بنانے کا حکم ہے۔ عند النزاع طلب کا حکم نہیں ہے۔

---

[1] الکافی ٦: ٦٥ [2] الکافی ٦: ٦٠۔ الوسائل ٢٢: ٢٧ [3] ٢بقرۃ: ٢٨٢

٣۔ وَاَقِيۡمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ: گواہی دیتے ہوئے اپنی ذاتی خواہشات، رشتہ داری کا لحاظ یا کوئی مفاد سامنے نہ رکھا جائے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کو سامنے رکھ کر شہادت دینی چاہیے۔

٤۔ ذٰلِكُمۡ يُوۡعَظُ بِهٖ: یہ وعظ ہے جو خود تمہارے مفاد میں ہے۔ اس مفاد کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو ایمان باللہ کے ساتھ آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہوں۔ چونکہ ناموس اور نسل انسانی کا مسئلہ ہے اس میں زیادہ احتیاط کرنا لازمی ہے۔

گزشتہ آیات میں جو احکام بتائے ہیں وہ سب اللہ کا اٹل ناقابل تغیر قانون ہے صرف نصیحت نہیں ہے۔ لفظ وعظ بیان احکام کے بعد تنبیہ و تاکید کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے:

وَيَنۡهٰى عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡكَرِ وَالۡبَغۡىِ ۚ اور بے حیائی اور برائی اور زیادتی سے منع کرتا ہے۔

يَعِظُكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ۝ [1] وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے شاید تم نصیحت قبول کرو۔

اس جگہ وعظ تنبیہ کی جگہ ہے۔ چنانچہ راغب مفردات میں لکھتے ہیں:

الوعظ زجر مقترن بتخويف۔ وعظ ایسی زجر و تنبیہ کو کہتے ہیں جس میں خوف دلانے کی آمیزش ہو۔

اللہ کا وعظ صرف ایک سفارش نہیں ہے جیسا کہ تفہیم القرآن کے مؤلف کو اشتباہ ہوا ہے اور واعظ سے اردو محاورے کا وعظ و نصیحت مراد لیا ہے جس پر عمل کرو تو بہتر ورنہ کوئی حرج نہیں ہے۔

٥۔ وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا: جو تقویٰ اختیار کرے گا اللہ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔ یعنی متقی بند گلی میں نہیں پھنسے گا۔ تقویٰ کا دائرہ وسیع ہے لیکن طلاق کے موضوع میں تقویٰ کا یہ حکیمانہ راز بیان کرنے کا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ طلاق میں انسانی قدروں سے کھیلنے کے مواقع زیادہ ہیں۔

اگرچہ تقویٰ کی اس خاصیت کا ذکر طلاق کے موقع پر فرمایا لیکن تقویٰ زندگی کے تمام مراحل اور شعبوں میں یہی اثر رکھتا ہے۔

تقویٰ کی وجہ سے انسان کا ضمیر صاف، احساس زندہ اور عقل بیدار ہوتی ہے۔ زندگی کے ہر موڑ پر تقویٰ انسان کی رہنمائی کرتا ہے کون سا راستہ حق، صحیح اور آسان ہے اور کون سا راستہ باطل، غلط اور مشکل ہے۔ اس طرح متقی دین اور آخرت میں بند گلی میں نہیں پھنستا۔

حدیث میں اس آیت کی تفسیر میں آیا ہے:

مَخۡرَجًا من شبهات الدنيا ومن غمرات الموت و شدائد يوم القيامة۔ [2] اللہ تقویٰ کی وجہ سے دنیا میں شبہات اور موت کی سختیوں سے اور قیامت کے شدائد سے نکلنے کا راستہ بناتا ہے۔

---

[1] ١٦ نحل: ٩٠ [2] بحار ٦٧: ٢٨١

تقویٰ کے آثار کے بارے میں مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ انفال آیت ۲۹۔

۶۔ وَّیَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ: یہ گمان نہ ہو کہ تقویٰ اختیار کر کے حرام مال کمانے اور بچانے سے پرہیز کیا جائے اور نان و نفقہ بھی دیا جائے تو کہاں سے کھائیں گے؟ اللہ متقی کو ایسے راستے سے رزق عنایت فرمائے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہو۔

۷۔ وَمَنۡ یَّتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ فَهُوَ حَسۡبُهٗ: ان امور کو اگر متقی اللہ پر چھوڑ دے تو اس کے لیے اللہ کافی ہو گا کسی کے دروازے پر جانے کی ضرورت نہ ہو گی۔ اگر انسان ان امور کو اپنے ہاتھ میں لے اور اللہ پر توکل نہ کرے تو ہر دروازے پر جانا پڑے گا پھر بھی اس کی زندگی کے امور حل نہ ہوں گے کیونکہ اللہ کا وضع کردہ نظام علل و اسباب کا نظام ہے۔ یہ علل و اسباب انسان کی دسترس میں اس وقت آتے ہیں جب مسبب الاسباب پر بھروسہ کرے اور اگر انسان اپنی تدبیر پر بھروسہ کرتا ہے تو اللہ اسے اپنے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔

۸۔ اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ اَمۡرِهٖ: اللہ کو اپنا کام پورا کرنے اور اسباب و علل فراہم کرنے میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آتی۔ اس کا صرف ارادہ کرنا ہے اور ارادہ نافذ ہو جاتا ہے۔

۹۔ قَدۡ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیۡءٍ قَدۡرًا: اللہ کا نظام اندھا نظام نہیں ہے۔ ہر چیز کو اس کے مقرر کردہ قانون میں رہنا ہے۔ اسی حکیمانہ نظام میں تقویٰ کا اثر بھی ایک دقیق قانون کے تحت ہے۔

وَالّٰٓیِٴۡ یَئِسۡنَ مِنَ الۡمَحِیۡضِ مِنۡ نِّسَآئِکُمۡ اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشۡهُرٍ ۙ وَّالّٰٓیِٴۡ لَمۡ یَحِضۡنَ ؕ وَاُولَاتُ الۡاَحۡمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنۡ یَّضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ ؕ وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّهٗ مِنۡ اَمۡرِهٖ یُسۡرًا ④

۴۔ تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے ناامید ہو گئی ہیں، (ان کے بارے میں) اگر تمہیں شک ہو جائے (کہ خون کا بند ہونا سن رسیدہ ہونے کی وجہ سے ہے یا کسی اور عارضے کی وجہ سے) تو ان کی عدت تین ماہ ہے اور یہی حکم ان عورتوں کا ہے جنہیں حیض نہ آتا ہو اور حاملہ عورتوں کی عدت ان کا وضع حمل ہے اور جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اس کے معاملے میں آسانی پیدا کر دیتا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَالّٰٓیِٴۡ یَئِسۡنَ: یہاں دو عورتوں کی عدت کا حکم بیان ہوا ہے:

الف: وہ عورت جو حیض بند ہونے کی عمر کو پہنچ رہی ہو اور شک ہو کہ حیض کا بند ہونا عمر کی وجہ سے

ہے یا کسی عارضہ کی وجہ سے۔ اس صورت میں عدت تین ماہ ہے۔

ب: وہ عورت جو حیض بند ہونے کی عمر کو نہیں پہنچی مگر کسی عارضے کی وجہ سے حیض نہیں آتا، ایسی عورت کی عدت بھی تین ماہ ہے۔ یہاں ماہ سے مراد قمری ماہ ہے۔

اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ میں دو احتمالات ہیں: شک اس بات میں ہو کہ بانجھ ہونے کی عمر کو پہنچ گئی ہے لیکن حاملہ ہے یا نہیں؟ بانجھ ہونے کی عمر عام عورتوں کے لیے پچاس سال اور سادات کے لیے ساٹھ سال ہے۔

دوسرا یہ احتمال ہے شک اس بات میں ہو کہ حیض بند ہونے کی عمر کو پہنچ چکی ہے یا نہیں، ہر صورت میں عدت تین ماہ ہے۔

۲۔ وَاُولَاتُ الۡاَحۡمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنۡ یَّضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ: حاملہ عورتوں کی عدت ان کا وضع حمل یعنی بچے کی پیدائش ہے۔ خواہ طلاق کے ایک گھنٹے کے بعد ولادت ہو جائے، عدت ختم ہو جائے گی اور خواہ طلاق کے نو ماہ بعد بچے کی ولادت ہو تو نو ماہ عدت ہو گی۔

۳۔ وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجۡعَلۡ لَّهٗ مِنۡ اَمۡرِهٖ یُسۡرًا: جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وضع کردہ حدود کی پابندی کرے اس کے لیے اللہ تعالیٰ آسانیاں پیدا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وضع کردہ قوانین تقاضائے فطرت کے عین مطابق ہیں جس سے معاملات سدھارنے میں آسانی پیدا ہو گی۔

ذٰلِكَ اَمۡرُ اللّٰهِ اَنۡزَلَهٗۤ اِلَیۡكُمۡ ؕ وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰهَ یُكَفِّرۡ عَنۡهُ سَیِّاٰتِهٖ وَیُعۡظِمۡ لَهٗۤ اَجۡرًا ﴿۵﴾

۵۔ یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف نازل کیا ہے اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کی برائیاں اس سے دور کر دے گا اور اس کے لیے اجر کو بڑھا دے گا۔

تفسیر آیات

۱۔ ذٰلِكَ اَمۡرُ اللّٰهِ: یہ عائلی قوانین اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جو تمہاری زندگی سدھارنے، تمہاری زندگی میں پیش آنے والی الجھنوں کو سلجھانے کے لیے ہے۔

۲۔ وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰهَ: جو تقویٰ اختیار کرے گا اس کے دو رآثار یہاں مذکور ہیں:

الف یُكَفِّرۡ عَنۡهُ سَیِّاٰتِهٖ: یہ تقویٰ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو گا۔ محل نزول کے اعتبار سے جو لوگ طلاق و عدت کے موضوع میں انسانی حقوق اور قدروں کا لحاظ رکھیں گے اور کسی قسم کی خلاف ورزی سے پرہیز کریں گے ان کے دوسرے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

ب: وَیُعۡظِمۡ لَہٗۤ اَجۡرًا: اس کے اعمال خیر کے ثواب میں اضافہ ہو جائے گا چونکہ تقویٰ کی وجہ سے متقی میں خوبی آئے گی۔ یہ قاعدہ ہے کہ عمل کنندہ میں خوبی بڑھنے سے عمل میں خوبی بڑھ جاتی ہے۔

آثار تقویٰ: تقویٰ کے درج ذیل جو آثار ان آیات میں بیان فرمائے ہیں نہایت قابل توجہ ہیں:

i۔ متقی بند گلی میں نہیں پھنستا: وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًا۔

ii۔ متقی کی مشکلات آسان ہو جاتی ہیں: وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مِنۡ اَمۡرِہٖ یُسۡرًا۔

iii۔ متقی کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں: وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یُکَفِّرۡ عَنۡہُ سَیِّاٰتِہٖ۔

iv۔ متقی کے اجر میں اضافہ ہو جاتا ہے: وَیُعۡظِمۡ لَہٗۤ اَجۡرًا۔

v۔ متقی کو بصیرت مل جاتی ہے: اِنۡ تَتَّقُوا اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّکُمۡ فُرۡقَانًا...[1]

اَسۡکِنُوۡہُنَّ مِنۡ حَیۡثُ سَکَنۡتُمۡ مِّنۡ وُّجۡدِکُمۡ وَلَا تُضَآرُّوۡہُنَّ لِتُضَیِّقُوۡا عَلَیۡہِنَّ ؕ وَاِنۡ کُنَّ اُولَاتِ حَمۡلٍ فَاَنۡفِقُوۡا عَلَیۡہِنَّ حَتّٰی یَضَعۡنَ حَمۡلَہُنَّ ۚ فَاِنۡ اَرۡضَعۡنَ لَکُمۡ فَاٰتُوۡہُنَّ اُجُوۡرَہُنَّ ۚ وَاۡتَمِرُوۡا بَیۡنَکُمۡ بِمَعۡرُوۡفٍ ۚ وَاِنۡ تَعَاسَرۡتُمۡ فَسَتُرۡضِعُ لَہٗۤ اُخۡرٰی ؕ﴿۶﴾

۶۔ ان عورتوں کو (زمانہ عدت میں) بقدر امکان وہاں سکونت دو جہاں تم رہتے ہو اور انہیں تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ پہنچاؤ، اگر وہ حاملہ ہوں تو وضع حمل تک انہیں خرچہ دیتے رہو پھر اگر تمہارے کہنے پر وہ دودھ پلائیں تو انہیں (اس کی) اجرت دے دیا کرو اور احسن طریقے سے باہم مشورہ کر لیا کرو اور (اجرت طے کرنے میں) اگر تمہیں آپس میں دشواری پیش آئے تو (ماں کی جگہ) کوئی اور عورت دودھ پلائے گی۔

تفسیر آیات

۱۔ اَسۡکِنُوۡہُنَّ مِنۡ حَیۡثُ سَکَنۡتُمۡ: مطلقہ عورتوں کو عدت کے دنوں میں سکونت کی جگہ اسی سطح کی دو جس میں تم خود رہتے ہو۔ یہ جائز نہیں ہے کہ تم کوٹھی میں رہو اور مطلقہ کو سرونٹ کوارٹر میں رکھو۔ عورت کی عزت و مقام کا بھی خیال رکھو۔

۲۔ مِّنۡ وُّجۡدِکُمۡ: الوجد الوسع والطاقۃ یعنی بقدر امکان۔ مطلقہ عورت کو بقدر امکان

---

[1] ۸ انفال: ۲۹

سکونت کی جگہ دو جہاں تم رہتے ہو۔ اگر گھر کرایہ کا ہو اور صاحب مکان اس عورت کے رہنے پر راضی نہ ہو تو مِنۡ حَیۡثُ سَکَنۡتُمۡ "جہاں تم رہتے ہو" اس کی طاقت نہیں ہے تو کہیں اور ٹھہرائیں گے۔

واضح رہے فقہ جعفری کے مطابق رہائش کا حق اس مطلقہ عورت کو ملے گا جو طلاق رجعی کی عدت میں ہو۔ طلاق بائن والی عورت، جسے مبتوتہ بھی کہتے ہیں کو رہائش کا حق حاصل نہیں ہے۔

۲۔ وَلَا تُضَآرُّوۡہُنَّ لِتُضَیِّقُوۡا عَلَیۡہِنَّ: طلاق کے بعد نان نفقہ میں کوتاہی کر کے، سکونت کی جگہ غیر مناسب دے کر اور لباس، بستر وغیرہ لوازم زندگی فراہم نہ کر کے عدت میں بیٹھنے والی عورت کو تنگ نہ کرو۔

۳۔ وَاِنۡ کُنَّ اُولَاتِ حَمۡلٍ: اگر مطلقہ عورت حاملہ ہے تو وضع حمل تک کا نان و نفقہ طلاق دہندہ سابقہ شوہر ادا کرے گا۔ مطلقہ عورت خواہ رجعیہ ہو یا بائنہ، ہر صورت کی طلاق میں بچے کی ولادت تک کا خرچ شوہر پر ہو گا۔

۴۔ فَاِنۡ اَرۡضَعۡنَ لَکُمۡ: عورت کو طلاق مل جاتی ہے۔ طلاق کے بعد بچے کی ولادت ہو جاتی ہے۔ ولادت کے بعد بچے کو دودھ پلانے کا مسئلہ درپیش ہے۔ والدین میں جدائی ہے۔ بچے کا خرچ باپ پر واجب ہے۔

۵۔ فَاٰتُوۡہُنَّ اُجُوۡرَہُنَّ: ماں کو دودھ پلانے کی اجرت، باپ سے لینے کا حق حاصل ہے چونکہ دودھ ماں کی ذاتی ملکیت ہے۔

۶۔ وَاۡتَمِرُوۡا بَیۡنَکُمۡ بِمَعۡرُوۡفٍ: اولاد کو دودھ پلانے اور پرورش کرنے کے بارے میں والدین میں جدائی کی وجہ سے منفی اثرات پڑ سکتے ہیں۔ ان سے بچنے کے لیے مطلقہ عورت، اس کے متعلقین اور طلاق دہندہ اور اس کے متعلقین آپس میں صلاح مشورہ کریں تاکہ خوش اسلوبی سے مسائل حل ہو جائیں اور بچے کو ماں کی ممتا سے محروم نہ کیا جائے اور بچے کی ماں کو بھی اپنے حقوق مل جائیں۔

۷۔ وَاِنۡ تَعَاسَرۡتُمۡ فَسَتُرۡضِعُ لَہٗۤ اُخۡرٰی: عسر و حرج اور غیر معمولی دشواری پیش آنے کی صورت میں دوسری عورت سے دودھ پلوائیں ورنہ ماں کا دودھ ہی ہر ممکن صورت میں شائستہ ہے۔ آپس میں مشورے کا حکم اور عسر و حرج کی شرط بتاتی ہے کہ بچے کے لیے ماں کا دودھ کس قدر ضروری ہے۔

لِیُنۡفِقۡ ذُوۡ سَعَۃٍ مِّنۡ سَعَتِہٖ ؕ وَمَنۡ قُدِرَ عَلَیۡہِ رِزۡقُہٗ فَلۡیُنۡفِقۡ مِمَّاۤ اٰتٰىہُ اللّٰہُ ؕ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىہَا ؕ سَیَجۡعَلُ اللّٰہُ بَعۡدَ عُسۡرٍ	۷۔ وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جس پر اس کے رزق میں تنگی کی گئی ہو اسے چاہیے کہ جتنا اللہ نے اسے دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ کسی کو اس سے زیادہ مکلف

يُسْرًا ۝٧ — نہیں بناتا جتنا اسے دیا ہے، تنگدستی کے بعد عنقریب اللہ آسانی پیدا کر دے گا۔

ع ۱۷

تفسیر آیات

۱۔ لِيُنْفِقْ ذُوْسَعَةٍ: مالدار اور غریب میں سے ہر ایک اپنی اپنی گنجائش کے مطابق خرچ کریں۔ ہر ایک پر اپنی مالی استطاعت کے مطابق ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ یہ حکم دودھ پلانے والی ماں کے مصارف کے بارے میں تو یقیناً ہے لیکن کیا یہی حکم عدت کے دنوں کا بھی ہے؟ اس میں دو رائے ہیں۔

۲۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا: اللہ انسانوں پر طاقت و امکان سے زیادہ تکلیف عائد نہیں فرماتا۔ یہ بات تمام عقلاء کے نزدیک بھی قابل قبول نہیں ہے کہ جو انسان کے بس میں نہ ہو اسے انجام دینے کا حکم دیا جائے اور نہ کرنے پر اس سے مواخذہ کیا جائے کہ جو کام تم نہیں کر سکتے تھے اسے کیوں نہیں کیا؟

حدیث نبوی ہے:

وُضِعَ عَنْ اُمَّتِي تِسْعَةُ اَشْيَاءَ السَّهْوُ الْخَطَأُ وَالنِّسْيَانُ وَ مَا اُكْرِهُوا عَلَيْهِ وَ مَا لَا يَعْلَمُونَ وَ مَا لَا يُطِيقُونَ وَ الطِّيَرَةُ وَ الْحَسَدُ وَالتَّفَكُّرُ فِي الْوَسْوَسَةِ فِي الْخَلْقِ مَا لَمْ يَنْطِقِ الْاِنْسَانُ بِشَفَةٍ۔[1]

میری امت سے نو چیزوں کی ذمے داری اٹھا لی گئی ہے۔ سہو خطا اور بھول چوک، جس پر مجبور کیا گیا ہے، جو چیز وہ (بغیر کوتاہی کے) نہیں جانتے ہیں، جو بات طاقت سے باہر ہے، بدشگونی، حسد اور خلق خدا کے بارے میں وسوسہ جب تک منہ پر نہ لائے۔

۳۔ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا: اگر احکام قرآن کی پابندی کی جائے تو اللہ تنگدستی کے بعد کشائش فراہم فرمائے گا۔ اس میں تنگدست لوگوں کے لیے ایک تسلی ہے کہ حالات ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہتے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝٨

۸۔ اور ایسی کتنی بستیاں ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار اور اس کے رسولوں کے حکم سے سرتابی کی تو ہم نے بھی ان سے سخت حساب لیا اور انہیں برے عذاب میں ڈال دیا۔

فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۝٩

۹۔ پھر انہوں نے اپنے اعمال کے وبال کا ذائقہ چکھ لیا اور ان کا انجام خسارے پر منتہی ہوا۔

---

[1] الفقیہ ۱: ۵۹

تفسیر آیات

۱۔ وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ عَتَتۡ عَنۡ اَمۡرِ رَبِّهَا: مکہ کے مشرکین کی تنبیہ کے لیے فرمایا: تم سے پہلے کتنی ایسی بستیاں گزری ہیں کہ ان لوگوں نے بھی تمہاری طرح اپنے رب اور اپنے رسول کو ماننے سے انکار کیا۔

۲۔ فَحَاسَبۡنٰهَا: ہم نے ان کی بداعمالیوں کا خوب حساب کیا۔ یعنی نظرانداز نہیں کیا اور عبرتناک عذاب سے دوچار کیا۔

۳۔ فَذَاقَتۡ وَبَالَ اَمۡرِهَا: ان سرکشوں کا جب حساب کیا گیا تو وہ اپنے اعمال کے وبال میں مبتلا ہو گئے اور اپنی ابدی اور ہمیشہ کی عاقبت کو خسارے سے دوچار کر دیا۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمۡ عَذَابًا شَدِيۡدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِى الۡاَلۡبَابِ ۛۚ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ۛ قَدۡ اَنۡزَلَ اللّٰهُ اِلَيۡكُمۡ ذِكۡرًا ۙ﴿۱۰﴾

۱۰۔ ان کے لیے اللہ نے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے، پس اے عقل مند ایماندارو! اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ نے تمہاری طرف ایک ذکر نازل کیا ہے۔

رَّسُوۡلًا يَّتۡلُوۡا عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخۡرِجَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ ؕ وَمَنۡ يُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ وَيَعۡمَلۡ صَالِحًا يُّدۡخِلۡهُ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا ؕ قَدۡ اَحۡسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزۡقًا ﴿۱۱﴾

۱۱۔ ایک ایسا رسول جو تمہیں اللہ کی واضح آیات پڑھ کر سناتا ہے تاکہ وہ ایمان لانے والوں اور نیک اعمال بجالانے والوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے اور جو اللہ پر ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے اللہ اسے ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جن میں وہ ابد تک ہمیشہ رہیں گے، اللہ نے ایسے شخص کے لیے بہترین رزق دے رکھا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمۡ عَذَابًا شَدِيۡدًا: ان منکرین کے لیے عذاب آمادہ ہے جیسے ہی یہ لوگ اس دنیا سے کوچ کر جائیں گے عذاب شدید ان کا استقبال کرے گا۔

۲۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِى الۡاَلۡبَابِ: صاحبان عقل و خرد سے ان کی عقلوں کی بنا پر خطاب ہے کہ تم

تو عقل رکھتے ہو، عذاب یا عدل الٰہی سے اپنے آپ کو بچاؤ۔

۳۔ قَدۡ اَنۡزَلَ اللّٰہُ اِلَیۡکُمۡ : بچاؤ کا سامان نجات تمہاری طرف آ گیا ہے۔

۴۔ ذِکۡرًا ۙ﴿۱۰﴾ رَّسُوۡلًا: وہ تذکر و نصیحت سے مرصع رسول ہیں۔ رَّسُوۡلًا سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اس پر یَّتۡلُوۡا عَلَیۡکُمۡ دلیل ہے اور ذِکۡرًا سے مراد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے جو:

حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ۔[۱] تمہاری بھلائی کا نہایت خواہاں اور مومنین کے لیے نہایت شفیق، مہربان ہے۔

۵۔ یَّتۡلُوۡا عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِ اللّٰہِ: مجسمہ نصیحت یہ رسول آیات الٰہی جو انتہائی واضح اور غیر مبہم ہیں تمہیں کو پڑھ کر سناتے ہیں تا کہ تم ان آیات پر ایمان و عمل کے ذریعے کفر کی ظلمتوں سے نکل کر ایمان کی روشنی کی طرف آ جاؤ۔

۶۔ وَ مَنۡ یُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰہِ وَ یَعۡمَلۡ صَالِحًا: جو شخص اس نصیحت کے پیکر رسول کے ذریعے اللہ کی وحدانیت پر ایمان لے آتا ہے، پھر عمل صالح بجا لاتا ہے جو اس کے ایمان پر واحد دلیل ہے تو اسے ابدی اور دائمی حیات والی جنت میں داخل کیا جائے گا۔

۷۔ قَدۡ اَحۡسَنَ اللّٰہُ لَہٗ رِزۡقًا: جنت سے بہتر عنایت کیا ہو سکتی ہے جو ختم نہ ہونے والی ابدی عنایت ہے۔

اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ وَّ مِنَ الۡاَرۡضِ مِثۡلَہُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الۡاَمۡرُ بَیۡنَہُنَّ لِتَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۬ۙ وَّ اَنَّ اللّٰہَ قَدۡ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عِلۡمًا ﴿۱۲﴾ ع

۱۲۔ وہی اللہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور انہی کی طرح زمین بھی، اس کا حکم ان کے درمیان اترتا ہے تا کہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ اللہ نے بلحاظ علم ہر چیز پر احاطہ کیا ہوا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ: کیا تم اس اللہ کی ربوبیت اور تدبیر کے منکر ہو جس نے سات آسمانوں کو بنایا جو انسان کی تخلیق سے زیادہ باعظمت ہے۔

۲۔ وَّ مِنَ الۡاَرۡضِ مِثۡلَہُنَّ: اور آسمانوں کی طرح زمین بھی۔ زمین بھی آسمانوں کی طرح بنائی۔

اس میں چند ایک احتمالات بیان کیے گئے ہیں:

الف: مِثۡلَہُنَّ سے مراد تعداد ہے۔ یعنی زمین بھی سات ہیں اور سات سے مراد کثرت بیان کرنا

---

[۱] ۹ توبۃ: ۱۲۸

ہے۔ جیسے سات اور ستر کا لفظ محاورے میں کثرت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔
ب: اس سے مراد ہفت اقلیم ہے۔
ج: اس سے سات طبقات ارضی مراد ہیں۔
د: مِثۡلَهُنَّ سے مراد عناصر ہیں۔ آسمانوں کو جن عناصر سے بنایا ہے زمین بھی انہیں عناصر سے مرکب ہونے میں آسمان کی مانند ہے۔
ھ: بعض نے کہا وَّ مِنَ الۡاَرۡضِ مِثۡلَهُنَّ سے مراد خلق من الارض مثل السموات السبع۔ زمین سے ایسی مخلوق بنائی ہے جو عظمت میں سات آسمانوں کی مانند ہے اور وہ انسان ہے۔
و: وَّ مِنَ میں مِن زائدہ ہے اور مِثۡلَهُنَّ کا مطلب یہ ہے کہ زمین کی تخلیق آسمان کی طرح ہوئی ہے۔ یعنی کن فیکون، ایک ارادہ الٰہی سے ای خلق الارض مثل السموات۔
بہرحال مِثۡلَهُنَّ کی جو تفسیر اختیار کی جائے۔
اس کائنات میں ہماری زمین کی طرح کے دوسرے بے شمار کرات کا ہونا ایک قدرتی بات ہے۔ کہتے ہیں: صرف ہمارے کہکشاں میں ۶۰ کروڑ ایسے کرات موجود ہیں جو ساخت و بافت اور طبعی حالات میں ہماری زمین کے مشابہ ہیں۔
لہٰذا بہتر یہی ہے کہ وَّ مِنَ الۡاَرۡضِ مِثۡلَهُنَّ کی تفسیر سے اپنی عاجزی کا اظہار کیا جائے۔ ممکن ہے آیندہ نسلوں کے لیے اس جملے کی تفسیر ممکن ہو جائے۔
سات زمینوں کے بارے میں ابوہریرہ کی روایت جو امام احمد بن حنبل اور ترمذی نے نقل کی ہے قابل تعجب ہے۔ ابوہریرہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لو انکم دلیتم بحبل الی الارض السفلی لهبط علی الله۔	اگر تم نے کوئی رسی پائین ترین زمین کی طرف لٹکا دی تو وہ اللہ پر گرے گی۔

اور جو تاویل منقول ہے کہ اللہ سے مراد علم خدا ہے، عذر گناہ بدتر از گناہ ہے کہ علم خدا زیرین زمین پر موجود ہے؟
۲۔ یَتَنَزَّلُ الۡاَمۡرُ بَیۡنَهُنَّ: بظاہر آسمانوں اور زمین کے درمیان حکم الٰہی نازل ہوتا ہے۔ الۡاَمۡرُ سے مراد امر ایجادی ہوسکتا ہے اور امر تدبیری بھی ہوسکتا ہے۔ جس طرح فرمایا:

وَ اَوۡحٰی فِیۡ کُلِّ سَمَآءٍ اَمۡرَهَا ...[1]	اور ہر آسمان میں اس کا حکم پہنچا دیا۔

ہر آسمان کا نظام، زمان و مکان دوسرے سے مختلف ہوسکتا ہے۔ تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ حٰمٓ سجدہ آیت ۱۲۔
۳۔ لِتَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ: کائنات کی تخلیق اور ان میں موجود نظام اس لیے ہے کہ

۲۱۶

موجودات عاقل کو علم ہو جائے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ زندگی کو دوبارہ پیدا کرنا یا اس کائنات کو ختم کر کے نئی کائنات کا بنانا اللہ کے لیے آسان ہے۔

۴۔ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدۡ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیۡءٍ عِلۡمًا: اور یہ بات جاننے کے لیے کہ اللہ تعالیٰ کے احاطۂ علمی سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔ کوئی پتا نہیں گرتا مگر اللہ کو اس کا علم ہو جاتا ہے۔

۱ ۴۱ فصلت: ۱۲

سُورَةُ التَّحْرِيمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اس سورۃ مبارکہ کا سورۃ التحریم نام اس لیے ہوا اس میں ایک عمل کی تحریم کا ذکر ہے۔

تحریم کا واقعہ چونکہ بعض ازواج کے اعتراض پر پیش آیا اور روایات کے مطابق اس واقعہ میں حضرت صفیہ کا ذکر آتا ہے جو فتح خیبر کے بعد آپ کی زوجیت میں آئی تھیں اور حضرت ماریہ قبطیہ کا ذکر آتا ہے جنہیں مصر کے بادشاہ مقوقس نے آپ کے لیے ارسال کیا تھا جن کے بطن سے فرزند رسول حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ لہٰذا زمان نزول سنہ ۷ اور سنہ ۸ ہجری کے درمیان ہے۔

اس سورۃ مبارکہ میں اس بات پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ ذاتی کردار سے ہٹ کر کسی پاکیزہ ہستی کی زوجیت میں آنے میں کوئی فضیلت نہیں ہے۔ جیسے حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویاں رسول کی زوجیت میں ہونے کے باوجود جہنمی ہوئیں اور حضرت آسیہ فرعون جیسے طاغوت کی بیوی ہونے کے باوجود ذاتی کردار کی وجہ سے خاتون جنت ثابت ہوئیں۔

اس میں یہ واضح درس موجود ہے کہ ذاتی کردار سے ہٹ کر نسبتوں کی وجہ سے کوئی فضیلت نہیں ملتی۔ ذاتی کردار اعلیٰ ہونے کی صورت میں نسبت بھی فضیلت کا باعث بنتی ہے، ورنہ نہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ ۚ تَبۡتَغِیۡ مَرۡضَاتَ اَزۡوَاجِکَ ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ①

بنام خدائے رحمٰن رحیم

۱۔ اے نبی! جو چیز اللہ نے آپ کے لیے حلال کر دی ہے اسے آپ حرام کیوں ٹھہراتے ہیں؟ آپ اپنی ازواج کی مرضی چاہتے ہیں؟ اور اللہ بڑا بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ یَاَیُّهَاالنَّبِیُّ: مقام نبوت سے خطاب فرمایا چونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کے ذاتی مسئلہ کا بیان ہے۔ اگر تبلیغی مسئلہ ہوتا تو یَاَیُّهَاالرَّسُوۡلُ کہہ کر خطاب فرماتا۔ جیسے بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ ....[1] سے پہلے یَاَیُّهَا الرَّسُوۡلُ کہہ کر خطاب فرمایا۔

۲۔ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ: یہاں تُحَرِّمُ حرام ٹھہرانے سے مراد قسم ہے۔ ترک کی قسم کھانے سے اس چیز کا بجا لانا حرام ہو جاتا ہے۔ یہاں حرام سے مراد شرعاً حرام نہیں ہے۔ اس کا رسول اللہ ﷺ کو بھی حق نہیں ہے کہ اللہ کی حلال کردہ چیز حرام قرار دیں بلکہ قسماً حرام کر دیا تھا۔ جیسا کہ قَدۡ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمۡ تَحِلَّةَ اَیۡمَانِكُمۡ ''اللہ نے تمہارے لیے قسموں کے کھولنے کے واسطے (حکم) مقرر کیا ہے'' دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے قسم کھائی ہے۔

قرآن نے اس بات کی صراحت نہیں کی کہ وہ کون سی حلال چیز تھی جس کی رسول اللہ ﷺ نے اپنے آپ پر پابندی لگا دی۔ البتہ آیت کے سیاق سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ چیز بعض ازواج کو ناپسند تھی اور آپ ﷺ کو انہوں نے زچ کیا تو آپ ﷺ نے اس چیز کو ترک کرنے کی قسم کھائی۔ کسی چیز کے بجا لانے کی قسم کھانے سے اس کا بجا لانا واجب، ترک کرنے کی قسم کھانے سے اس کا بجا لانا حرام ہو جاتا ہے۔

ایک روایت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ کی نوبت کے دن ماریہ کے ہاں تشریف لے گئے جس کا حضرت حفصہ کو علم ہو گیا تو آپؐ نے حفصہ سے فرمایا: اس بات کو پوشیدہ رکھو میں نے ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر دیا ہے یعنی قسم کھا کر۔

دوسری روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی زوجہ کے ہاں شہد کا شربت پیا تھا تو حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ نے کہا: آپ کے منہ سے بو آ رہی ہے۔ فرمایا: میں نے تو شہد کا شربت پیا ہے اور قسم کھائی کہ آئندہ نہیں پیوں گا۔

۳۔ تَبۡتَغِیۡ مَرۡضَاتَ اَزۡوَاجِكَ: آپ اپنی ازواج کی مرضی چاہتے ہیں؟ دراصل عتاب ازواج کی طرف ہے جنہوں نے رسول ﷺ کو اس عمل پر مجبور کر دیا۔ اس پر فَقَدۡ صَغَتۡ قُلُوۡبُكُمَا ''تم دونوں (ازواج) کے دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں'' دلیل ہے۔

تفہیم القرآن میں آیت کے ذیل میں آیا ہے:

> مقصد صرف حضورؐ ہی کو تحریم حلال پر ٹوکنا نہیں تھا بلکہ ساتھ ساتھ ازواج مطہرات کو بھی اس بات پر متنبہ کرنا تھا کہ انہوں نے ازواج نبی ہونے کی حیثیت سے اپنی نازک ذمہ داریوں

---

[1] ۵ مائدہ: ۶۷

کا احساس نہ کیا اور حضورؐ سے ایک ایسا کام کرا دیا جس سے ایک حلال چیز کے حرام ہو جانے کا خطرہ پیدا ہوسکتا تھا۔

قَدۡ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمۡ تَحِلَّةَ اَيۡمَانِكُمۡ ۚ وَاللّٰهُ مَوۡلٰٮكُمۡ ۚ وَهُوَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ ۝٢

۲۔ اللہ نے تمہارے لیے قسموں کے کھولنے کے واسطے (حکم) مقرر کیا ہے، اللہ ہی تمہارا مولا ہے اور وہی خوب جاننے والا، حکمت والا ہے۔

تشریح کلمات

فَرَضَ: (ف ر ض) الفرض سخت چیز کے کاٹنے اور اس پر نشان ڈالنے کو کہتے ہیں۔ نصیبا مفروضا میں مقرر شدہ کے معنوں میں ہے۔ وقد فرضتم لھنّ فریضة میں بھی مقرر کرنے کے معنوں میں ہے۔ اس آیت میں بھی مقرر کے معنوں میں ہے۔

تَحِلَّةَ: (ح ل ل) مصدر ہے حلّل کا۔ غیر قیاسی ہے۔ قیاسی مصدر التحلیل ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ قَدۡ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمۡ تَحِلَّةَ اَيۡمَانِكُمۡ: اللہ نے تمہاری قسموں کے کھولنے کے لیے حکم مقرر کیا ہے جیسا کہ سورہ مائدہ آیت ۸۹ میں مذکور ہے۔ اس جملے سے دو باتوں کا اشارہ ملتا ہے۔ اول یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم کھا کر اس امر کو اپنے اوپر حرام کیا تھا۔

دوم یہ کہ قسم کھانے کی صورت میں قسم سے نکلنے کا راستہ بھی اللہ نے مقرر فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں روایت ہے کہ آپ علیہ السلام اپنی زوجہ کے کسی عمل پر برہم ہوئے اور قسم کھائی کہ اسے سو کوڑے ماریں گے۔ بعد میں وہ بے گناہ ثابت ہوئی تو پریشاں ہوئے۔ اللہ کی طرف سے حکم ہوا کہ سو تنکوں والا ایک جھاڑو اسے مارو کہ تمہاری قسم نہ ٹوٹے اور اسے تکلیف بھی نہ ہو۔ قرآن مجید میں اس بات کی طرف اشارہ ہے۔

وَخُذۡ بِيَدِكَ ضِغۡثًا فَاضۡرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحۡنَثۡ ...[1]

اپنے ہاتھ میں ایک گچھا تھام لیں اور اسی سے ماریں اور قسم نہ توڑیں۔

یہاں قسم کھولنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا گیا؟ آراء و روایات مختلف ہیں۔

i۔ ایک رائے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم کھائی تھی۔ بحکم خدا کفارہ دے کر قسم کھول لی۔

ii۔ دوسری رائے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قسم پر بھی کفارہ نہیں ہے۔

---

[1] ۳۸ ص: ۴۴

iii۔ تیسری رائے یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قسم نہیں کھائی تھی، وعدہ کیا تھا اور وعدے کا پورا رسول اللہ ﷺ پر واجب ہے۔

iv۔ چوتھی رائے یہ ہے کہ فَرَضَ سے مراد یہ ہے کہ قسم سے نکلنے کے لیے استثنا کا حکم دیا جائے۔ یعنی قسم کھانے کے بعد ان شاء اللّٰہ کہے تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ یعنی اگر یہ کہے قسم بخدا یہ کام میں نہیں کروں گا اگر اللہ نے چاہا۔ یہ رائے تفسیر جوامع الجامع نے نقل کی ہے۔

یہاں اس بحث کا کوئی نتیجہ نہیں ہے کہ ایک مستحسن امر کو چھوڑنے پر قسم ہوتی ہے یا نہیں۔ چونکہ اولاً یہ عملِ رسولؐ ہے ثانیاً قرآن قسم کے کھولنے کا اشارہ فرما رہا ہے۔

۲۔ وَاللّٰهُ مَوۡلٰىكُمۡ: اللہ تمہارا مولا ہے۔ اللہ کا وضع کردہ حکم تم پر نافذ ہے لہٰذا اس قسم کے حالات میں اللہ نے جو قانون وضع فرمایا ہے وہی تم پر نافذ ہوگا۔

وَ اِذۡ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعۡضِ اَزۡوَاجِهٖ حَدِیۡثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتۡ بِهٖ وَ اَظۡهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیۡهِ عَرَّفَ بَعۡضَهٗ وَ اَعۡرَضَ عَنۡۢ بَعۡضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتۡ مَنۡ اَنۡۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِیَ الۡعَلِیۡمُ الۡخَبِیۡرُ ﴿۳﴾

۳۔ اور (یاد کرو) جب نبی نے اپنی بعض ازواج سے راز کی بات کہی تھی پس جب اس نے اس (راز) کو فاش کیا اور اللہ نے نبی کو اس سے آگاہ کیا تو اس سے نبی نے اس کا کچھ حصہ بتا دیا اور کچھ حصہ ٹال دیا پھر جب نبی نے اپنی زوجہ کو وہ بات بتا دی تو وہ کہنے لگی: آپ کو یہ کس نے بتایا؟ فرمایا: مجھے (خدائے) علیم و خبیر نے خبر دی ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَاِذۡ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعۡضِ اَزۡوَاجِهٖ: تقریباً تمام مفسرین نے لکھا ہے: بَعۡضِ اَزۡوَاجِهٖ سے مراد حضرت حفصہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے راز کی کوئی بات حضرت حفصہ سے کی تھی اور اسے راز میں رکھنے کی تاکید فرمائی اور فرمایا تھا:

لا تذکری ذلك لاحد۔ اس بات کا کسی سے ذکر نہ کرنا۔

اس کے باوجود اس راز کے افشا کرنے پر حضور ﷺ غضبناک ہوئے اور بطور انتقام رجعی طلاق دی۔[1]

۲۔ حَدِیۡثًا: کوئی بات۔ یعنی کوئی راز کی بات کہی تھی۔ وہ بات کیا تھی؟

---

[1] الفواتح الالهیة ذیل آیت

i۔ حضرت ماریہ کا واقعہ حضرت عائشہ کو نہ بتانے کے لیے کہا تھا۔

ii۔ شہد پینے کا واقعہ۔

iii۔ شہد نہ پینے کی قسم۔

iv۔ خلافت کے بارے میں پیشنگوئی۔

بہرحال یہ بات اہم نہیں ہے کہ وہ راز کی بات کیا تھی۔ اسی لیے قرآن نے بھی اس بات کی طرف اشارہ نہیں فرمایا۔ اہم یہ ہے کہ اس راز کی حفاظت نہ کی گئی اور اسے فاش کیا۔ جس سے رسول اللہ ﷺ کو اذیت ہوئی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ راز کی بات شاید وہ نہیں تھی جو روایات میں مذکور ہے بلکہ کوئی نہایت اہم بات تھی جس کے افشا ہونے سے ایک فتنہ برپا ہونے کا خطرہ تھا۔ جیسا کہ سیاق سے معلوم ہوتا ہے۔

٣۔ فَلَمَّا نَبَّاَتۡ بِہٖ: جب اس (بعض ازواج) نے اس راز کو فاش کیا۔ ظاہر ہے اس راز کو فاش کرنے والی زوجہ وہی تھیں جنہیں اس راز کا رازداں بنایا تھا۔

٤۔ وَاَظۡہَرَہُ اللّٰہُ عَلَیۡہِ: اللہ نے نبی کو آگاہ کر دیا کہ راز فاش کر دیا گیا ہے۔ یہ راز کوئی عام سی بات نہ تھی ورنہ وحی کو مداخلت نہ کرنا پڑتی۔

۵۔ عَرَّفَ بَعۡضَہٗ: نبی نے اس راز کو فاش کرنے والی زوجہ سے اظہار فرمایا اور فاش کردہ راز کے ایک حصے کا ذکر فرمایا جس سے اس فتنے کو سر اٹھانے سے روکنا مطلوب تھا۔ جو فاش شدہ راز کے ایک حصے کے اظہار سے حاصل ہو جاتا تھا۔

٦۔ وَاَعۡرَضَ عَنۡۢ بَعۡضٍ: کچھ حصے کو ٹال دیا۔ قرآن میں اس بات کو مجمل رکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس راز کے کس حصے کا اظہار فرمایا اور کس حصے کو ٹال دیا ہے۔ اس سلسلے میں روایات مضطرب ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظ ہو الکشاف، الدر المنثور وغیرہ

٧۔ فَلَمَّا نَبَّاَہَا بِہٖ قَالَتۡ مَنۡ اَنۡۢبَاَکَ ہٰذَا: جب نبی ﷺ نے اپنی زوجہ کو وہ بات بتا دی جسے انہوں نے فاش کیا تھا تو دفعتہً اس زوجہ کے ذہن میں یہ بات آنا قدرتی تھا کہ شاید نبی کو اس نے بتایا ہو گا جس کے سامنے میں نے اس راز کو فاش کیا تھا۔ یعنی حضرت حفصہ کو یہ گمان ہوا کہ میں نے تو صرف حضرت عائشہ کو بتایا تھا اسی نے نبی کو بتایا ہو گا۔ اس لیے پوچھا: آپ کو کس نے بتایا؟ حضور ﷺ کا جواب سن کر کہ مجھے اللہ نے بتایا ہے یہ گمان دور ہو گیا کہ حضرت عائشہ نے بتایا ہے چونکہ یہ دونوں ہمراز، ہمگام، ہم فکر، ہم خیال تھیں۔ یہاں تک کہ جو راز رسول اللہ ﷺ نے سپرد کیا تھا اسے تو فاش کر دیا لیکن یہ دونوں آپس کے راز فاش نہیں کرتی تھیں۔

اگلی آیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں ازواج کس قسم کی مہم چلا رہی تھیں۔

اِنۡ تَتُوۡبَاۤ اِلَی اللّٰہِ فَقَدۡ صَغَتۡ قُلُوۡبُکُمَا ۚ وَ اِنۡ تَظٰہَرَا عَلَیۡہِ فَاِنَّ اللّٰہَ ہُوَ مَوۡلٰىہُ وَ جِبۡرِیۡلُ وَ صَالِحُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۚ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ بَعۡدَ ذٰلِکَ ظَہِیۡرٌ ﴿۴﴾

۴۔ اگر تم دونوں اللہ کے سامنے توبہ کر لو (تو بہتر ہے) کیونکہ تم دونوں کے دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں اور اگر تم نبی کے خلاف ایک دوسرے کی پشت پناہی کرو گی تو اللہ یقیناً اس (رسول) کا مولا ہے اور جبرئیل اور صالح مومنین اور فرشتے بھی اس کے بعد ان کے پشت پناہ ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ اِنۡ تَتُوۡبَاۤ اِلَی اللّٰہِ: اگر تم دونوں (حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ) اللہ کے سامنے توبہ کر لو اور رسول ﷺ کو اذیت دینے اور رسول کے خلاف کاروائیاں کرنے سے باز آ جاؤ تو بہتر۔ اِنۡ تَتُوۡبَاۤ میں کس چیز سے توبہ کرنے کے لیے کہا جا رہا ہے؟ وہ وَ اِنۡ تَظٰہَرَا عَلَیۡہِ سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی توبہ نہ کرنے کی صورت میں وَ اِنۡ تَظٰہَرَا عَلَیۡہِ رسول ﷺ کے خلاف گٹھ جوڑ ہے جس پر یہ دونوں قائم تھیں۔

۲۔ فَقَدۡ صَغَتۡ قُلُوۡبُکُمَا: آیت کے اس جملے کی تشریح میں تفہیم القرآن نے جو اقوال نقل کیے ہیں ان کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں:

> صَغو عربی زبان میں مڑ جانے اور ٹیڑھا ہو جانے کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس فقرے کا ترجمہ کیا ہے: ''ہر آئینہ کج شدہ است دل شما'' اور شاہ رفیع الدین صاحب کا ترجمہ ہے: ''کج ہو گئے ہیں دل تمہارے۔'' حضرات عبداللہ بن مسعود، عبد اللہ بن عباس، سفیان ثوری اور ضحاک نے اس کا مفہوم بیان کیا ہے۔ زَاغَتۡ قُلُوۡبُکُمَا یعنی ''تمہارے دل راہ راست سے ہٹ گئے ہیں۔'' امام رازی اس کی تشریح میں کہتے ہیں: عدلت و مالت عن الحق و ھو حق الرسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔ ''حق سے ہٹ گئے ہیں، اور حق سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے۔'' اور علامہ آلوسی کی تشریح یہ ہے: مالت عن الواجب من موافقتہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بِحُبِّ ما یحبہ و کراھۃ ما یکرھہ الی مخالفتہ۔ یعنی ''تم پر واجب تو یہ ہے رسول اللہ ﷺ جو کچھ پسند کریں اسے پسند کرنے میں اور جو کچھ آپ ناپسند کریں اسے ناپسند کرنے میں آپؐ کی موافقت کرو مگر تمہارے

دل آپ کی موافقت سے ہٹ کر آپ کی مخالفت کی طرف مڑ گئے ہیں۔"

۳۔ وَإِنْ تَظَٰهَرَا عَلَيْهِ: اس جگہ بھی ہم تفہیم قرآن کی عبارت نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

تَظَاهُر کے معنی ہیں کسی کے مقابلے میں باہم تعاون کرنا یا کسی کے خلاف ایکا کرنا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس فقرے کا ترجمہ کیا ہے: "اگر باهم متفق شوید بر رنجانیدن پیغمبر۔ شاہ عبد القادر صاحب ترجمہ ہے: "اگر تم دونوں چڑھائی کروگیاں اس پر۔" اور مولانا اشرف علی صاحب کا ترجمہ ہے: اور اگر اسی طرح پیغمبر کے مقابلے میں تم دونوں کارروائیاں کرتی رہیں اور مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب نے اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے: "اگر تم دونوں اسی طرح کارروائیاں اور مظاہرے کرتی رہیں۔"

ظَاهَرَ دو آدمیوں کے آپس میں ایک دوسرے کی حمایت، مدد اور پشتیبانی کرنے کو کہتے ہیں۔ جب اس کے بعد عَلیٰ کا لفظ آئے گا تو خلاف کے معنی بن جاتے ہیں۔ لہٰذا اس فقرے کا واضح مطلب یہ ہے: اگر تم دونوں نبی ﷺ کے خلاف ایک دوسرے کی حمایت اور پشتیبانی کرتی رہیں تو رسولؐ اکیلے نہیں ہیں۔

۴۔ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَٰلِكَ ظَهِيرٌ: اگر تم دونوں نے رسول کے خلاف باہمی جتھابندی ختم نہ کی تو تمہارے مقابلے کے لیے رسول تنہا نہیں ہیں۔ اللہ، رسول کا حامی ہے۔ جبریل اور مؤمنین میں صالح ہستی ان کے حامی و ناصر ہیں اور ساتھ فرشتے بھی ان کے پشت پناہ ہیں۔ یعنی اگر تم باز نہ آئیں تو مذکورہ ذوات کے ساتھ محاذ آرائی ہو گی۔

لہجہ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک سنگین مسئلہ درپیش تھا جس کے لیے وحی کو نہ صرف مداخلت کرنا پڑی بلکہ اس مہم جوئی کے خلاف اپنی طاقت کا اظہار کرنا پڑا۔

سید قطب فی ظلال القرآن میں اسی اندیشے کا اظہار کرتے ہیں:

اس سنگین اور ہولناک گرفت سے ہم اس حادثہ کی گہرائی اور قلب رسولؐ پر اس کے گہرے اثر کو سمجھ سکتے ہیں۔

اس جگہ تفہیم القرآن نے بھی بجا سوال اٹھایا ہے:

اس مقام پر سوچنے کے قابل بات دراصل یہ ہے اگر معاملہ صرف ایسا ہی ہلکا اور معمولی سا تھا کہ حضورؐ کبھی اپنی بیویوں کو کچھ کہتے تھے اور وہ پلٹ کر کچھ جواب دے دیا کرتی تھیں تو آخر اس کو اتنی اہمیت کیوں دی گئی کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے براہ راست خود ان ازواج مطہرات کو شدت کے ساتھ تنبیہ فرمائی۔

آیت کے لب و لہجے اور نص مضمون سے ایسا نہیں لگتا کہ معاملہ صرف ایک شہد کے شربت یا ماریہ کے واقعہ تک محدود تھا۔ میرا گمان یہ ہے۔ العلم عند اللہ اصل راز جسے ایک فرد تک فاش کیا گیا تھا اس کے

بعد راز ہی رہا ہے اور بہت بڑا خطرہ درپیش تھا جو وحی کی مداخلت کی وجہ سے ٹل گیا۔

قابل توجہ یہ ہے کہ اِنۡ تَتُوۡبَاۤ اگر تم دونوں توبہ کرو، تو کیا ہو گا؟ نتیجہ مذکور نہیں ہے۔ سیاق کلام پر چھوڑ دیا گیا ہے اور وَ اِنۡ تَظٰہَرَا عَلَیۡہِ اور اگر تم دونوں نبیؐ کے خلاف ایک دوسرے کے ساتھ گٹھ جوڑ کرو، تو کیا ہو گا؟ نتیجہ نہایت سنگین الفاظ میں بیان فرمایا: اس صورت میں اللہ، جبرئیل، مومنین میں سے صالح ہستی اور فرشتے تمہارے مقابلے میں میدان میں آئیں گے۔

وَ صَالِحُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ: سے مراد شیعہ روایات کے ساتھ اہل سنت کے متعدد مصادر کا بھی اتفاق ہے علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ذات گرامی ہے۔

ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر جہاں حدیث کے ذکر کے بعد کہتے ہیں: ضعیف منکر جداً۔ جیسا کہ ان کی یہ عادت ہے۔ روح المعانی، زاد المسیر فی علم التفسیر۔ الکشف و البیان، تفسیر قرطبی۔ شواھد التنزیل۔ تفسیر ثعلبی۔ الدر المنثور، ذیل آیہ شریفہ۔ اربلی کشف الغمۃ ا: ٣١٦، الصواعق المحرقۃ و دیگر متعدد مصادر۔ محمد بن العباس نے اس جگہ پچاس احادیث کا ذکر کیا ہے پھر ان میں سے بعض احادیث بیان کی ہیں۔ ان کے راویوں میں ابو رافع، عمار یاسر، ابن عباس وغیرھم کا ذکر آتا ہے۔

عَسٰی رَبُّہٗۤ اِنۡ طَلَّقَکُنَّ اَنۡ یُّبۡدِلَہٗۤ اَزۡوَاجًا خَیۡرًا مِّنۡکُنَّ مُسۡلِمٰتٍ مُّؤۡمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ وَّ اَبۡکَارًا ﴿۵﴾

۵۔ اگر نبی تمہیں طلاق دے دیں تو بعید نہیں کہ اس کا رب تمہارے بدلے اسے تم سے بہتر بیویاں عطا فرما دے جو مسلمان، ایماندار اطاعت گزار، توبہ کرنے والیاں، عبادت گزار اور روزہ رکھنے والیاں ہوں خواہ شوہر دیدہ ہوں یا کنواری۔

تفسیر آیات

اگرچہ تم زوجات نبیؐ ہونے کی وجہ سے امہات المومنین کی منزلت پر فائز ہوئیں ہو تاہم یہ شرف و منزلت تم سے سلب ہو سکتا ہے۔ اس طرح ہو سکتا ہے کہ رسول تمہیں طلاق دے دیں اور تمہیں اپنی زوجیت سے نکال دیں اور اللہ اپنے رسول کو تم سے بہتر ازواج عنایت فرمائے۔

اس کے بعد ان اوصاف کا ذکر ہوا جن میں وہ ان سے بہتر ہوتیں۔

اَزۡوَاجًا خَیۡرًا مِّنۡکُنَّ: اس جگہ جمع کا صیغہ شاید اس لیے ہو کہ ان دونوں ازواج کے ساتھ دیگر ازواج بھی ان کی ہمنوا ہوں۔ چنانچہ حافظ بدر الدین عینی نے عمدۃ القاری میں حضرت عائشہ کے حوالے

سے نقل کیا ہے کہ ازواج مطہرات کی دو پارٹیاں بن گئی تھیں۔ ایک میں خود حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ، حضرت سودہ اور حضرت صفیہ تھیں اور دوسری میں حضرت زینب، حضرت ام سلمہ اور باقی ازواج شامل تھیں۔[1]

i۔ مُسۡلِمٰتٍ: کردار میں حکم رسول کی فرماں برادری کرنے کے اعتبار سے تم سے بہتر ہوں گی،

ii۔ قٰنِتٰتٍ: اطاعت گزاری کے اعتبار سے،

iii۔ مُّؤۡمِنٰتٍ: قلبی اعتبار سے دل میں ایمان رکھنے میں،

iv۔ تٰٓئِبٰتٍ: ہر لغزش کی صورت میں اللہ کی طرف رجوع کرنے کے اعتبار سے،

v۔ عٰبِدٰتٍ: عبادت گزاری کے اعتبار سے،

vi۔ سٰٓئِحٰتٍ: روزہ داری یا مہاجرہ ہونے کے اعتبار سے،

vii۔ ثَیِّبٰتٍ وَّ اَبۡکَارًا: خواہ شوہر دیدہ ہوں یا کنواری، اس میں درجہ کا فرق نہ ہوتا۔

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَ اَہۡلِیۡکُمۡ نَارًا وَّ قُوۡدُہَا النَّاسُ وَ الۡحِجَارَۃُ عَلَیۡہَا مَلٰٓئِکَۃٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعۡصُوۡنَ اللّٰہَ مَاۤ اَمَرَہُمۡ وَ یَفۡعَلُوۡنَ مَا یُؤۡمَرُوۡنَ ۞	٦۔ اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، اس پر تند خو اور سخت مزاج فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم انہیں ملتا ہے اسے بجالاتے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ قُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ: سب سے پہلے ہر عاقل پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہر آنے والے خطرے سے بچائے خواہ وہ خطرہ وقتی ہی کیوں نہ ہو۔ اگر یہ خطرہ ہمیشہ اور ابدی ہو، پھر یہ خطرہ آتش میں عذاب کا ہو تو عاقل انسان کو اس پر سب سے زیادہ توجہ دینی چاہیے۔ ٢٢٩

۲۔ وَ اَہۡلِیۡکُمۡ نَارًا: اور اپنے اہل و عیال کو بھی آتش سے بچاؤ۔ اس حکم کے تحت یہ بات کافی نہیں ہے کہ انسان خود تقدس مآب بن جائے اور اہل و عیال کو آتش جہنم سے نہ بچائے۔ حدیث ہے:

كلكم راع و كلكم مسئول عن رعيته۔[2]	تم میں سے ہر ایک ذمے دار ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

---

[1] تفہیم القرآن ٦: ٢٧ [2] بحار ٧٢: ٣٨

اس آیت اور اس حدیث کی روشنی میں جس طرح ہر شخص اپنی ذات کے بارے میں ذمہ دار ہے۔ اپنے اہل و عیال جو اس کی رعیت ہے، کا ذمے دار ہے۔

مرد اپنے خاندان کے تمام افراد کے بارے میں، عورت اپنی زیر تربیت اولاد اور حقوق شوہر کے بارے میں ذمے دار ہے۔

۳۔ وَّقُوۡدُهَا النَّاسُ: جس آتش کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔ اس فقرے سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جہنمی خود بھی آتش میں جلے گا اور اس کی آتش سے دوسرے جہنمیوں کی آتش میں اضافہ ہو گا۔

۴۔ وَالۡحِجَارَةُ: پتھر بھی جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ واضح رہے کہ پتھر میں ایندھن بننے کی بے پناہ صلاحیت موجود ہے۔

۵۔ عَلَيۡهَا مَلٰٓـئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ: جہنمیوں کو عذاب میں مبتلا رکھنے کے لیے فرشتے موکل ہیں۔ یہ فرشتے چونکہ عذاب دینے کے لیے خلق ہوئے ہیں اس لیے تند خوئی اور سخت مزاجی ان کی سرشت میں ہو گی۔

۶۔ لَّا يَعۡصُوۡنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمۡ: فرشتے اپنے ارادے کے مالک نہیں ہیں بلکہ جس مقصد کے لیے اللہ نے انہیں خلق کیا ہے اس سے انحراف نہیں کرتے۔ یہاں معصیت کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

۷۔ وَيَفۡعَلُوۡنَ مَا يُؤۡمَرُوۡنَ: جو امر ان کی خلقت میں ودیعت ہوا ہے اسے انجام دیتے ہیں۔ انجام نہ دینے کی صورت یہاں نہیں ہے چونکہ یہ اپنے ارادے کے مالک نہیں بلکہ تابع ارادۂ الٰہی ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَا تَعۡتَذِرُوا الۡيَوۡمَ ؕ اِنَّمَا تُجۡزَوۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۟ ع	۷۔ اے کافرو! آج عذر پیش نہ کرو، جو عمل کرتے رہے ہو بس تمہیں اسی کی سزا ملے گی۔

تفسیر آیات

کافر جب عذاب جہنم میں مبتلا ہوں گے تو ان کافروں کا کوئی عذر قبول نہیں کیا جائے گا چونکہ یہ عذاب خود ان کے اعمال کا نتیجہ ہے اور خود ان کے اعمال امر واقع ہیں۔ اس سے عذر کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ جب ان کے برے اعمال خود عذاب بن جائیں تو عذر کیسا؟

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا تُوۡبُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ تَوۡبَةً نَّصُوۡحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمۡ اَنۡ يُّكَفِّرَ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ	۸۔ اے ایمان والو! اللہ کے آگے توبہ کرو خالص توبہ، بعید نہیں کہ اللہ تم سے تمہارے گناہ دور کر دے اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کر دے جن

وَيُدۡخِلَكُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُۙ يَوۡمَ لَا يُخۡزِى اللّٰهُ النَّبِىَّ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ‌ۚ نُوۡرُهُمۡ يَسۡعٰى بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَبِاَيۡمَانِهِمۡ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا وَاغۡفِرۡ لَنَا‌ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ⑧

کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اس دن اللہ نہ اپنے نبی کو رسوا کرے گا اور نہ ہی ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں، ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں طرف دوڑ رہا ہو گا اور وہ دعا کر رہے ہوں گے: اے ہمارے پروردگار! ہمارا نور ہمارے لیے پورا کر دے اور ہم سے درگزر فرما، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ تُوۡبُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ تَوۡبَةً نَّصُوۡحًا: النصح کسی ایسے قول یا فعل کا قصد کرنے کو کہتے ہیں جس میں دوسرے کی خیر خواہی ہو اور خلوص کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ چنانچہ خالص شہد کو ناصح العسل کہتے ہیں۔ اس صورت میں توبہ کو نصوح کہنے کا مطلب یہ ہو جاتا ہے کہ ایسی توبہ کرو جو نہایت خالص ہو چونکہ نصوح صیغہ مبالغہ ہے جیسے ضروب صیغہ مبالغہ ہے۔ نہایت خالص توبہ کا مطلب یہ ہے کہ دوبارہ اس گناہ کا نہ سوچے جس سے توبہ کی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے:

توبہ و استغفار کے چھ ستون ہیں۔ i۔ گزشتہ گناہوں پر ندامت۔ ii۔ عدم اعادہ کا عزم۔ iii۔ وہ تمام فرائض انجام دے جو چھوٹ گئے ہیں۔ iv۔ لوگوں کا حق ذمے نہ ہو۔ v۔ گناہ کے ذریعے جو گوشت بنا ہے وہ غم و اندوہ سے بدل کر تازہ گوشت بن جائے۔ vi۔ اپنے کو اطاعت کی تلخی چکھا دے جیسا کہ گناہ کی لذت چکھ لی ہے۔[1]

۲۔ عَسٰى رَبُّكُمۡ اَنۡ يُّكَفِّرَ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ: چونکہ توبہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں:

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ۔[2] گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

لہٰذا توبہ، گناہوں کا مؤثر ترین کفارہ ہے۔ واضح رہے: "عَسٰی" و "لعل" کے بعد اللہ تعالیٰ جس بات کا ذکر فرماتا ہے وہ ایک پسندیدہ بات ہوتی ہے جسے اللہ ضرور انجام دیتا ہے۔ یہ تقریباً وعدے کی مانند ہے۔

۳۔ وَيُدۡخِلَكُمۡ جَنّٰتٍ: ظاہر ہے جب گناہ دھل جائیں گے، جو جنت میں داخل ہونے کے

---

[1] مستدرک الوسائل ۱۲: ۱۳۰۔ قریب منہ فی الکشاف ۴: ۵۶۹
[2] الکافی ۲: ۴۳۵

لیے رکاوٹ تھے وہ دور ہونے کی صورت میں جنت میں داخل ہونا ممکن ہو جائے گا۔

۴۔ یَوۡمَ لَا یُخۡزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَہٗ: قیامت کے دن اللہ کے اپنے رسول اور ان کی معیت میں ایمان لانے والوں کو رسوا نہ کرنے کا مطلب دو اعتبار سے ہے:

الف: اللہ نے اپنے نبی کے ساتھ جو وعدے کیے ہیں ان میں کسی قسم کی کمی کر کے اپنے رسول کو رسوانہیں کرے گا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ۔[1] اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا کہ رسول رسوا ہو جائیں۔

ب: رسول اللہ ﷺ کو دوسرے انبیاء علیہم السلام اور امتوں کے مقابلے میں کم درجے پر فائز کر کے رسوا نہیں کرے گا۔ اس نکتے کو ہم نے امام زین العابدین سید الساجدین علیہ السلام کی دُعا کے ایک فقرے سے سمجھا ہے:

وَلَا تَفْضَحْنِی بَیْنَ یَدَی اَوْلِیَائِکَ۔[2] اپنے اولیاء کے سامنے مجھے رسوا نہ کر۔

واضح رہے خاصانِ خدا کو قیامت کے دن کی ہولنا کی کا علم ہے۔ اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام ابوالانبیاء ہونے کے باوجود اللہ سے دعا کرتے ہیں:

وَ لَا تُخۡزِنِیۡ یَوۡمَ یُبۡعَثُوۡنَ ۙ﴿۸۷﴾[3] اور مجھے اس روز رسوا نہ کرنا جب لوگ (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے۔

فرزند خلیل زین العابدین سید الساجدین علیہ السلام اپنی دعا میں فرماتے ہیں:

وَلَا تُخْزِنِی یَوْمَ تَبْعَثُنِی لِلِقَائِکَ۔[4] جس دن تو مجھے اپنی ملاقات کے لیے اٹھائے گا مجھے رسوا نہ کر۔

۵۔ نُوۡرُہُمۡ یَسۡعٰی بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ بِاَیۡمَانِہِمۡ: آیت کے اس فقرے کی تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ حدید آیت ۱۲۔

۶۔ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا: قیامت کے نور کی تکمیل کی دعا سے مراد مغفرت ہو سکتی ہے۔ گناہ دھلنے سے نور میں اضافہ ہو گا اور اس سے مراد شفاعت بھی ہو سکتی ہے کہ اپنی اولاد، والدین اور ازواج کی شفاعت کا حق ملنے سے بھی نور میں اضافہ ہو گا چونکہ اعلیٰ درجے پر فائز لوگوں کو شفاعت کا حق بھی مل جائے گا چنانچہ سورہ رعد آیت ۲۳ میں مذکور ہے۔ روایت کے مطابق ایک تفسیر ائمہ معصومین علیہم السلام ہیں جو قیامت کے دن مومنین کے آگے اور دائیں طرف ہوں گے۔[5]

یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ جَاہِدِ الۡکُفَّارَ ۹۔ اے نبی! کفار اور منافقین کے خلاف جہاد کیجیے

---

[1] ۳ آل عمران: ۹ [2] صحیفہ سجادیہ۔ دعا یوم عرفہ۔ [3] ۲۶ شعراء: ۸۷
[4] صحیفہ سجادیہ۔ دعائے یوم عرفہ [5] الکافی ۱: ۱۹۵

وَالۡمُنٰفِقِیۡنَ وَاغۡلُظۡ عَلَیۡہِمۡ ؕ وَمَاۡوٰىہُمۡ جَہَنَّمُ ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ﴿۹﴾	اور ان پر سختی کیجیے، ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بدترین ٹھکانا ہے۔
ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوا امۡرَاَتَ نُوۡحٍ وَّامۡرَاَتَ لُوۡطٍ ؕ کَانَتَا تَحۡتَ عَبۡدَیۡنِ مِنۡ عِبَادِنَا صَالِحَیۡنِ فَخَانَتٰہُمَا فَلَمۡ یُغۡنِیَا عَنۡہُمَا مِنَ اللّٰہِ شَیۡـًٔا وَّقِیۡلَ ادۡخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِیۡنَ ﴿۱۰﴾	۱۰۔ اللہ نے کفار کے لیے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال پیش کی ہے، یہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو صالح بندوں کی زوجیت میں تھیں مگر ان دونوں نے اپنے شوہروں سے خیانت کی تو وہ اللہ کے مقابلے میں ان کے کچھ بھی کام نہ آئے اور انہیں حکم دیا گیا: تم دونوں داخل ہونے والوں کے ساتھ جہنم میں داخل ہو جاؤ۔

تفسیر آیات

۱۔ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوا: کافروں کے لیے مثال کا مطلب یہ ہے کہ کفر انسان کو جہنمی بنا دیتا ہے، خواہ کوئی بھی ہو۔ اسے کسی پاکیزہ ہستی سے نسبت فائدہ نہیں دے گی۔ اس کے لیے مثال حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویاں ہیں۔ ان دونوں عورتوں کو جلیل القدر انبیاء کی زوجات ہونے کی نسبت نے کوئی فائدہ نہیں دیا۔

۲۔ فَخَانَتٰہُمَا: ان دونوں بیویوں نے ان دونوں انبیاء علیہما السلام کے ساتھ خیانت کی۔ خیانت سے مراد اپنے نبی پر ایمان نہ لانا ہے، بے عفتی نہیں ہے۔

۳۔ وَّقِیۡلَ ادۡخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِیۡنَ: انبیاء علیہما السلام کی بیویاں ہونے کے باوجود ان دونوں کو جہنم میں داخل ہونے کا حکم مل گیا اور اس نسبت نے انہیں کوئی فائدہ نہیں دیا۔

وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوا امۡرَاَتَ فِرۡعَوۡنَ ۘ اِذۡ قَالَتۡ رَبِّ ابۡنِ لِیۡ عِنۡدَکَ بَیۡتًا فِی الۡجَنَّۃِ وَنَجِّنِیۡ مِنۡ فِرۡعَوۡنَ وَعَمَلِہٖ وَنَجِّنِیۡ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۱﴾	۱۱۔ اور اللہ نے مومنین کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال پیش کی ہے، اس نے دعا کی: اے میرے پروردگار! جنت میں میرے لیے اپنے پاس ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کی حرکت سے بچا اور مجھے ظالموں سے نجات عطا فرما۔

وقف لازم

تفسیر آیات

۱۔ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوا: ایمان والوں کے لیے مثال پیش کی جاتی ہے کہ ایک خاتون فرعون جیسے طاغوت کی بیوی ہونے اور کفر کے ستون سے نسبت ہونے کے باوجود دائرۂ ایمان میں داخل ہو جاتی ہے اور جنت میں اپنے لیے اللہ سے ایک گھر کی درخواست کرتی ہے اور سیاق آیت سے معلوم ہوتا ہے یہ دعا قبول ہوئی جس طرح فرعون سے نجات کی دعا قبول ہوئی۔

فخر الدین رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وفی ضمن ھذین التمثیلین تعریض بامّی المومنین وھما حفصۃ وعائشۃ لما فرط منھما و تحذیر لھما علی اغلظ وجہ واشدہ لما فی التمثیل من ذکر الکفر۔

ان دونوں مثالوں میں دونوں ام المومنین حفصہ اور عائشہ کی طرف تعریض و اشارہ ہے جو ان دونوں سے کوتاہی سرزد ہوئی ہے اس کی وجہ سے اور نہایت سنگین اور شدید طریقے سے ان کی تنبیہ ہے چونکہ مثال میں کفر کا ذکر ہے۔

زمخشری نے الکشاف میں اس آیت کے ذیل میں اس قسم کی عبارت لکھی ہے نیز دیگر قدیم مفسرین نے جیسے مقاتل وغیرھم نے بھی تصریح کی ہے کہ ان دونوں آیات میں دونوں ازواج کی طرف اشارہ ہے۔

وَ مَرۡیَمَ ابۡنَتَ عِمۡرٰنَ الَّتِیۡۤ اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَہَا فَنَفَخۡنَا فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِنَا وَ صَدَّقَتۡ بِکَلِمٰتِ رَبِّہَا وَ کُتُبِہٖ وَ کَانَتۡ مِنَ الۡقٰنِتِیۡنَ ﴿۱۲﴾ ع ۲

۱۲۔ اور مریم بنت عمران کو بھی (اللہ مثال کے طور پر پیش کرتا ہے) جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تو ہم نے اس میں اپنی روح میں سے پھونک دیا اور اس نے اپنے رب کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ فرمانبرداروں میں سے تھی۔

تفسیر آیات

۱۔ وَمَرۡیَمَ ابۡنَتَ عِمۡرٰنَ: حضرت مریم (س) کے والد کا نام عمران تھا جیسا کہ سورہ آل عمران آیت ۳۵ میں اس بات کی صراحت موجود ہے۔ عمران کی دختر حضرت مریم (س) بھی ایک مثال ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان و عمل کی راہ میں استقامت سے کام لیتے ہیں۔

۲۔ اَلَّتِیۡۤ اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَہَا: مریم (س) نے اپنی عفت اور پاکدامنی کی حفاظت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی پاکدامنی کی گواہی دینے کے لیے قرآن مجید میں تیس مرتبہ سے زیادہ ان کا ذکر کیا۔

۳۔ فَنَفَخۡنَا فِیۡہِ مِنۡ رُّوۡحِنَا: عفت و پاکدامنی کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی روح یعنی اپنی مخلوق کو اس عفت گاہ میں داخل کیا اور ایک اولوالعزم پیغمبر کی تخلیق کا شرف عنایت فرمایا۔

۴۔ وَ صَدَّقَتۡ بِکَلِمٰتِ رَبِّہَا وَ کُتُبِہٖ: اپنے رب کے کلمات کی تصدیق میں کلمات سے مراد اللہ تعالیٰ کے فیصلے ہو سکتے ہیں:

وَلَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ...۔[1] اور اللہ کے کلمات تو کوئی بدل نہیں سکتا...

سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے اٹل ناقابل تنسیخ فیصلوں کو کلمات کہا گیا ہے۔ کُتُبِہٖ سے مراد آسمانی کتابیں ہیں جن کی حضرت مریم (س) تصدیق فرماتی ہیں۔

۵۔ وَ کَانَتۡ مِنَ الۡقٰنِتِیۡنَ: جس طرح اللہ کا حکم تھا یٰمَرۡیَمُ اقۡنُتِیۡ لِرَبِّکِ ...۔[2] اے مریم اپنے رب کی فرماں برداری کرو۔ مریم نے اس حکم کی تعمیل کی اور قانتین میں شامل ہو گئیں۔ قانتین سے مراد وہ فرماں بردار ہستیاں ہیں جو اللہ کی اطاعت گزاری میں زندگی گزارتی ہیں۔

---

[1] انعام: ۳۴ [2] آل عمران: ۴۳

سُورَةُ الْمُلْكِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اس سورۃ المبارکہ کا نام پہلی آیت میں موجود تَبٰرَكَ الَّذِیۡ بِیَدِہِ "الۡمُلۡكُ" سے ماخوذ ہے۔

یہ سورۃ مکی ہے۔آیات کی تعداد مکی و مدنی قرائت کے مطابق ۳۱ اور کوفی قرائت کے مطابق ۳۰ ہے۔

اس سورۃ کی ابتدا میں واضح اور واشگاف الفاظ میں اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے کہ کل کائنات کی بادشاہی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ کائنات کا وجود اور بقا دونوں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ جس طرح تخلیق کائنات میں کوئی شریک نہیں، کوئی خلل نہیں، بالکل اسی طرح تدبیر کائنات میں بھی کوئی خامی نہیں۔ اس میں مشرکین کے اس نظریہ کی رد ہے کہ خلق تو اللہ نے کیا ہے مگر تدبیر ہمارے معبودوں کے ہاتھ میں ہے۔

فرمایا:

> تدبیر و اقتدار اس ذات کے ہاتھ میں ہے جس نے موت اور حیات کو خلق کیا ہے اور اس کے لیے ایک ہدف کا تعین کیا ہے، وہ ہے بہتر عمل۔ چنانچہ احسن عمل ہی غرض تخلیق ہے۔ بلا مقصد، عبث تخلیق نہیں ہے۔

الجزء ۲۹

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	بنام خدائے رحمن رحیم
تَبٰرَكَ الَّذِیۡ بِیَدِہِ الۡمُلۡكُ ۫ وَ ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرُۨ ۙ﴿۱﴾	۱۔ بابرکت ہے وہ ذات جس کے قبضے میں بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ تَبٰرَكَ: اس لفظ کی تشریح کے ملاحظہ ہو سورہ فرقان آیت ۱

۲۔ تَبٰرَكَ الَّذِیۡ بِیَدِہِ الۡمُلۡكُ: بابرکت ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے۔ الۡمُلۡكُ پر

الف لام یہ بتانے کے لیے ہے کہ اللہ کی بادشاہی سے کوئی شے خارج نہیں ہے۔ کائنات کی ہر شے پر اس کی بادشاہی، حکومت ہے۔ بِيَدِهِ: ''اس کے ہاتھ میں ہے'' کی تعبیر اس لیے اختیار فرمائی کہ بادشاہی اور حکومت ہر اعتبار سے اس کے پاس ہے جس طرح کوئی چیز کسی کے ہاتھ میں ہوتی ہے تو وہ اس پر جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے۔

سورہ یٰسٓ آیت ۸۳ میں فرمایا:

فَسُبۡحٰنَ الَّذِیۡ بِیَدِہٖ مَلَکُوۡتُ کُلِّ شَیۡءٍ ... پس پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی سلطنت ہے۔

یا انتہائی حکومت ہے۔ چونکہ ملکوت صیغۂ مبالغہ ہے ملك کا لہٰذا آیت کا واضح مطلب یہ ہے کہ کائنات کا اقتدار اعلیٰ اللہ کے قبضے میں ہے۔ کوئی اس میں شریک ہے اور نہ ہی کسی کے سپرد کیا گیا ہے۔

الَّذِیۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَ الۡحَیٰوۃَ لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡغَفُوۡرُ ۙ﴿۲﴾

۲۔ اس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے عمل کے اعتبار سے کون بہتر ہے اور وہ بڑا غالب آنے والا، بخشنے والا ہے۔

تفسیر آیات

کائنات کی ہر شے پر اللہ کے اقتدار اعلیٰ کے مصادیق کا ذکر ہے۔

۱۔ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ: وہ ذات جس نے موت کو خلق کیا۔ موت، عدم حیات کا نام ہے اور عدم، مخلوق نہیں ہے چونکہ خلق، ایجاد کا نام ہے۔ جب خلق ہوا تو وجود میں آنا چاہیے؟ اس سوال کا حل یہ ہے: موت، عدم حیات کا نام نہیں ہے بلکہ انتقال حیات کا نام ہے۔ چنانچہ مادہ بذات خود حیات کا حامل نہیں ہوتا۔ مادے میں خاص شرائط موجود ہونے کی صورت میں حیات جنم لیتی ہے۔ مثلاً جدید انکشافات کے تحت ڈی این اے کے تین ارب چھوٹے سالموں کے منظم ترتیب میں آنے سے اللہ تعالیٰ اس میں حیات ڈال دیتا ہے اور موت یہ ہے کہ اس منظم ترتیب میں خلل آنے سے اللہ وہاں سے حیات نکال دیتا ہے۔ لہٰذا حیات کا نکال دینا ایک تخلیقی عمل ہے۔

۲۔ لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا: تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے احسن عمل کی منزلت پر فائز ہونے والا کون ہے۔ غرض تخلیق نیک عمل ہے۔ آزمائش اسے معرض وجود میں لانے کا ذریعہ ہے۔ جو ہستی حسن عمل کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہو وہی غرض تخلیق میں بھی اعلیٰ ترین مقام کی حامل ہو گی۔ اگر یہ نکتہ آپ

کی سمجھ میں آ جائے تو آپ یہ فرمان بآسانی سمجھ لیں گے:

لو لاك ما خلقت الأفلاك...[۱] یعنی (اے محمد! اے مجسمۂ احسن عمل!) اگر تو نہ ہوتا تو میں اس کائنات کو خلق نہ کرتا۔

الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ ؕ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ۙ هَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ ③

۳۔ اس نے سات آسمانوں کو ایک دوسرے کے اوپر بنایا، تو رحمٰن کی تخلیق میں کوئی بدنظمی نہیں دیکھے گا، ذرا پھر پلٹ کر دیکھو کیا تم کوئی خلل پاتے ہو؟

ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ کَرَّتَیۡنِ یَنۡقَلِبۡ اِلَیۡکَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِیۡرٌ ④

۴۔ پھر پلٹ کر دوبارہ دیکھو تمہاری نگاہ ناکام ہو کر تھک کر تمہاری طرف لوٹ آئے گی۔

تشریح کلمات

حَسِیۡرٌ: (ح س ر) تھک جانا، ناکام ہو جانا۔

تفسیر آیات

۱۔ الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا: سات آسمانوں کو یکے بالائے دیگرے بنایا یا معنی یہ ہو سکتے ہیں: ساتوں آسمان ایک دوسرے کے مطابق ایک جیسے بنائے چونکہ ان تمام آسمانوں کو ایک ہی چیز دخان سے بنایا ہے۔

ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَ هِیَ دُخَانٌ ...[۲] پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت دھواں تھا۔

۲۔ مَا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ: تو رحمٰن کی تخلیق میں کوئی بدنظمی نہیں دیکھے گا۔ کائنات کی تمام چیزیں باہم مربوط، نتیجہ خیز اور حیات بخش ہیں۔

فری مین ڈائسن (Freeman Dyson) کہتے ہیں:

> جوں جوں میں کائنات کو دیکھتا اور اس کی ساخت کا مطالعہ کرتا ہوں اتنا میرے اس یقین پر اضافہ ہو جاتا ہے کہ کسی نہ کسی طریقے سے اسے ہماری آمد کی پیشگی اطلاع مل چکی ہو گی۔ (مختصر تاریخ موجودات)

---

۱ بحار ۱۵: ۲۷ ۲ ۴۱ فصلت: ۱۱

سورج کی دھوپ سے سمندر سے بخارات اٹھتے ہیں، بادل وجود میں آتے ہیں، ہوا بادلوں کو چلاتی ہے، خشک علاقوں میں بارش برستی ہے، دانے اور میوے اُگتے ہیں، دسترخوانوں کی زینت بنتے ہیں، غذا بن جاتے ہیں، پھر خون بن جاتے ہیں، یہ خون تحلیل شدہ جسم کی تلافی کر کے اس کا حصہ بن جاتے ہیں، تحلیل شدہ جسم کاربن کی شکل میں کسی درخت کا حصہ بن جاتے ہیں، وہ درخت پھل دیتا ہے، یہ دورہ پھر شروع ہو جاتا ہے۔

۳۔ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ : پھر پلٹ کر نظر ثانی کرو۔ جدید تحقیق کرو۔ اپنے تجربات کو دہراؤ۔ تمام وسائل بروئے کار لے آؤ۔

۴۔ هَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ : اس پورے سلسلے اور اس نظم میں موجود کسی کڑی اور اس حکیمانہ گردش میں کوئی خلل ہے؟ دھوپ اور مٹی میں، مٹی اور پانی میں، پانی، مٹی اور جانداروں میں پھر گردش لیل و نہار وغیرہ وغیرہ میں کوئی تضاد ہے؟

۵۔ ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ کَرَّتَیۡنِ : اللہ تعالیٰ کی صناعی کا بار بار مطالعہ کرنے کا حکم ہے کہ تلاش کرو کہ اللہ تعالیٰ کے تخلیقی نظام میں کہیں خلل نظر آتا ہے؟ کَرَّتَیۡنِ صرف دو مرتبہ کے لیے نہیں بلکہ لَبَّيْكَ وَ سَعْدَيْكَ کی طرح بار بار کرنے کے لیے ہے۔ یعنی اپنی تحقیق نسلاً بعد نسلٍ جاری رکھو۔

٦۔ يَنۡقَلِبۡ اِلَيۡكَ الۡبَصَرُ : آخرکار ان تمام پے در پے تحقیقات کے بعد نگاہیں ناکام ہو کر لوٹ آئیں گی۔ خَاسِئًا ناکام اور تھک ہار کر رہ جائیں گی اس کائنات میں کوئی خلل تلاش نہیں کر سکیں گی۔

جهان چون چشم و خط و خال و ابرو است
که هر چیزش بجای خویش نیکو است

وَلَقَدۡ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡیَا بِمَصَابِیۡحَ وَ جَعَلۡنٰهَا رُجُوۡمًا لِّلشَّیٰطِیۡنِ وَ اَعۡتَدۡنَا لَهُمۡ عَذَابَ السَّعِیۡرِ ۝

۵۔ اور بے شک ہم نے قریب ترین آسمان کو (ستاروں کے) چراغوں سے آراستہ کیا اور انہیں شیطانوں کے مارنے کا ذریعہ بنایا اور ہم نے ان کے لیے دہکتی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے،

تفسیر آیات

ا۔ وَلَقَدۡ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡیَا : آیت کے اس فقرے سے یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ جو ستارے ہمارے مشاہدے میں آتے ہیں وہ سب آسمان اول سے متعلق ہیں۔ اس کے بعد کے دیگر چھ آسمانوں کے بارے میں انسان کو کوئی معلومات نہیں ہیں بلکہ آسمان اول کے بارے میں بھی اب تک کی

معلومات بہت ناچیز ہیں۔

۲۔ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ: اور ان چراغوں یعنی ستاروں سے شیطانوں کو بھگانے کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ ظاہر آیت سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ آسمان اول میں موجود ستاروں سے شیطانوں کو بھگایا جاتا ہے۔ اس کی نوعیت کا بشر کو علم نہیں ہے۔ اس سے اس نظریے کی رد ہو جاتی ہے کہ شیطانوں کو شہابوں کے ذریعے بھگایا جاتا ہے چونکہ یہ شہاب مصابیح نہیں ہیں۔ البتہ ایک سائنسی تھیوری ہے کہ یہ شہابیے، سیاروں کے منفجر ہونے کی وجہ سے بکھر گئے ہیں لیکن سیارے مصابیح نہیں ہیں۔

وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۞

۶۔اور جنہوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا ہے ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور وہ بدترین ٹھکانا ہے۔

اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ ۞

۷۔جب وہ اس میں ڈالے جائیں گے تو اس کے بھڑکنے کی ہولناک آوازیں سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہو گی۔

تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ؕ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۞

۸۔قریب ہے کہ شدت غیظ سے پھٹ پڑے جب بھی اس میں کوئی گروہ (کافروں کا) ڈالا جائے گا اس سے جہنم کے کارندے پوچھیں گے: کیا تمہارے پاس کوئی تنبیہ کرنے والا نہیں آیا؟

تشریح کلمات

شهيق: (ش ه ق) مکروہ ترین آواز۔

تَفُوْرُ: (ف و ر) شدت سے جوش مارنا۔

تفسیر آیات

۱۔ وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ: جن لوگوں نے اللہ کی ربوبیت کا انکار کیا اور اللہ کے سوا اور چیزوں کو رب بنایا ہے ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے۔

۲۔ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا: جہنم کا وصف بیان ہو رہا ہے کہ جب یہ کافر لوگ جہنم میں ڈال دیے جائیں گے تو اس وقت جہنم کے دھاڑنے کی آواز آ رہی ہو گی اور ساتھ جہنم جوش مار رہی ہو گی۔ جوش اور دھاڑ دونوں جہنم کے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ جہنم جوش مارے گی یعنی اہل جہنم کو اس طرح اچھالے گی جس طرح

کھولتے پانی سے دانے اچھلتے ہیں۔

۳۔ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ: جہنم چونکہ اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب کی مظہر ہے، لہٰذا جہنمیوں کو اپنے مین پاتے ہی غضبناک ہو جائے گی۔ غضبناک اس حد تک ہو جائے گی کہ پھٹ جانے کی قریب ہو گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہنم شعور رکھتی ہو گی۔

۴۔ كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ: اس فقرے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم میں کافروں کو گروہ گروہ کر کے ڈالا جائے گا۔

۵۔ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ: جہنم کے کارندے ہوتے ہیں جیسا کہ سورہ تحریم آیت ۶ میں فرمایا:

عَلَيْهَا مَلَٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ ....　　اس پر تندخو اور سخت مزاج فرشتے مقرر ہیں۔

کارندوں کا یہ سوال کہ کیا تمہارے پاس کوئی تنبیہ کرنے والا نہیں آیا؟ یہ استفہام بغرض حصول اقرار اور تذلیل و تحقیر ہے اور یہ جہنم کے غیظ و غضب کے ساتھ کارندوں کی طرف سے بھی غضب کا اظہار ہے۔

قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَآءَنَا نَذِيرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِن شَيْءٍ ۚ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ ⑨

۹۔ وہ جواب دیں گے: ہاں تنبیہ کرنے والا ہمارے پاس آیا تھا مگر ہم نے (اسے) جھٹلا دیا اور ہم نے کہا: اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا ہے، تم لوگ بس ایک بڑی گمراہی میں مبتلا ہو۔

وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ ⑩

۱۰۔ اور وہ کہیں گے: اگر ہم سنتے یا عقل سے کام لیتے تو ہم جہنمیوں میں نہ ہوتے۔

فَاعْتَرَفُوا بِذَنۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّأَصْحَابِ السَّعِيرِ ⑪

۱۱۔ اس طرح وہ اپنے گناہ کا اعتراف کر لیں گے، پس اہل جہنم کے لیے رحمت خدا سے دوری ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ قَالُوا بَلَىٰ: ذلت اور رسوائی کے ساتھ اعتراف کرنا پڑ رہا ہے۔ اعتراف میں وہ کہتے ہیں: اس آتش کے عذاب کی تنبیہ کرنے والے آئے تھے اور یہ کہا تھا کہ ہم پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے اور کہا تھا انکار کرنے والوں کے لیے آتش جہنم کا عذاب ہے لیکن ہم نے ان پیغمبران پر وحی کے نزول پر ایمان لانے کی بجائے الٹا انہیں گمراہ قرار دیا اور کہا:

اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ○[1] تم تو بس صریح گمراہی میں مبتلا ہو۔

۲۔ وَ قَالُوۡا لَوۡ کُنَّا نَسۡمَعُ اَوۡ نَعۡقِلُ: جہنم جانے والے افسوس اور اعتراف کے لہجے میں کہیں گے: اگر ہم سنتے یا عقل سے کام لیتے تو ہم جہنمی نہ ہوتے۔ اس آیت کے مطابق نجات کی راہ اختیار کرنے کے لیے دو طریقے ہیں: سمعی یا عقلی۔ قابل توجہ یہ ہے کہ اس آیت میں سمع اور عقل نہیں فرمایا بلکہ سمع یا عقل فرمایا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان دونوں میں سے ایک اختیار کرنے سے نجات کا راستہ مل جاتا ہے۔ ان دونوں میں کسی ایک کو صحیح کام میں لیا جائے تو دوسرا اس کے ساتھ ہوتا ہے۔

سمع سے کام لیا جائے تو انبیاء علیہم السلام کی دعوت سمجھ سکتا ہے اور عقل کو اپنا کام کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اگر عقل سے کام لیا جائے تو دعوت حق سن سکتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو پذیرائی دینے والی عقل ہی ہوتی ہے:

اِنَّمَا یَسۡتَجِیۡبُ الَّذِیۡنَ یَسۡمَعُوۡنَ ...[2] یقیناً مانتے وہی ہیں جو سنتے ہیں....

انبیاء علیہم السلام کی دعوت پر وہی لوگ لبیک کہیں گے جو توجہ سے بات سنتے ہیں۔ اگر وہ عقل سے کام نہ لیں تو سننے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔

وَ نَطۡبَعُ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ فَہُمۡ لَا یَسۡمَعُوۡنَ ○[3] اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں پھر وہ کچھ نہیں سنتے۔

اس جگہ سمع کو عقل کا نتیجہ قرار دیا ہے۔

اَمۡ تَحۡسَبُ اَنَّ اَکۡثَرَہُمۡ یَسۡمَعُوۡنَ اَوۡ یَعۡقِلُوۡنَ ...[4] یا کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر سننے یا سمجھنے کے لیے تیار ہیں؟

اس آیت میں بھی سمع یا عقل میں ایک راستے کے اختیار کو ہدایت کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

اسلام کے نزدیک اصل مکلّف عقل ہے ثواب و عتاب عقل کے مطابق ہوتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے:

تَفَکُّرُ سَاعَۃٍ خَیۡرٌ مِنۡ عِبَادَۃِ سَنَۃٍ...[5] ایک گھڑی کے لیے فکر سے کام لینا ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

چونکہ صحیح فکر انسان کے عمر بھر راہ راست پر چلنے کی رہنمائی کرتی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

مَنۡ کَانَ عَاقِلًا کَانَ لَہُ دِیۡنٌ وَ مَنۡ کَانَ لَہُ دِیۡنٌ دَخَلَ الۡجَنَّۃَ۔[6] جو عاقل ہو گا وہ دیندار ہو گا، جو دیندار ہو گا وہی جنت جائے گا۔

---

[1] ۳۶ یٰسٓ: ۴۷ [2] ۶ انعام: ۳۶ [3] ۷ اعراف: ۱۰۰

[4] ۲۵ فرقان: ۴۴ [5] مستدرک الوسائل ۱۱: ۱۸۳ [6] الکافی۔ ۱: ۱۱

۳۔ فَاعۡتَرَفُوۡا بِذَنۡۢبِہِمۡ: آتش جہنم سامنے آنے پر ان کافروں نے اپنے جرائم کا اعتراف کیا۔ لیکن اس اعتراف کا کوئی مثبت نتیجہ نہ ہوگا۔ بلکہ اس سے ان کے عذاب کے مستحق ہونے کا خود مجرم کے زبانی ثبوت فراہم ہوگا۔

۴۔ فَسُحۡقًا لِّاَصۡحٰبِ السَّعِیۡرِ: رحمت حق سے دوری ہو جہنم والوں کے لیے۔ السحق اسم مصدر ہے جس کے معنی دوری کے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَخۡشَوۡنَ رَبَّہُمۡ بِالۡغَیۡبِ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّ اَجۡرٌ کَبِیۡرٌ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ جو لوگ غائبانہ اپنے پروردگار کا خوف کرتے ہیں یقیناً ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ کافروں کو عذاب کی خبر سنا دینے کے بعد اہل ایمان کے لیے مغفرت اور ثواب کی نوید ہے۔ قرآن کا طرز کلام ہمیشہ اسی طرح ہے۔ خوف خدا رکھنے والوں کو ہمیشہ امن کی نوید دیتا ہے۔

۲۔ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّ اَجۡرٌ کَبِیۡرٌ: پہلے مغفرت، پھر اجر کا ذکر ہے کہ پہلے گناہوں سے پاک کر دیا جائے گا، پھر اجر کبیر عنایت ہوگا۔ پہلے تخلیہ ہوگا، پھر تحلیہ۔ پہلے گناہوں کا ملبہ ہٹا دیا جائے گا، پھر تعمیر ہوگی۔

وَ اَسِرُّوۡا قَوۡلَکُمۡ اَوِ اجۡہَرُوۡا بِہٖ ؕ اِنَّہٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ اور تم لوگ اپنی باتوں کو چھپاؤ یا ظاہر کرو یقیناً وہ تو سینوں میں موجود رازوں سے خوب واقف ہے۔

اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ ؕ وَ ہُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ ﴿۱۴﴾ ع

۱۴۔ کیا جس نے پیدا کیا اس کو علم نہیں؟ حالانکہ وہ باریک بین، بڑا باخبر بھی ہے۔

٢٣٦

تفسیر آیات

۱۔ کفار و مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شان میں گستاخانہ باتیں کرتے اور انہیں آہستہ کہنے اور راز میں رکھنے کے لیے کہتے ہیں کہ محمد کے رب کو پتہ نہ چلے۔ اس پر آیت نازل ہوئی: اللہ سے کوئی بات چھپائی نہیں جا سکتی وہ تو سینوں میں موجود رازوں کو بھی جانتا ہے۔

۲۔ اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ: تعجب کے انداز میں سوال ہے: کیا جس نے پیدا کیا ہے وہ اپنی مخلوق کے رازہائے نہاں سے واقف نہ ہوگا؟

واضح رہے خلق ہونے کے بعد انسان اللہ تعالیٰ سے بے نیاز نہیں ہوتا۔ انسان اپنے وجود اور بقا میں اللہ کا محتاج ہے۔ لہٰذا اس انسان کے وجود کو برقرار رکھنے کے لیے ہر لحہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تخلیق کا عمل جاری ہے تو اللہ کی نگاہ سے کون سی چیز پوشیدہ رہ سکتی ہے۔

۳۔ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ: اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کی انتہائی باریکیوں کو جاننے والا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَ اِلَیْهِ النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾	۱۵۔ وہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو رام کیا پس اس کے دوش پر چلو اور اس کے رزق میں سے کھاؤ اور اسی کے پاس زندہ ہو کر جانا ہے۔

تفسیر آیات

ا۔ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا: تدبیر امور سے متعلق زمین کی تخلیق کی کیفیت کی طرف انسان کی توجہ مبذول کرائی جا رہی ہے کہ اللہ وہ مدبر حیات ہے جس نے تمہارے لیے کرۂ ارض کو ذلول رام بنایا ورنہ شروع میں یہ زمین حیات و زندگی کے لیے رام و مسخر نہ تھی۔

ذلول، رام بنانے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ اس کرۂ ارض کو تمہاری زندگی کے لیے حیات آفرین بنایا۔ تمہاری زندگی کے تمام لوازم اس کی سطح پر، اس کے دوش پر فراہم فرمائے:

وَ بٰرَكَ فِیْهَا وَ قَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ ۝ [1]	اور اس میں برکات رکھ دیں اور اس میں چار دنوں میں حاجتمندوں کی ضروریات کے برابر سامان خوراک مقرر کیا۔

اس زمین میں برکتیں رکھ دیں اور اس میں چار دنوں میں حاجت مندوں کی ضروریات کے مطابق سامان خوراک مقرر فرمایا۔

اس کی خاک میں بیسیوں عناصر ودیعت فرمائے جن میں ترکیب کے مختلف ہونے سے مختلف دانے اور مختلف پھل وجود میں آتے ہیں۔ ان سے نہ صرف انسان اور دیگر تمام جانداروں کے لیے زیست کے سامان فراہم ہوتے ہیں بلکہ دانوں اور پھلوں کے مختلف ہونے سے انسانی ذوق کو بھی تسکین ملتی ہے۔

اس طرح زمین کو انسان کے لیے رام و مسخر بنایا ورنہ فضائے ارضی سے ذرا ہٹ کر دیکھو تو پتہ چلتا ہے کرۂ ارض سے بیرون، فضائے آسمان زندگی کے لیے ہرگز سازگار نہیں ہے۔ اس بات کا بھی علم ہو جاتا ہے اللہ نے زمین کو انسان کے لیے مسخر بنانے کی خاطر کیا کیا حیرت انگیز سامان زیست فراہم کیے ہیں اور ان

---

[1] ۴۱ فصلت: ۱۰

ناسازگار فضاؤں میں اس کرۂ ارضی کو کیسے سازگار بنایا۔

ذلول اور رام کی دوسری صورت یہ ہے کہ ذلول اس جانور کو کہتے ہیں جس کی پشت سوار کے لیے رام و مسخر ہو اور اس پر آرام سے سفر کیا جا سکے۔ اس طرح زمین بھی اپنی پشت پر سوار انسانوں کے لیے نہایت رام و مسخر ہے۔

چنانچہ زمین اپنی محوری حرکت میں ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اور سورج کے گرد ٦٥ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اور اپنے شمسی نظام کے ممبران کی ہمراہی میں بیس ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے رواں دواں ہے۔ اس کے باوجود اپنی پشت پر سواروں کو اپنی جاذبیت اور کشش کے ذریعے بکھر جانے، مضطرب و متزلزل ہونے سے محفوظ رکھتی ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ قَرَارًا ...[1] اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو جائے قرار بنایا۔

حضرت علی علیہ السلام سے مروی ہے:

وَ عَدَّلَ حَرَکَاتِهَا بِالرَّاسِيَاتِ مِنْ جَلَامِيدِهَا ...[2] اور زمین کی حرکتوں کو پہاڑوں کی چٹانوں کے ذریعے معتدل بنایا۔

۲۔ فَامۡشُوۡا فِیۡ مَنَاکِبِهَا وَ کُلُوۡا مِنۡ رِّزۡقِهٖ: پس اس زمین کے دوش پر چلو۔ ہمارے نزدیک دوش سے پشت زمین مراد ہے۔ دوش کی تعبیر اس لیے اختیار فرمایا چونکہ زمین انسانوں کو اٹھا لیتی ہے اور انسان کسی چیز کو اٹھاتا ہے تو دوش پر اٹھاتا ہے۔ فَامۡشُوۡا ایک حکم ارشادی ہے جس سے منابع ارضی کی حلیت کا قانون بنتا ہے جیسے آیہ خَلَقَ لَکُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا ....[3] سے یہ قانون بنتا ہے۔ یعنی طلب رزق کے لیے زمین کے دوش پر چلا کرو۔ ایک جگہ جامد بیٹھ کر اللہ کی رحمت کی توقع نہ کرو۔ اللہ کی رحمت کی تلاش کے لیے دوڑ دھوپ شرط ہے۔ دوڑ دھوپ محنت مشقت کر کے رزق خدا حاصل کرو اور اسے اپنے مصرف میں لے آؤ۔ کھاؤ تا کہ جیتے رہو، اپنی زندگی کا کارواں جاری ساری رکھو۔

۳۔ وَ اِلَیۡهِ النُّشُوۡرُ: اس زمین کی پشت پر چلتے پھرتے اور رزق خدا سے بہرہ مند ہوتے ہوئے یہ نہ بھولو کہ ایک دن اس کے آگے جوابدہی کے لیے حاضر ہونا ہے۔

ءَاَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یَّخۡسِفَ بِکُمُ الۡاَرۡضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوۡرُ ﴿۱۶﴾ ۱۶۔ کیا تم اس بات سے بے خوف ہو کہ آسمان والا تمہیں زمین میں دھنسا دے اور زمین جھولنے لگ جائے؟

[1] ۴۰ غافر: ۶۴ [2] نہج البلاغة خطبة الاشباح ۹۱ [3] ۲ بقرة: ۲۹

اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ﴿۱۷﴾	۱۷۔ کیا تم اس بات سے بے خوف ہو کہ آسمان والا تم پر پتھر برسانے والی ہوا بھیج دے؟ پھر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میری تنبیہ کیسی تھی۔

تفسیر آیات

۱۔ اَمِنْتُمْ: اس رام و مسخر زمین کے دوش پر بسنے والوں کو یہ خوف لاحق نہیں ہے کہ اس زمین کو ان کے لیے امن کا گہوارہ بنانے والے کے کارندے جو آسمانوں میں رہتے ہیں اس زمین کو رام و مسخر کرنے سے ہاتھ اٹھا لیں، پھر یہ زمین ایک سرکش بے قابو سواری کی طرح ہو جائے اور اپنے دوش پر بسنے والوں کو زمین میں دھنسا دے یا ایک زلزلے کی صورت میں انہیں اپنے دوش سے الٹ دے، یہ پرسکون زمین زلزلے کی صورت میں جھولنے لگ جائے؟

۲۔ مَّنْ فِي السَّمَآءِ: سے مراد من قدرتہ فی السماء یعنی وہ ''جس کی قدرت آسمان میں ہے'' ہو سکتا ہے یا وہ فرشتے ہو سکتے ہیں جو عذاب نازل کرنے پر مامور ہیں۔ لہٰذا مَّنْ فِي السَّمَآءِ ''جو آسمان میں ہے'' سے مراد خود ذات الٰہی لینا درست نہیں ہے چونکہ اللہ کے لیے مکانیت کا تصور ممکن نہیں ہے۔

۳۔ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا: اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ زمین سے لاوا پھٹ جائے جس سے تم پر پتھر برسائے جائیں یا ایسی آندھی آ سکتی ہے جس سے تمہارا سکون غارت ہو جائے اور وہ تمہاری بستیوں کو تباہ کر دے۔

۴۔ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ: اس وقت تمہیں معلوم ہو جائے گا تنبیہ خدا کو اعتنا میں نہ لانے کا انجام کیا ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۱۸﴾	۱۸۔ اور بتحقیق ان سے پہلے لوگوں نے بھی تکذیب کی تھی تو دیکھ لو میرا عذاب کیسا تھا۔
اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّ يَقْبِضْنَ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۭ بَصِيْرٌ ﴿۱۹﴾	۱۹۔ کیا یہ لوگ اپنے اوپر پرواز کرنے والے پرندوں کو پر پھیلاتے ہوئے اور سمیٹتے ہوئے نہیں دیکھتے؟ رحمٰن کے سوا انہیں کوئی تھام نہیں سکتا، بتحقیق وہ ہر چیز پر خوب نگاہ رکھنے والا ہے۔

وقف منزل وقف لازم وقف غفران

تفسیر آیات

۱۔ اَوَلَمۡ یَرَوۡا اِلَی الطَّیۡرِ: پرندوں کا فضا میں پرواز کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی صناعیت اور تدبیر حیات پر ایک دلیل ہے:

i۔ اللہ ہی نے ہوا اور پانی کو اس طرح خلق فرمایا کہ اپنے وزن سے کمتر وزن کے اجسام کو اپنے اوپر اٹھا لیں۔

ii۔ پرندوں کو ایسے پر عنایت فرمائے جو زیادہ سے زیادہ ہوا کو زیرِ پر لائیں تا کہ پروں کے نیچے آنے والی ہوا کے وزن سے پرندے کا وزن کم ہو جائے اور ہوا کے دوش پر سوار ہو کر پرواز ممکن ہو جائے۔

iii۔ پروں کی ساخت ایسے مواد سے کی جن کا وزن کم ہو۔

iv۔ پرندوں کی فطرت میں بھی وہ تمام طور و طریقے ودیعت فرمائے جن سے پرواز ممکن ہو سکے جیسے پروں کا پھیلانا اور سمیٹنا وغیرہ۔

کیا ان تمام باتوں کو خدائے رحمٰن کے علاوہ کوئی اور بے حس و حرکت معبود انجام دے سکتا ہے؟

اَمَّنۡ هٰذَا الَّذِیۡ هُوَ جُنۡدٌ لَّکُمۡ یَنۡصُرُکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ الرَّحۡمٰنِ ؕ اِنِ الۡکٰفِرُوۡنَ اِلَّا فِیۡ غُرُوۡرٍ ۚ﴿۲۰﴾

۲۰۔ رحمٰن کے سوا تمہارا وہ کون سا لشکر ہے جو تمہاری مدد کر سکے؟ کفار تو بس دھوکے میں ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ مشرکین اپنے بتوں کو اپنا محافظ سمجھتے تھے۔ ان سے خطاب ہے کہ اللہ کے سوا تمہارا وہ کون سا لشکر ہے جو تمہاری مدد کرے اور عذاب الٰہی سے تمہیں بچا لے۔

۲۔ اِنِ الۡکٰفِرُوۡنَ اِلَّا فِیۡ غُرُوۡرٍ: کافر، بت پرست اس دھوکے میں ہیں کہ اصنام انہیں تحفظ فراہم کریں گے جن کے پاس اپنے آپ کو تحفظ دینے کا شعور نہیں۔

اَمَّنۡ هٰذَا الَّذِیۡ یَرۡزُقُکُمۡ اِنۡ اَمۡسَکَ رِزۡقَهٗ ۚ بَلۡ لَّجُّوۡا فِیۡ عُتُوٍّ وَّ نُفُوۡرٍ ﴿۲۱﴾

۲۱۔ اگر اللہ اپنی روزی روک دے تو کون ہے جو تمہیں رزق دے مگر یہ لوگ سرکشی اور نفرت پر اڑ گئے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ اگر اللہ تمہیں رزق دینا اور آسمان سے بارش برسانا روک لے، زمین سے روئیدگی کی قوت سلب کر لے اور دانے کو شگافتہ ہونے سے روک دے تو وہ کون ہے جو اللہ کی جگہ یہ کام کرے اور بارش، زمین اور دانے کے علاوہ دیگر ذرائع سے رزق فراہم کرے۔

۲۔ بَلۡ لَّجُّوۡا: بلکہ یہ مشرکین حقیقی رازق کو تسلیم کرنے سے سرکشی کر رہے ہیں اور داعیان حق سے نفرت کے ساتھ پیش آتے ہیں۔

اَفَمَنۡ یَّمۡشِیۡ مُکِبًّا عَلٰی وَجۡہِہٖۤ اَہۡدٰۤی اَمَّنۡ یَّمۡشِیۡ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۲۲﴾

۲۲۔ کیا وہ شخص زیادہ ہدایت پر ہے جو اپنے منہ کے بل چلتا ہے یا وہ جو سیدھا سر اٹھائے راہ راست پر چلتا ہے؟

تفسیر آیات

کافر منہ کے بل چل رہا ہے، اسے گرد و پیش کا کوئی علم نہیں ہے۔ آگے آنے والی کھائی کا بھی پتہ نہیں چلتا اس میں گر جاتا ہے۔ جب کہ جو منہ سیدھا تنا ہوا چلتا ہے، گرد و پیش سے باخبر، ہر خطرے سے بچتا ہوا راہ راست پر نکل جاتا ہے۔

قُلۡ ہُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَکُمۡ وَ جَعَلَ لَکُمُ السَّمۡعَ وَ الۡاَبۡصَارَ وَ الۡاَفۡـِٕدَۃَ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَشۡکُرُوۡنَ ﴿۲۳﴾

۲۳۔ کہد یجیے: وہی تو ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل بنائے مگر تم کم ہی شکر کرتے ہو۔

تفسیر آیات

الۡاَفۡـِٕدَۃَ: فواد کی جمع ہے، دل کو کہتے ہیں۔ عربی محاورہ میں دل کہہ کر عقل مراد لی جاتی ہے۔ اللہ تمہیں عدم سے وجود میں لایا اور تمہاری زیست کے تمام لوازم فراہم کیے۔ تمہیں دیکھنے کے لیے آنکھیں، سننے کے لیے کان اور سمجھنے کے لیے دل اس لیے نہیں دیے تھے کہ تم اپنا مقصد حیات گم کر بیٹھو۔ باقی موجودات سے تمہیں عقل و شعور سے اس لیے نوازا تھا کہ تم اس ذات کو پہچان لو جس نے تمہیں ان نعمتوں سے نوازا ہے لیکن تم ایسے ناشکرے ہو کہ اس ذات کی ربوبیت تک کا اعتراف نہیں کرتے۔

قُلۡ هُوَ الَّذِیۡ ذَرَاَکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ وَ اِلَیۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۲۴﴾

۲۴۔ کہد یجیے: اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا اور تم اسی کے روبرو جمع کیے جاؤ گے۔

تشریح کلمات

ذَرَاَ: (ذ ر ء) خلق کرنے کے معنوں میں ہے یہ لفظ خلق ایجادی کے معنوں میں ہے۔ یعنی عدم سے وجود میں لانے کے معنوں میں۔ بعض اہل لغت نے اس لفظ کے خلقت اور کثرت کے معنی کیے ہیں۔ ہم نے دوسرے معنی کا انتخاب لفظ فِیْ کی وجہ سے کیا ہے۔

تفسیر آیات

اللہ نے انسان کو زمین سے پیدا کیا ہے۔ آخر مین زمین میں چلا جائے گا۔ وَ اِلَیۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ پھر جس طرح پہلی بار زمین سے برائے ذمے داری و آزمائش اور استحقاق و تکامل نکالا تھا، ایک بار پھر برائے حساب، ثواب و عقاب نکالے گا۔

وَ یَقُوۡلُوۡنَ مَتٰی هٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۲۵﴾

۲۵۔ اور وہ کہتے ہیں: اگر تم سچے ہو تو بتاؤ یہ وعدہ کب پورا ہو گا؟

قُلۡ اِنَّمَا الۡعِلۡمُ عِنۡدَ اللّٰهِ ۪ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۲۶﴾

۲۶۔ کہد یجیے: علم تو صرف اللہ کے پاس ہے جب کہ میں تو صرف واضح تنبیہ کرنے والا ہوں۔

تفسیر آیات

مشرکین سوال اٹھاتے ہیں: اگر قیامت ہے تو بتاؤ وہ کب ہو گی؟ اس کے وقت کا تعین کرو۔ یہ بطور استہزاء اور ناممکن تصور کرتے ہوئے کہتے تھے یا بطور استفہام۔ بہرحال پوری تاریخ انبیاء میں منکرین قیامت ہمیشہ ان کے وقت کی تعین کا مطالبہ کرتے رہے ہیں۔

۲۔ قُلۡ اِنَّمَا الۡعِلۡمُ عِنۡدَ اللّٰهِ: تمام انبیاء علیہم السلام نے یہی جواب دیا: قیامت کے دن کا علم صرف اللہ کو ہے۔ علم بالقیامۃ ان علوم میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے۔

فَلَمَّا رَاَوۡهُ زُلۡفَۃً سِیۡٓـَٔتۡ وُجُوۡهُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ قِیۡلَ هٰذَا الَّذِیۡ

۲۷۔ پھر جب وہ اس وعدے کو قریب پائیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے اور کہا جائے

كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ﴿۲۷﴾ گا: یہی وہ چیز ہے جسے تم طلب کرتے تھے۔

تفسیر آیات

ا۔ دنیا میں تو یہ مشرکین قیامت کے بارے میں تمسخر کرتے رہے لیکن جب قیامت نزدیک آئے گی تو کافروں کے چہروں پر ناامیدی کے آثار نمایاں ہو جائیں گے۔

۲۔ قِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ: اس وقت ان کافروں سے بطور طنز کہا جائے گا: یہ قیامت وہی ہے جس کے بارے میں تم طنزاً کہا کرتے تھے یہ کب آنے والی ہے یا اسے ناممکن خیال کرتے تھے۔

حاکم حسکانی نے شواھد التنزیل میں اس آیت کے ذیل میں متعدد اسانید صحیحہ کے ساتھ الاعمش سے روایت کی ہے:

لما رأوا ما لعلی بن طالب عند اللّٰہ الزلفی سیئت وجوہ الذین کفروا۔

جب علی بن ابی طالب کی اللہ کے نزدیک منزلت و قربت کا مشاہدہ کریں گے تو منکرین کے چہرے بگڑ جائیں گے۔

اس روایت کے ذکر کے بعد حاکم نے لکھا ہے:

ھذا لفظ الاولین و قال سھل: نزلت فی علی ابن ابی طالب

مذکورہ الفاظ اولین راویوں کے ہیں لیکن سھل راوی ہیں کہ یہ آیت نازل ہی علی ابن ابی طالب کے بارے میں ہوئی ہے۔

پھر لکھتے ہیں: عمرو بن ابی بکار تمیمی اور مغیرہ امام محمد باقر (علیہ السلام) سے روایت کرتے ہیں:

فلما رأوا مکان علی من النبی سیئت وجوہ الذین کفروا یعنی الذین کذبوا بفضلہ۔

جب ان لوگوں نے نبی کے نزدیک علی کی منزلت دیکھی تو منکرین کے چہرے بگڑ گئے یعنی جن لوگوں نے علی کی فضیلت کی تکذیب کی تھی۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَ مَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ﴿۲۸﴾

۲۸۔ کہدیجیے: مجھے بتلاؤ کہ اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دے یا ہم پر رحم کرے تو کافروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا؟

قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ

۲۹۔ کہدیجیے: وہی رحمٰن ہے جس پر ہم ایمان لا چکے ہیں اور اسی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے، عنقریب

ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۲۹﴾

تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون صریح گمراہی میں ہے۔

تفسیر آیات

ا۔ قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ : مشرکین اس خیال میں تھے یہ اسلامی تحریک محمد ﷺ کی حیات تک محدود ہے۔ بعض اوقات وہ رسول اللہ ﷺ کو بددعا دیتے تھے کہ انہیں بتوں کی بددعا لگے ان کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔ ہم اپنے کفر اور شرک پر قائم رہیں۔ ان مشرکین کے اس خیال کے جواب میں فرمایا: آپ ان سے کہدیں: اللہ مجھ سے میری زندگی اور میرے بعد میری معیت میں ایمان لانے والوں کی زندگی لے لے یا تمہاری ہلاکت تک ہم پر رحم کرے اور سلامت رکھے، ہر دو صورت میں تمہیں اللہ کے سامنے حاضر ہونا اور عذاب الٰہی میں مبتلا ہونا ہے۔

یہ اس آیت کی طرح ہے جس میں فرمایا:

وَ اِمَّا نُرِیَنَّکَ بَعۡضَ الَّذِیۡ نَعِدُہُمۡ اَوۡ نَتَوَفَّیَنَّکَ فَاِلَیۡنَا مَرۡجِعُہُمۡ ...۔[1]

اور جس (عذاب) کا ہم ان کافروں سے وعدہ کر رہے ہیں اس کا کچھ حصہ ہم آپ کو زندگی میں دکھا دیں یا آپ کو پہلے (ہی دنیا) سے اٹھا لیں انہیں بہرحال پلٹ کر ہماری بارگاہ میں آنا ہے۔

۲۔ قُلۡ ہُوَ الرَّحۡمٰنُ : کافروں سے کہد یجیے جسے ہم پکارتے ہیں اور میرے خلاف جس اللہ کو تم بددعا کے لیے پکارتے ہو وہ ذات رحمٰن ہے جس کی رحمت سب سے وسیع ہے ہم تو اسی رحمٰن ذات پر ایمان لے آئے ہیں۔ ہم اس کی رحمت کے شامل حال ہوں گے۔

۳۔ وَ عَلَیۡہِ تَوَکَّلۡنَا : ہم اس رحمٰن ذات کے علاوہ کسی اور پر بھروسہ نہیں کرتے۔ لہٰذا ہمیں وہ خطرہ لاحق نہیں ہے جو تمہیں لاحق ہے۔

۴۔ فَسَتَعۡلَمُوۡنَ : جب قیامت کا دن آئے گا اس دن تم سب کو علم ہو جائے گا گمراہی میں ہم تھے یا تم۔

قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ اَصۡبَحَ مَآؤُکُمۡ غَوۡرًا فَمَنۡ یَّاۡتِیۡکُمۡ بِمَآءٍ مَّعِیۡنٍ ﴿۳۰﴾ ع ۲

۳۰۔ کہد یجیے: بتلاؤ کہ اگر تمہارا یہ پانی زمین میں جذب ہو جائے تو کون ہے جو تمہارے لیے آب رواں لے آئے؟

---

[1] ۱۰ یونس: ۴۶

تفسیر آیات

مَّعِیۡنٍ: سہولت کے ساتھ جاری ہونے والے پانی کو کہتے ہیں۔ یہ فعیل بمعنی فاعل ہے۔

یہ کرۂ ارض انسان کے لیے باقی لوازم حیات فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ پانی ذخیرہ کرنے کا بھی بہترین ذریعہ ہے۔ چنانچہ بارش کا پانی اپنے میں جذب کر کے ایک حد تک گہرائی میں محفوظ کر لیتا ہے۔ اس حد سے نیچے پانی جانے نہیں دیا جاتا۔ پس اگر اللہ پانی ایک حد تک گہرائی میں محفوظ نہ کرتا تو یہ اس سے نیچے چلا جاتا یا خشک سالی کی وجہ سے زیر زمین پانی کے ذخائر میں کمی واقع ہو جاتی اور موجودہ پانی نیچے چلا جاتا تو پانی کی کمی کی دور کرنے کے لیے اس پانی کو اوپر لانے کا تمہارے پاس کوئی ذریعہ ہے؟ یا یہ کام صرف اللہ کر سکتا ہے۔

دیکھو تمہاری تدبیر حیات کا کام اللہ انجام دے رہا ہے یا کوئی اور۔

سُوْرَۃُ الْقَلَمِ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ کے شروع میں لفظ وَالْقَلَمِ مذکور ہونے کے سبب سورۃ کا نام القلم مقرر ہوا۔

یہ سورۃ مکی ہے لیکن بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس سورۃ کا کچھ حصہ مکہ میں اور کچھ حصہ مدینہ میں نازل ہوا۔

اس سورۃ مبارکہ کے مضامین میں اہم مضمون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی اور تقویت دینے پر مشتمل ہے۔

جہاں دشمنوں نے رسول ﷺ کو مجنون کہا وہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو صاحب خلق عظیم فرمایا۔

نیز یہ بشارت بھی دے دی کہ آنے والا وقت بتا دے گا کہ مجنون کون ہے۔ پھر نشاندہی فرمائی کہ رسول ﷺ کو کس کس قسم کے لوگوں کی بات سننے سے بچنا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	بنام خدائے رحمن رحیم
نٓ وَ الۡقَلَمِ وَ مَا یَسۡطُرُوۡنَ ۙ﴿۱﴾	۱۔ نون، قسم ہے قلم کی اور اس کی جسے (لکھنے والے) لکھتے ہیں۔
مَاۤ اَنۡتَ بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ بِمَجۡنُوۡنٍ ۚ﴿۲﴾	۲۔ آپ اپنے رب کے فضل سے دیوانے نہیں ہیں۔

تشریح کلمات

قلم: (ق ل م) اس کے اصل معنی سخت چیز تراشنے کے ہیں، لہٰذا ناخن، بانس کی گرہ اور سرکنڈے وغیرہ تراشنے پر قلم کا لفظ بولا جاتا ہے۔

انسان کے تبادلہ افکار اور معانی و مطالب کو ایک دوسرے کے ذہن میں منتقل کرنے کا ایک ذریعہ یہ ہوسکتا ہے کہ خود معنی کو مخاطب کے سامنے پیش کیا جائے۔ مثلاً اگر کسی کو پانی بتانا ہو تو خود پانی پیش کر کے اس کو سمجھایا جائے لیکن یہ کام تو کبھی مشکل اور کبھی ناممکن ہوتا ہے۔ اس لیے انسان نے اس مقصد کے لیے الفاظ ایجاد کیے اور لفظوں کے ذریعے معانی و مطالب کا افہام و تفہیم آسان ہو گیا۔ پھر الفاظ کو محفوظ کرنے کا طریقہ بھی ایجاد کیا۔ اس کی ابتدائی صورت تصویری کتابت تھی جس میں مسماری کتابت شامل ہے جس کو اہل بابل آشوریوں نے ایجاد کیا، اس کے بعد رموز و علامات ایجاد ہوئے۔ آخر میں آواز کے لیے علامات وضع ہوئیں۔ اس طرح حروف کی ایجاد عمل میں آ گئی اور الفاظ کو لکیروں کی شکل میں آنے والے حروف کے ذریعے محفوظ کر لیا گیا اور حروف کو مکتوبی شکل میں لانے والا آلہ قلم ہے۔ لہٰذا قلم انسان کی دوسری زبان ہے۔

جب سے انسان نے قلم ہاتھ میں لیا تہذیب و تمدن میں قدم رکھا اور قلم ہی کے ذریعے علوم و افکار محفوظ ہوئے اور علوم و فنون نے ترقی کی اور قلم ہی کے ذریعے آنے والی نسلیں اپنے اسلاف کے علوم کی وارث بن گئیں اور علم و فن، تہذیب و تمدن وراثت میں مل گئے اور پچھلی نسلوں کے تجربات اگلی نسلوں کی طرف منتقل ہو گئے۔

اس جگہ قلم جیسی نعمت کے ساتھ کتابت حدیث کو ممنوع قرار دے کر ناانصافیاں ہوئی ہیں۔ اس داستان غم کو تو یہاں بیان نہیں کر سکتے۔ صرف تفسیر المنار ۶: ۲۸۸ میں رشید رضا کی عبارت نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

ونحن نجزم باننا نسینا و اضعنا من حدیث نبینا حظا عظیما لعدم کتابة علماء الصحابة کلما سمعوہ۔	ہمیں یقین ہے کہ ہم نے اپنے نبی کی حدیث میں سے بہت بڑے حصے کو اس لیے فراموش اور ضائع کر دیا چونکہ علمائے صحابہ نے جو کچھ سنا تھا، نہیں لکھا۔

واضح رہے کتابت حدیث ممنوع ہونے کے اثرات سے مکتب اہل بیت محفوظ رہا ہے چونکہ عصر رسول ﷺ ہی میں حدیث کو باملاء من رسول اللّٰہ و بخط علی محفوظ کر لیا گیا تھا، چنانچہ یہ بات مکتب اہل بیت میں تواتر سے ثابت ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ نٓ وَ الۡقَلَمِ: قسم ہے قلم کی۔ بظاہر یہاں قلم سے مراد جنس قلم ہے خواہ وہ قلم آسمانی ہو یا زمینی اور

اللہ نے قلم کے ذریعے تعلیم دینے کے احسان کا ذکر کیا ہے:

اِقۡرَاۡ وَ رَبُّکَ الۡاَکۡرَمُ ۙ﴿۳﴾ الَّذِیۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ ؕ﴿۵﴾ [1] پڑھیے! اور آپ کا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے سے تعلیم دی۔ اس نے انسان کو وہ علم سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔

اور تطبیقی مرحلے میں اس قلم پر پہلے صادق آتا ہے جو مکی زندگی میں کتابت وحی کے لیے کام میں لایا جاتا تھا۔

۲۔ وَ مَا یَسۡطُرُوۡنَ: اور قسم ہے اس چیز کی جسے لکھنے والے لکھتے ہیں۔ یعنی قسم ہے اس قلم کی جس سے وحی لکھی جاتی ہے اور قسم ہے ان آیات قرآنی کی جو ان قلموں سے لکھی جاتی ہیں اور یَسۡطُرُوۡنَ فعل مستقبل ہے۔ آئندہ آنے والی نسلوں میں اس قرآن کو لکھنے والے لکھتے رہیں گے۔ اس معجزہ الٰہی کو دوام ملے گا اور رہتی دنیا تک ثبت رہے گا

۳۔ مَاۤ اَنۡتَ بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ بِمَجۡنُوۡنٍ: کہ آپ اپنے رب کے فضل و کرم سے مجنون نہیں ہیں۔ آپ ایک دستور حیات کے عنوان سے انسانیت کے لیے ایک زندہ معجزہ دے رہے ہیں۔ رہتی دنیا تک رہنے والی تحریروں کی قسم! جس نے یہ ابدی معجزہ، ایک جامع نظام حیات پیش کیا ہے، منظم قوانین وضع کر کے دنیا کو تہذیب و تمدن دیا، وہ مجنون نہیں ہوسکتا۔

وَ اِنَّ لَکَ لَاَجۡرًا غَیۡرَ مَمۡنُوۡنٍ ۚ﴿۳﴾ **۳۔ اور یقیناً آپ کے لیے بے انتہا اجر ہے۔**

تفسیر آیات

غَیۡرَ مَمۡنُوۡنٍ کے معنی ”منقطع نہ ہونے والا“ اور ”غیر محدود“ کے کیے ہیں۔ یعنی اے رسول! آپ کے لیے ان تہمتوں، طعنوں اور ان اذیتوں کے تحمل کا اجر، لامحدود ہے۔

وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ ﴿۴﴾ **۴۔ اور بے شک آپ اخلاق کے عظیم مرتبے پر فائز ہیں۔**

تفسیر آیات

یہ آپ کا عظیم اخلاق ہے کہ آپ کی شان میں انتہائی نامناسب جسارت ہوتی ہے، ان تمام اہانتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے آپ کے پاس خلق عظیم ہے۔

اچھا اخلاق، اعلیٰ نفسیات کا مالک ہونے کی علامت ہے اور فکر و عقل میں اعلیٰ توازن رکھنے والا ہی

---

[1] ۹۶ علق: ۳ تا ۵

اعلیٰ نفسیات کا مالک ہوتا ہے۔ خلق عظیم کا مالک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ عقل عظیم کا مالک ہے۔ اس طرح مخلوق اول، عقل ہو یا نور محمد ﷺ، بات ایک ہی ہے۔ آپ ﷺ سے روایت ہے:

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔[1] میں اخلاق حمیدہ کی تکمیل کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔

لہٰذا جو ذات اخلاق حمیدہ کی تکمیل کے لیے مبعوث ہوئی ہے وہ خود اخلاق حمیدہ ہی کی تکمیل کا مظہر نہ ہو گی بلکہ الٰہی اخلاق کا بھی مظہر ہو گی۔

فَسَتُبۡصِرُ وَ یُبۡصِرُوۡنَ ۙ﴿۵﴾ ۵۔ پس عنقریب آپ دیکھ لیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے

بِاَىيِّكُمُ الۡمَفۡتُوۡنُ ﴿۶﴾ ۶۔ کہ تم میں سے کسے جنون عارض ہے۔

تفسیر آیات

اے رسول (ﷺ)! آپ خود اپنی حیات طیبہ میں دیکھ لیں گے اور آپ کے دشمن بھی دیکھ لیں گے۔ عقل و خرد کے اعتبار سے بے مایہ لوگ کون تھے۔ نتیجہ کار بتائے گا کہ جو کام شروع ہوا تھا وہ عاقلانہ تھا یا اسے درک نہ کرنے والے دیوانے تھے۔

جب آپ کے پیغام سے عقلوں میں جنبش آ جائے گی، عقل و خرد پروان چڑھنا شروع کر دے گی، جاہلیت کی تاریکیوں میں بھٹکنے والوں کو جب روشنی مل جائے گی، جب عقلوں پر پڑے پردے آپ کی تعلیمات سے ہٹ جائیں گے، اس وقت انہیں پتہ چلے گا جنون میں مبتلا کون تھا۔ چنانچہ چشم فلک نے دیکھ لیا عقل کل کا مالک اور عقلوں کو جلا بخشنے والا کون تھا اور جن کی عقلوں پر پردہ پڑا رہا وہ کون تھے۔

اِنَّ رَبَّکَ ہُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ ۪ وَ ہُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُہۡتَدِیۡنَ ﴿۷﴾ ۷۔ آپ کا رب یقیناً انہیں خوب جانتا ہے جو راہ خدا سے بھٹکے ہوئے ہیں اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔

فَلَا تُطِعِ الۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۸﴾ ۸۔ لہٰذا آپ تکذیب کرنے والوں کی بات نہ مانیں۔

وَدُّوۡا لَوۡ تُدۡہِنُ فَیُدۡہِنُوۡنَ ﴿۹﴾ ۹۔ وہ چاہتے ہیں اگر آپ ڈھیلے پڑ جائیں تو وہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں۔

---

[1] مستدرک الوسائل ۱۱: ۱۸۷

تفسیر آیات

کامیابی اور ناکامی کا علم اللہ کو ہے اور آپ نے یقیناً کامیاب ہونا ہے لہٰذا تکذیبی عناصر کی باتوں پر توجہ نہ دیں کہ وہ آپ سے کیا چاہتے ہیں؟

۲۔ وَدُّوۡا لَوۡ تُدۡہِنُ فَیُدۡہِنُوۡنَ: وہ چاہتے ہیں کہ آپ اپنے موقف میں لچک پیدا کریں تو وہ بھی اپنے موقف میں لچک پیدا کریں گے۔ یعنی آپ اپنے توحیدی موقف میں کچھ لچک پیدا کر کے بتوں کے خلاف باتیں کرنا بند کر دیں۔ ان بتوں کو بے حس، بے شعور نہ کہیں۔ یہ نہ کہیں یہ اصنام کسی قسم کا نفع و نقصان نہیں دے سکتے، یہ نہ کہیں یہ اصنام تمہاری شفاعت نہیں کر سکیں گے تو ہم بھی آپ کے رب کے بارے میں نرم موقف اختیار کریں گے۔

فَلَا تُطِعِ الۡمُکَذِّبِیۡنَ: آپ تکذیبی عناصر کے اس قسم کے حربوں میں نہ آئیں۔

وَ لَا تُطِعۡ کُلَّ حَلَّافٍ مَّہِیۡنٍ ﴿۱۰﴾

ہَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِیۡمٍ ﴿۱۱﴾

مَّنَّاعٍ لِّلۡخَیۡرِ مُعۡتَدٍ اَثِیۡمٍ ﴿۱۲﴾

عُتُلٍّۭ بَعۡدَ ذٰلِکَ زَنِیۡمٍ ﴿۱۳﴾

۱۰۔ اور آپ کسی بھی زیادہ قسمیں کھانے والے بے وقار شخص کے کہنے میں نہ آئیں۔

۱۱۔ جو عیب جو، چغل خوری میں دوڑ دھوپ کرنے والا،

۱۲۔ بھلائی سے روکنے والا، حد سے تجاوز کرنے والا، بدکردار،

۱۳۔ بدخو اور ان سب باتوں کے ساتھ بد ذات بھی ہے،

تفسیر آیات

ان لوگوں کی باتوں میں نہ آئیں:

۱۔ حَلَّافٍ: بات بات پر قسم کھانے والے کی۔ زیادہ قسم وہ شخص کھاتا ہے جو اللہ کی قدر و معرفت نہیں رکھتا اور اس کی باتوں میں حقیقت نہیں ہوتی۔ اس خلا کو وہ قسم سے پر کرنا چاہتا ہے۔ سچائی سے محرومی کا احساس ''قسم'' ہے۔

۲۔ مَّہِیۡنٍ: بے وقار شخص کے کہنے میں نہ آئیں۔ جھوٹ بولنا انسان کی اپنی اہانت ہے۔ عزت و تکریم کے منافی ہے۔ بے وقعت انسان کو جھوٹ بولنے میں کوئی باک نہیں ہوتا کیونکہ اگر جھوٹ پکڑا بھی جائے تو اس کی عزت نفس مجروح نہیں ہوتی چونکہ اس کے نفس کی عزت ہی نہیں ہے۔ حدیث نبوی ہے:

لَا يَكْذِبُ الْكَاذِبُ اِلَّا مِنْ مَهَانَةِ نَفْسِهِ.... [1] — جھوٹ بولنے والا اپنی بے وقعتی کی وجہ سے ہی جھوٹ بولتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام سے مروی ہے:

الصادق علی شرف منجاۃ و کرامۃ والکاذب علی شفا مھوات و مھانۃ۔ [2] — راست گو نجات اور عزت کی دہلیز پر ہوتا ہے جب کہ دروغ گو حماقت اور اہانت کی کھائی پر ہوتا ہے۔

۳۔ هَمَّازٍ: عیب جو، طعن گو کی باتوں میں نہ آئیں۔ جو شخص دوسروں کی عیب جوئی میں لگا رہتا ہے وہ اپنے عیوب و نقائص سے بے خبر ہوتا ہے۔ ایسا شخص جب بات کرتا ہے تو اس کی بات حقائق پر مبنی نہیں ہوتی۔

۴۔ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيمٍ: چغل خوری میں دوڑ دھوپ کرنے والے کی باتوں میں نہ آئیں۔

مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا: کیا میں تمہیں بتا دوں تم میں سے بدتر آدمی کون ہے؟ لوگوں نے عرض کیا فرمائیں یا رسول اللہ تو فرمایا:

اَلْمَشَّاءُ وْنَ بِالنَّمِيْمَةِ الْمُفَرِّقُوْنَ بَيْنَ الْاَحِبَّةِ.... — تم میں بدتر شخص وہ ہے جو چغل خوری میں دوڑ دھوپ کرتا اور دوستوں میں جدائی ڈالتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے:

اسوء الصدق النميمة۔ [3] — بدترین سچائی چغل خوری ہے۔

۵۔ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ: بھلائی سے روکنے والا۔ ایسا شخص بدتوفیق اور بدخصلت ہوتا ہے جسے خود خیر کی توفیق نہیں ہوتی، دوسروں کو بھی خیر کی طرف جاتے ہوئے برداشت نہیں کر سکتا۔ بعض خیر سے مراد مال لیا جاتا ہے۔ مال خرچ نہ کرنے والے بخیل کی باتوں میں نہ آئیں۔

حدیث نبوی ہے:

اَلْبَخِيْلُ مُبَغَّضٌ فِي السَّمٰوٰاتِ مُبَغَّضٌ فِي الْاَرْضِ.... [4] — بخیل آسمانوں میں مبغوض اور زمین میں بھی مبغوض ہے۔

دیگر حدیث میں آیا ہے:

لا تشاور البخيل فانه يقصر بك عن غايتك.... [5] — بخیل سے مشورہ نہ لو چونکہ وہ آپ کو مقصد تک پہنچنے نہیں دے گا۔

۶۔ مُعْتَدٍ: تجاوز کار۔ حد سے آگے جانے والا۔ اخلاق اور فرائض کی حدود کی پاسداری نہ کرنے والا۔ قانون، اخلاق اور احکام کی حدوں کا احترام نہ کرنے والا۔ دوسروں کے حقوق عزت آبرو پر ڈاکہ ڈالنے والا۔

---

[1] مستدرک الوسائل ۹: ۸۴ [2] ارشاد القلوب ۱: ۱۳۱
[3] غرر الحکم تصیحت ۴۴۵۲ [4] الکافی ۴: ۳۹ [5] علل الشرائع ۲: ۵۵۹

۷۔ اَثِیۡمٍ: بدکردار کی باتوں میں بھی نہ آئیں۔ بدکردار، انسانی قدروں سے نا آگاہ ہوتا ہے۔ اسی لیے اسے بدکرداری بری نہیں لگتی۔ اگر آپ اس کی باتوں میں آئیں گے تو وہ آپ کو بری باتوں کو زیبا بنا کر پیش کرے گا اور اچھے کردار کی تعریف نہیں کرے گا۔

۸۔ عُتُلٍّ: بدخو کی باتوں میں نہ آئیں۔ العتل کی تعریف اس طرح وارد ہوئی ہے:

العتل العظیم الکفر...[1] عتل کفر میں بڑا کردار ادا کرنے والا ہے

۹۔ زَنِیۡمٍ: بدذات کی باتوں میں نہ آئیں۔ حضرت امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے:

لَا خَیۡرَ فِی وَلَدِ الزِّنَا وَ لَا فِی بَشَرِہٖ وَ لَا فِی شَعۡرِہٖ وَ لَا فِی لَحۡمِہٖ وَ لَا فِی دَمِہٖ وَ لَا فِی شَیۡءٍ مِنۡہُ عَجَزَتۡ عَنۡہُ السَّفِینَۃُ وَ قَدۡ حُمِلَ فِیۡھَا الۡکَلۡبُ وَ الۡخِنۡزِیۡرُ۔[2]

ولد زنا میں خیر نہیں ہے. نہ اس کی جلد میں، نہ بال میں، نہ گوشت و خون میں، نہ کسی چیز میں۔ اسے کشتی نوح نے بھی قبول نہیں کیا جب کہ اس میں کتے اور سور سوار ہو سکے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ

اِنَّ النَّاصِبَ شَرٌّ مِنۡ وَلَدِ الزِّنَا۔[3] ناصبی ولد زنا سے بھی بدتر ہے۔

اَنۡ کَانَ ذَا مَالٍ وَّ بَنِیۡنَ ﴿۱۴﴾ ۱۴۔ اس بنا پر کہ وہ مال و اولاد کا مالک ہے۔

تفسیر آیات

مذکورہ بری صفات کے مالک کی باتوں میں اس بنا پر نہ آئیں کہ اس کے پاس مال و اولاد کی کثرت ہے۔ یعنی کہیں اس کی دولت دھوکے میں نہ ڈالے کہ انسان کو مال و دولت کی وجہ سے اس کی صفاتِ بد نظر نہ آئیں یا انہیں نظر انداز کرے، چونکہ عام طور پر مال و دولت کے پردے میں بہت سے عیوب چھپ جاتے ہیں۔ کہاوت ہے: مالدار کی بدبو بھی اچھی لگتی ہے۔

واضح رہے قرآن کا طرز خطاب یہ ہے کہ بعض مطالب کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے خطاب کر کے ارشاد فرماتا ہے اور سمجھانا امت کو مقصود ہوتا ہے۔

اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡہِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۱۵﴾ ۱۵۔ جب اسے ہماری آیات سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے: یہ تو قصہ ہائے پارینہ ہیں۔

---

[1] معانی الاخبار ص ۶۴۹ [2] الکافی ۵: ۳۵۵ [3] مستدرک الوسائل ۱۷: ۴۳۲۔

تفسیر آیات

ایسے مذموم اوصاف سے متصف شخص نہ کسی دلیل و منطق کو سمجھ سکتا ہے، نہ کسی معجزہ سے متاثر ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اپنی انحرافی سوچ میں کے مطابق ان معجزات کے مقابلے میں ردعمل ظاہر کرتا ہے۔

سَنَسِمُهٗ عَلَى الۡخُرۡطُوۡمِ ﴿۱۶﴾ ۱۶۔ عنقریب ہم اس کی سونڈ داغیں گے۔

تفسیر آیات

اس متکبر کو ذلیل و خوار کرنے کے لیے اس کی سونڈ کو داغ دیں گے۔ سونڈ سور کی ہوتی ہے۔ یعنی جس نے اپنی ناک بہت بڑی کر کے تکبر و رعونت کا مظاہرہ کیا ہے اسے ذلت و خواری سے دوچار کریں گے۔

اس میں اس شخص کی ذلت و رسوائی کی دو باتیں ہیں:

اول: ناک کی جگہ سونڈ کہا ہے جو ایک اہانت ہے چونکہ سونڈ سور کی ہوتی ہے۔

دوم: ناک انسان کے چہرے کا نمایاں ترین حصہ ہے۔ اسے داغنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ انتہائی ذلت اٹھائے۔

اِنَّا بَلَوۡنٰهُمۡ كَمَا بَلَوۡنَاۤ اَصۡحٰبَ الۡجَنَّةِ ۚ اِذۡ اَقۡسَمُوۡا لَيَصۡرِمُنَّهَا مُصۡبِحِيۡنَ ﴿۱۷﴾ وَلَا يَسۡتَثۡنُوۡنَ ﴿۱۸﴾

۱۷۔ ہم نے انہیں اس طرح آزمایا جس طرح ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی، جب انہوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ صبح سویرے اس (باغ) کا پھل توڑیں گے۔

۱۸۔ اور وہ استثنا نہیں کر رہے تھے (انشاء اللہ نہیں کہا)۔

تشریح کلمات

لَيَصۡرِمُنَّهَا: (ص ر م) الصرم کاٹنے کو کہتے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ اِنَّا بَلَوۡنٰهُمۡ: ہم نے اہل مکہ کو ایک قحط کے ذریعے آزمائش میں ڈالا جیسا کہ یمن کے ایک باغ کے مالکوں کو آزمائش میں ڈالا تھا۔ روایت میں آیا ہے:

ایک بزرگ شخص اپنے باغ کا پھل گھر لانے سے پہلے اپنی ضرورت سے زائد پھل غریبوں میں تقسیم کیا کرتا تھا مگر اس شخص کی وفات کے بعد ایک فرزند کے سوا باقی سب نے باپ کی اس روایت کو ترک کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس ایک فرزند نے باقیوں کو تنبیہ بھی کی کہ مسکینوں کو کچھ نہ دینے کا فیصلہ نہ کرو لیکن وہ اپنے فیصلے پر ڈٹے رہے تو اللہ تعالیٰ نے راتوں رات سارا باغ تباہ کر دیا۔

۲۔ وَلَا یَسۡتَثۡنُوۡنَ: وہ استثنا نہیں کر رہے تھے یعنی وہ اپنے فیصلے کے وقت اللہ کی مشیت و ارادے کا حوالہ نہیں دیتے تھے اور انشاء اللہ نہیں کہتے تھے۔ انہیں اپنی تدبیر پر ناز تھا۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ وہ مسکینوں کے لیے کچھ نہیں چھوڑتے تھے۔ وہ بلا استثنا سارا مال خود لینا چاہتے تھے۔

فَطَافَ عَلَیۡہَا طَآئِفٌ مِّنۡ رَّبِّکَ وَ ہُمۡ نَآئِمُوۡنَ ﴿۱۹﴾	۱۹۔ اور آپ کے رب کی طرف سے گھومنے والی (بلا) گھوم گئی اور وہ سو رہے تھے۔
فَاَصۡبَحَتۡ کَالصَّرِیۡمِ ﴿۲۰﴾	۲۰۔ پس وہ (باغ) کٹی ہوئی فصل کی طرح ہو گیا۔

تفسیر آیات

چنانچہ وہ لوگ مسکینوں کو محروم رکھنے کا فیصلہ کر کے سو جاتے ہیں۔ ادھر رات کو اللہ تعالیٰ ان کے باغ پر آفت نازل فرماتا ہے اور یہ باغ اس طرح نابود ہو جاتا ہے جیسے فصل سے خالی زمین ہے۔

فَتَنَادَوۡا مُصۡبِحِیۡنَ ﴿۲۱﴾	۲۱۔ صبح انہوں نے ایک دوسرے کو آوازیں دیں:
اَنِ اغۡدُوۡا عَلٰی حَرۡثِکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰرِمِیۡنَ ﴿۲۲﴾	۲۲۔ اگر تمہیں پھل توڑنا ہے تو اپنی کھیتی کی طرف سویرے ہی چل پڑو۔
فَانۡطَلَقُوۡا وَ ہُمۡ یَتَخَافَتُوۡنَ ﴿۲۳﴾	۲۳۔ چنانچہ وہ چل پڑے اور آپس میں آہستہ آواز میں کہتے جاتے تھے
اَنۡ لَّا یَدۡخُلَنَّہَا الۡیَوۡمَ عَلَیۡکُمۡ مِّسۡکِیۡنٌ ﴿۲۴﴾	۲۴۔ کہ یہاں تمہارے پاس آج قطعاً کوئی مسکین نہ آنے پائے۔
وَّ غَدَوۡا عَلٰی حَرۡدٍ قٰدِرِیۡنَ ﴿۲۵﴾	۲۵۔ چنانچہ وہ خود کو (مسکینوں کے) روکنے پر قادر سمجھتے ہوئے سویرے پہنچ گئے۔

تشریح کلمات

حَرۡدٍ: (ح ر د) منع کرنے، روکنے کے معنوں میں ہے۔

تفسیر آیات

چنانچہ ان لوگوں کو یقین تھا کہ وہ مسکینوں کو محروم رکھنے پر قادر ہوں گے اور کوئی انہیں محروم کرنے سے روک نہیں سکتا۔

فَلَمَّا رَاَوۡهَا قَالُوۡۤا اِنَّا لَضَآلُّوۡنَ ﴿۲۶﴾ بَلۡ نَحۡنُ مَحۡرُوۡمُوۡنَ ﴿۲۷﴾

۲۶۔ مگر جب انہوں نے باغ کو دیکھا تو کہا: ہم تو راستہ بھول گئے ہیں۔

۲۷۔ (نہیں) بلکہ ہم محروم رہ گئے ہیں۔

تفسیر آیات

باغ کا نشان تک نہ ملنے پر انہوں نے شروع میں تو یہ خیال کیا کہ ہم راستہ بھول گئے ہیں، کسی غیر آباد جگہ پہنچ گئے ہیں۔ بعد میں ہوش میں آ کر دیکھا جگہ وہی ہے۔ جگہ بھولے نہیں ہیں بلکہ باغ سے محروم ہو گئے ہیں۔ یہ ہمارا ہی باغ ہے جو تباہ ہو گیا ہے۔

واضح رہے مالداروں کی دولت میں سے مسکینوں کو ان کا حصہ نہ دینے کی صورت میں تباہی ہمیشہ نہیں آتی بلکہ یہ اس صورت میں ہے کہ مساکین کو جو حق مل رہا تھا اسے روک دیا جائے اور ان کی توقعات اس سے وابستہ ہونے کے بعد ان کی آس توڑ دی جائے تو عذاب آتا ہے۔ غریبوں اور مسکینوں کی آہ میں ایک بہت بڑا اثر ہے۔

مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو: وَاٰتُوۡا حَقَّهٗ يَوۡمَ حَصَادِهٖ ....[1] البتہ ان کی فصل کاٹنے کے دن اس (اللہ) کا حق (غریبوں کو) ادا کرو۔

قَالَ اَوۡسَطُهُمۡ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكُمۡ لَوۡلَا تُسَبِّحُوۡنَ ﴿۲۸﴾

۲۸۔ ان میں جو سب سے زیادہ اعتدال پسند تھا کہنے لگا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے؟

---

[1] ۶ انعام: ۱۴۱

تشریح کلمات

اَوۡسَطُهُمۡ: (و س ط) اوسط۔ معتدل، عادل۔ دراصل یہ لفظ سطة سے ماخوذ ہے جو عمدہ اور سنجیدہ کے معنوں میں ہوتا ہے کہا جاتا ہے: اعطنی من سطات مالك۔[1] مجھے اپنے عمدہ مال میں سے دے دو۔
حدیث میں آیا ہے: الوالد اوسط ابواب الجنة۔[2] جنت کا بہترین دروازہ والد ہیں۔
نیز کہا جاتا ہے: انه کان من اوسط قومه۔[3] وہ اپنی قوم کا بہتر آدمی تھا۔ کہتے ہیں: اسی سے ہے: وَكَذٰلِكَ جَعَلۡنٰكُمۡ اُمَّةً وَّسَطًا...[4]

تفسیر آیات

۱۔ قَالَ اَوۡسَطُهُمۡ: ان میں سے زیادہ معتدل اور زیادہ بہتر شخص نے کہا:
۲۔ لَوۡلَا تُسَبِّحُوۡنَ: تم اللہ کا ذکر کیوں نہیں کرتے اور اس ارادے سے توبہ کرو اور اس بری نیت کو چھوڑ دو۔

قَالُوۡا سُبۡحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيۡنَ ﴿۲۹﴾

۲۹۔ وہ کہنے لگے: پاکیزہ ہے ہمارا پروردگار! ہم ہی قصور وار تھے۔

تفسیر آیات

اب بعد از خرابی بسیار اعتراف کرنے پر آ گئے اور اللہ کی تسبیح کی کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے خلاف عدل کام کرنے سے پاک و منزہ ہے۔ ہمارے ساتھ جو ہوا وہ اللہ کے عدل اور ہمارے اپنے ظلم کی وجہ سے ہوا ہے۔

فَاَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ يَّتَلَاوَمُوۡنَ ﴿۳۰﴾

۳۰۔ پھر وہ آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔

تفسیر آیات

ناکامی کی صورت میں ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ ناکامی کی ذمہ داری کوئی بھی اپنے سر نہیں لیتا، دوسروں پر ذمہ داری ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے اور دوسروں پر ذمہ داری ڈالنا ناکامی کی وجہ سے ہونے والی شرمندگی دور کرنے کی ایک ناکام کوشش ہوتی ہے۔

---

[1] الکشاف [2] لسان العرب [3] لسان العرب [4] ۲ بقرۃ: ۱۴۳

قَالُوۡا یٰوَیۡلَنَاۤ اِنَّا کُنَّا طٰغِیۡنَ ﴿۳۱﴾

۳۱۔ کہنے لگے: ہائے ہماری شامت! ہم سرکش ہو گئے تھے۔

عَسٰی رَبُّنَاۤ اَنۡ یُّبۡدِلَنَا خَیۡرًا مِّنۡہَاۤ اِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا رٰغِبُوۡنَ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ بعید نہیں کہ ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر بدلہ دے، اب ہم اپنے رب ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

تفسیر آیات

روایت میں آیا ہے کہ ان لوگوں نے صدق دل سے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں پہلے سے بہتر باغات عنایت فرمائے۔[1]

کَذٰلِکَ الۡعَذَابُ ؕ وَ لَعَذَابُ الۡاٰخِرَۃِ اَکۡبَرُ ۘ لَوۡ کَانُوۡا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿٪۳۳﴾

۳۳۔ عذاب ایسا ہی ہوتا ہے اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہے، کاش! یہ لوگ جان لیتے۔

تفسیر آیات

مال دنیا کے غرور و نخوت میں مبتلا لوگوں کے لیے یہ دنیا کے عذاب کا ایک نمونہ ہے۔ اس کے پیچھے آخرت کا عذاب، اس عذاب سے قابل موازنہ نہیں ہے۔ وہ بہت بڑا عذاب ہے۔

اِنَّ لِلۡمُتَّقِیۡنَ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ جَنّٰتِ النَّعِیۡمِ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ پرہیزگاروں کے لیے ان کے رب کے پاس یقینا نعمت بھری جنتیں ہیں۔

تفسیر آیات

فتنۂ دولت میں مبتلا لوگوں کے مقابلے میں اہل تقویٰ آتے ہیں جنہیں آخرت میں نعمتوں والی جنت سے نوازا جائے گا۔

اَفَنَجۡعَلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ کَالۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿ؕ۳۵﴾

۳۵۔ کیا ہم مسلمانوں کو مجرمین جیسا بنا دیں گے؟

[1] زبدۃ التفاسیر: ۲۸

مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿٣٦﴾
۳۶۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟

اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿٣٧﴾
۳۷۔ کیا تمہارے پاس کوئی (آسمانی) کتاب ہے جس میں تم پڑھتے ہو؟

تفسیر آیات

مشرکین کے اس خیال کی رد ہے کہ اول تو قیامت نہیں ہے اگر قیامت ہوئی تو وہاں بھی ہم مسلمانوں سے بہتر حالت میں ہوں گے جیسا کہ دنیا میں ہماری حالت مسلمانوں سے بہتر ہے۔ یہ باتیں سادہ لوح مسلمانوں کے عقیدہ و ایمان میں اضطراب پیدا کرنے کا سبب بن سکتی ہیں۔ اس لیے اس کے رد میں پوری وضاحت فرمائی۔

ا۔ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ: مشرکین سے سوال ہے کہ تمہارے اعتقادات و نظریات کا ماخذ اور سند کیا ہے؟ کیا کوئی آسمانی کتاب و سند موجود ہے؟ جس میں تمہارے پسند کے عقائد موجود ہوں؟

اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ﴿٣٨﴾
۳۸۔ اس میں وہی باتیں ہوں جنہیں تم پسند کرتے ہو

تفسیر آیات

تم تو کسی آسمانی کتاب کو سرے سے مانتے نہیں ہو تو یہ تمہاری پسند کے عقائد تمہارے پاس کس حوالے سے آئے ہیں؟

اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿٣٩﴾
۳۹۔ یا ہمارے ذمے تمہارے لیے قیامت تک کے لیے کوئی عہد و پیمان ہے کہ تمہیں وہی ملے گا جس کو تم مقرر کر دیتے ہو؟

تفسیر آیات

ایک صورت یہ ہو سکتی تھی کہ اللہ کے ساتھ تمہارا کوئی معاہدہ ہوا ہو۔ اس معاہدے کے تحت تمہارے لیے وہی عقائد قابل قبول ہوں جن کا خود تم نے فیصلہ کیا ہے۔ یعنی عقائد کا فیصلہ کرنے کا حق اللہ نے تمہیں دیا ہو کہ تم جو عقائد اپنے لیے اختیار کرو، وہی درست ہوں؟

سَلۡهُمۡ اَیُّهُمۡ بِذٰلِکَ زَعِیۡمٌ ۚ﴿۴۰﴾

۴۰۔ آپ ان سے پوچھیں: ان میں سے کون اس کا ذمہ دار ہے؟

تشریح کلمات

زَعِیۡمٌ: (ز ع م) ذمہ دار۔ کفیل

تفسیر آیات

اگر قیامت کے دن مسلمان اور مشرک دونوں نے برابر ہونا ہے تو تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو اس بات کی ذمہ داری اٹھائے اور ضمانت دے؟ اس قسم کے اختیار کا مالک اگر تم میں موجود ہو تو وہ اس کی سند پیش کرے۔

اَمۡ لَهُمۡ شُرَکَآءُ ۚ فَلۡیَاۡتُوۡا بِشُرَکَآئِهِمۡ اِنۡ کَانُوۡا صٰدِقِیۡنَ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ کیا ان کے شریک ہیں؟ پس اگر وہ سچے ہیں تو اپنے شریکوں کو لے آئیں۔

تفسیر آیات

قیامت کے دن کافر اور مومن کو ایک جیسا کرنے کے لیے کیا ان کے پاس کوئی شریک کار ہیں کہ وہ شریک کار تم سے مل کر اس کام کو انجام دیں؟ اگر کوئی ایسے شریک کار ہیں تو انہیں آگے لے آئیں اور ان کی نشاندہی کریں؟

یَوۡمَ یُکۡشَفُ عَنۡ سَاقٍ وَّ یُدۡعَوۡنَ اِلَی السُّجُوۡدِ فَلَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ ﴿ۙ۴۲﴾

۴۲۔ جس دن مشکل ترین لمحہ آئے گا اور انہیں سجدے کے لیے بلایا جائے گا تو یہ لوگ سجدہ نہ کر سکیں گے۔

خَاشِعَۃً اَبۡصَارُهُمۡ تَرۡهَقُهُمۡ ذِلَّۃٌ ؕ وَ قَدۡ کَانُوۡا یُدۡعَوۡنَ اِلَی السُّجُوۡدِ وَ هُمۡ سٰلِمُوۡنَ ﴿۴۳﴾

۴۳۔ ان کی نگاہیں نیچی ہوں گی اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی حالانکہ انہیں سجدے کے لیے اس وقت بھی بلایا جاتا تھا جب یہ لوگ سالم تھے۔

تفسیر آیات

۱۔ یَوۡمَ یُکۡشَفُ عَنۡ سَاقٍ: جب کوئی ہنگامی حالت اور غیر معمولی سختی پیش آتی ہے تو لوگ اس سے نمٹنے کے لیے آمادگی کے طور پر کپڑے سمیٹ لیتے ہیں اور پنڈلی کھول لیتے ہیں۔ چنانچہ غیر معمولی حالت درپیش ہونے کی صورت میں کشف ساق ایک محاورہ ہے۔ لہٰذا اس کا ترجمہ ''پنڈلی کی تجلی'' کرنا اللہ کا جسم ہونے کا قائل ہونے کے مترادف ہے۔

وَهُمۡ سٰلِمُوۡنَ: قرینہ ہے کہ کشف ساق عدم سالمیت کا محاورہ ہے۔ جیسا کہ سعد بن خالد نے موت نزدیک آنے کی اضطرابی حالت میں یہی تعبیر اختیار کی:

کشفت لهم عن ساقها
و بدا من الشر الصراح
وبدت عقاب الموت
يخفق تحتها الاجل المتاح

جب جنگ شدت اختیار کر جائے تو کہا جاتا ہے: كشفت الحرب عن ساقها وغیرہ۔ اس جگہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، نسائی کی ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

یکشف ربنا عن ساقه فسجدله کل مومن و مومنة۔ ہمارا رب اپنی پنڈلی کھولے گا تو ہر مومن اور مومنہ اللہ کے لیے سجدہ کرے گا۔

دیگر روایت ہے جسے حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔ قیامت کے دن مسلمانوں سے جب کہا جائے گا کہ تم اپنے رب کو کس چیز سے پہچانو گے تو وہ کہیں گے ایک علامت ہے اس سے۔ کہا جائے گا وہ کیا ہے؟

قالوا یکشف عن ساق فیکشف عند ذلك۔[1] کہیں گے وہ پنڈلی کھولے گا۔ چنانچہ اس وقت پنڈلی کھول لے گا۔

روایت کی صحت کا التزام کرنے والے اللہ کے جسم کے قائل ہونے کے نوبت تک پہنچ جاتے ہیں۔ پھر الساق موجود والکیف مجهول، ''اللہ کی پنڈلی ہے مگر اس پنڈلی کی حقیقت غیر معلوم ہے'' کہہ کر اپنے آپ کو تسلی دیتے ہیں۔ البتہ اکثر اہل الرائے مفسرین نے کشف ساق سے مراد وہی لیا ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔

۲۔ وَّیُدۡعَوۡنَ اِلَی السُّجُوۡدِ: قیامت کے دن سجدے کا حکم تکلیفی نہیں ہے بلکہ یہ حکم طعن و تشنیع کے طور پر ہوگا کہ دنیا میں جب تم سالم تھے سجدہ نہیں کرتے تھے۔ فَلَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ کا فقرہ بتاتا ہے کہ یہ حکم تکلیفی نہیں ہے چونکہ غیر ممکن فعل پر حکم نہیں آتا اور قیامت کا دن یوم حساب ہے، یوم تکلیف نہیں ہے۔

---

[1] روح المعانی

فَذَرْنِیْ وَمَنْ یُّکَذِّبُ بِھٰذَا الْحَدِیْثِ ؕ سَنَسْتَدْرِجُھُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾

۴۴۔ پس مجھے اس کلام کی تکذیب کرنے والوں سے نمٹنے دیں، ہم بتدریج انہیں گرفت میں لیں گے اس طرح کہ انہیں خبر ہی نہ ہو۔

تفسیر آیات

کفار ومشرکین کے لیے انتہائی دھمکی ہے۔ اے رسول! آپ ان مشرکین کے بارے میں کسی قسم کی سفارش نہ کریں، نہ آپ ان سے الجھیں۔ یہ میرے دشمن ہیں۔ میں خود ان مشرکین سے نمٹ لوں گا۔ قادر جبار کے مقابلے میں ان مکھیوں کی کیا وقعت ہے۔

اس فقرے میں جہاں مشرکین کی تباہی کی خبر ہے وہاں رسول اللہ ﷺ کے لیے نوید فتح ہے۔

۲۔ سَنَسْتَدْرِجُھُمْ: ہم بتدریج انہیں گرفت میں لیں گے۔ سرکشی اور طغیانی کے باوجود نعمتوں کی فراوانی کو نادان لوگ خوش قسمتی سمجھتے ہیں جب کہ یہ فراوانی اللہ کی طرف سے گرفت کی شدید ترین نوعیت ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

اذا احدث العبد ذنبا جدد له نعمة فیدع الاستغفار فهو الاستدراج۔[1]

جب بندہ کسی گناہ کا ارتکاب کرے اور اس کے لیے نئی نعمت فراہم ہوتی رہے اور استغفار ترک کرے تو یہ بتدریج گرفت کی علامت ہے۔

وَاُمْلِیْ لَھُمْ ؕ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ ﴿۴۵﴾

۴۵۔ اور میں انہیں ڈھیل دوں گا، میری تدبیر یقیناً بہت مضبوط ہے۔

تفسیر آیات

یہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کا اہم حصہ ہے کہ فوری عذاب نازل نہیں فرماتا بلکہ مجرموں کو ڈھیل دیتا ہے۔ اگر قابل ہدایت ہے تو یہ ڈھیل ان کے لیے رحمت ہے۔ اگر قابل ہدایت نہیں ہے تو یہ ڈھیل ان کے عذاب میں اضافے کا سبب ہے۔

اَمْ تَسْـَٔلُھُمْ اَجْرًا فَھُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۶﴾

۴۶۔ کیا آپ ان سے اجرت مانگتے ہیں جس کے تاوان تلے یہ لوگ دب جائیں؟

---

[1] بحار الانوار ۵: ۲۱۵

تشریح کلمات

مَّغۡرَمٍ : (غ ر م) بلا وجہ ادا کرنے پڑنے والا مالی بوجھ

تفسیر آیات

اے رسول! آپ نے ان پر کبھی مالی بوجھ نہیں ڈالا۔ تبلیغ رسالت کی مالی اجرت نہیں مانگی۔ کوئی مادی مفادات ان سے وابستہ نہیں کیے کہ وہ یہ عذر پیش کریں کہ مال کی محبت اور مالی بوجھ نے ہمیں تکذیب پر اکسایا۔

اَمۡ عِنۡدَهُمُ الۡغَیۡبُ فَهُمۡ یَکۡتُبُوۡنَ ﴿۴۷﴾

۴۷۔ یا ان کے پاس غیب کا علم ہے جسے یہ لکھتے ہوں؟

تفسیر آیات

یا ان تکذیبی عناصر کے پاس غیب کی باتیں ہیں جنہیں ان لوگوں نے اپنے ہاں حفظ اور ثبت کر رکھا ہے۔ ان مکتوبات میں ان کی ہدایت کی ضروری باتیں درج ہیں۔ اس لیے انہیں آپ کی ہدایات کی ضرورت نہیں ہے یا یہ لوگ کسی بھی غیبی رسالت کے محتاج نہیں ہیں؟

فَاصۡبِرۡ لِحُکۡمِ رَبِّکَ وَ لَا تَکُنۡ کَصَاحِبِ الۡحُوۡتِ ۘ اِذۡ نَادٰی وَ هُوَ مَکۡظُوۡمٌ ﴿۴۸﴾ وقف لازم

۴۸۔ پس اپنے رب کے حکم تک صبر کریں اور مچھلی والے (یونس) کی طرح نہ ہو جائیں جنہوں نے غم سے نڈھال ہو کر (اپنے رب کو) پکارا تھا۔

تفسیر آیات

۱۔ جب ان مشرکین کے پاس مذکورہ باتوں میں سے ایک کا جواز بھی نہیں ہے، آپ کی تکذیب کا کوئی جواز نہیں ہے تو آپ صبر کریں اپنے رب کے حکم کی وجہ سے۔ بقولے لِحُکۡمِ میں لام، الی کے معنی میں ہے۔ یعنی اللہ کا حکم آنے تک صبر کریں۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ لام کو تعلیل سمجھیں یعنی فاصبر لسبب حکم ربك بالامهال کہ آپ کے رب نے مہلت دینے کا جو حکم دیا ہے اس کی وجہ سے صبر کریں۔

۲۔ وَ لَا تَکُنۡ کَصَاحِبِ الۡحُوۡتِ: صاحب حوت، مچھلی والے کی طرح بے صبری نہ کریں۔ یعنی حضرت یونس علیہ السلام کی طرح اپنی قوم کے ایمان نہ لانے سے تنگ آ کر بے صبری کا مظاہرہ نہ کریں یا اپنی قوم پر عذاب کے لیے عجلت سے کام نہ لیں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی بے صبری سرزد

ہو رہی تھی یا اپنی قوم کے خلاف بددعا کی تھی اور عذاب میں عجلت سے کام لیا تھا۔ آپ ﷺ تو ہمیشہ یہ کہا کرتے تھے:

اللّٰہم اھد قومی فانھم لا یعلمون۔[1] اے اللہ! میری قوم کو ہدایت فرما۔ یہ جانتے نہیں ہیں۔

آپ ﷺ عالمین کے لیے رحمت ہیں۔ عذاب کی درخواست نہیں فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے:

وَ مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَہُمۡ وَ اَنۡتَ فِیۡہِمۡ ...[2] اور اللہ ان پر عذاب نازل نہیں کرے گا جب تک آپ ان کے درمیان موجود ہیں۔

بلکہ مطلب یہ بتانا ہے کہ منکرین اور مکذبین کی طرف سے آپ کے لیے ایک صبر آزما ایذا ہے۔ صبر سے اس سخت مرحلے کو گزاریں۔ یونس نے بے صبری کی تو کیا نتیجہ ہوا، وہ بیان کرنا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ سے فرمایا:

وَلَا تَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ○[3] تم ہرگز مشرکین میں سے نہ ہونا۔

تو اس کا یہ مطلب تو ہو نہیں سکتا کہ آپ ﷺ شرک کے نزدیک جانے والے تھے۔

۲۔ اِذۡ نَادٰی وَ ہُوَ مَکۡظُوۡمٌ : حضرت یونس علیہ السلام کی ندا کا ذکر سورہ انبیاء آیت ۸۷ میں آیا ہے:

فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنۡ لَّاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنۡتَ سُبۡحٰنَکَ ٭ۖ اِنِّیۡ کُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ ○ چنانچہ وہ اندھیروں میں پکارنے لگے: تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، یقیناً میں ہی زیادتی کرنے والوں میں سے ہوں۔

۳۔ وَ ہُوَ مَکۡظُوۡمٌ : کظم سانس کی نالی کو کہتے ہیں۔ الکظوم سانس رکنے کے معنوں میں ہے۔ مَکۡظُوۡمٌ غم سے بھرے تھے یعنی حضرت یونس علیہ السلام غم کے نڈھال تھے۔

لَوۡ لَاۤ اَنۡ تَدٰرَکَہٗ نِعۡمَۃٌ مِّنۡ رَّبِّہٖ لَنُبِذَ بِالۡعَرَآءِ وَ ہُوَ مَذۡمُوۡمٌ ﴿۴۹﴾

۴۹۔ اگر ان کے رب کی رحمت انہیں سنبھال نہ لیتی تو وہ برے حال میں چٹیل میدان میں پھینک دیے جاتے۔

تشریح کلمات

العراء: چٹیل میدان کو کہتے ہیں۔

تفسیر آیات

حضرت یونس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت سے نوازا تو چٹیل میدان میں انہیں حالت مرض میں

---

[1] بحار الانوار ۱۱: ۲۹۸ [2] ۸ انفال ۳۳ [3] ۶ انعام: ۱۴

شجر یقطین کا سایہ فراہم فرمایا۔

لہٰذا ایک تسبیح اور دوسرے نعمت الٰہی شامل حال ہونے کی وجہ سے مچھلی کے پیٹ سے نجات ملی اور چٹیل میدان میں سایہ ملا۔

فَاجۡتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ۝۵۰

۵۰۔مگر اس کے رب نے اسے برگزیدہ فرمایا اور اسے صالحین میں شامل کر لیا۔

تفسیر آیات

چنانچہ اللہ نے ان پر وحی کا سلسلہ جاری رکھا اور واپس اپنی قوم میں رسالت کی مسئولیت پر بحال کیا۔

وَ اِنۡ یَّکَادُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَیُزۡلِقُوۡنَکَ بِاَبۡصَارِهِمۡ لَمَّا سَمِعُوا الذِّکۡرَ وَ یَقُوۡلُوۡنَ اِنَّهٗ لَمَجۡنُوۡنٌ ۝۵۱

۵۱۔اور کفار جب اس ذکر (قرآن) کو سنتے ہیں تو قریب ہے کہ اپنی نظروں سے آپ کے قدم اکھاڑ دیں اور کہتے ہیں: یہ دیوانہ ضرور ہے۔

وَ مَا هُوَ اِلَّا ذِکۡرٌ لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ۝۵۲

۵۲۔اور حالانکہ یہ (قرآن) عالمین کے لیے فقط نصیحت ہے۔

تشریح کلمات

لَیُزۡلِقُوۡنَکَ : (ز ل ق) زلق پھسلنے کو کہتے ہیں۔

تفسیر آیات

اگر اللہ کی حمایت آپ ﷺ کے شامل حال نہ ہوتی تو مشرکین اپنی نظر بد سے آپ کو گزند پہنچانے کی کوشش کرتے لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہوں گے۔

ایک رائے یہ ہے کہ نظر بد کسی چیز کو زیادہ پسندیدہ قرار دینے سے لگتی ہے مگر مشرکین حضور ﷺ کو مجنون کہتے تھے تو نظر بد کیسے لگتی۔ وَ یَقُوۡلُوۡنَ اِنَّهٗ لَمَجۡنُوۡنٌ کا یہ مطلب ہو سکتا ہے: حالانکہ وہ کہتے ہیں محمد مجنون ہیں تو چشم بد کیسی؟ مگر یہ کہا جائے کہ وہ کہتے تو تھے کہ مجنون ہیں مگر دل سے ان کے کمالات سے متاثر بھی تھے۔

دوسری تفسیر یہ کرتے ہیں: مشرکین آپ کو غیض و غضب کی نگاہ سے ایسے دیکھتے تھے کہ وہ دل سے

چاہتے تھے آپ کے قدم اکھاڑ دیں۔

نظر بد کے مؤثر ہونے پر روایت اور درایت دونوں دلالت کرتی ہیں۔ چنانچہ مستدرک الوسائل ۱: ۴۲۱ اور صحیح بخاری باب الطب حدیث ۲۹۹ میں آیا ہے۔ اَلْعَیْنُ حَقٌّ یعنی چشم بد ایک حقیقت ہے۔

سُورَةُ الْحَاقَّةِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اس سورۃ مبارکہ کا نام ابتدائی آیات میں وارد لفظ اَلۡحَآقَّۃُ سے موسوم ہے۔

یہ سورۃ بالاتفاق مکی ہے۔ آیات کی تعداد بصری قرائت کے مطابق ۵۱ اور کوفی قرائت کے مطابق ۵۲ ہے چونکہ کوفی قرائت میں اَلۡحَآقَّۃُ کو مستقل آیت شمار کیا ہے۔

سورۃ مبارکہ کے مضامین درج ذیل ہیں:

۱۔ ابتدا میں تباہ شدہ امتوں کا ذکر ہے جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی تھی۔

۲۔ آخرت کے حالات پر مشتمل ہیں۔ کچھ اصحاب یمین اور کچھ اصحاب شمال کے بارے میں ہیں۔

۳۔ تیسرا مضمون قرآن کی حقانیت سے متعلق ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	بنام خدائے رحمن رحیم
اَلۡحَآقَّۃُ ۙ﴿۱﴾	۱۔ حتمی وقوع پذیر۔
مَا الۡحَآقَّۃُ ۚ﴿۲﴾	۲۔ وہ حتمی وقوع پذیر کیا ہے؟
وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا الۡحَآقَّۃُ ؕ﴿۳﴾	۳۔ اور آپ کو کس چیز نے بتایا کہ وہ حتمی وقوع پذیر کیا ہے؟

تفسیر آیات

۱۔ اَلۡحَآقَّۃُ: حتمی اور یقینی وقوع پذیر یعنی قیامت، جس کا آنا حتمی ہے۔

وَّ اَنَّ السَّاعَۃَ اٰتِیَۃٌ لَّا رَیۡبَ فِیۡہَا ... [۱] اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے جس میں کوئی شک نہیں۔

---

[۱] ۲۲ حج: ۷

مشرکین مکہ نہ صرف قیامت کے منکر تھے بلکہ اسے ناممکن سمجھتے اور اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ ایسے منکروں کے لیے یہ اسلوب کلام اختیار کیا گیا کہ جس شد و مد سے وہ منکر تھے اسی شد و مد سے اسے پیش کیا جا رہا ہے۔

۲۔ مَاالۡحَآقَّۃُ: حاقہ کیا ہے۔ یعنی حتمی اور یقینی وقوع پذیر کیا ہے؟ قیامت کی ہولنا کی اور اس کی عظیم اہمیت بیان کرنے کے لیے سوالیہ جملہ ہے۔ جیسے ہم ایک چیز کی اہمیت بتانا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں: آپ کو علم ہے وہ کیا ہے؟

۳۔ وَمَاۤ اَدۡرٰىکَ مَاالۡحَآقَّۃُ: اور آپ کو کس چیز نے بتایا کہ حاقہ کیا چیز ہے؟

رسول اللہ ﷺ کو علم ہے قیامت کیا چیز ہے؟ صرف قیامت کی ہولناک حالت اور اہمیت بتانے کے لیے یہ تعبیر اختیار کی گئی ہے۔

وَمَاۤ اَدۡرٰىکَ ایک ضرب المثل کی طرح ہے۔ کسی بھی ضرب المثل کی ترکیب میں تبدیلی نہیں لائی جاتی۔ یہ لفظ دَرَی سے ہے۔ باب افعال میں تین مفعولوں تک متعدی ہوتا ہے: ادرکنی زید الحاقۃ امراً عظیما۔ عام طور پر یہ ترکیب ''آپ کیا جانے'' کے معنوں میں بطور ضرب المثل استعمال ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں کاف کا خطاب کسی معین مخاطب کے لیے نہیں ہوتا۔ اسی لیے یہ کاف ہمیشہ مفرد استعمال ہوتا ہے، تثنیہ اور جمع نہیں ہوتا، نہ تانیث ہوتا ہے۔

مَاۤ استفہامیہ ہے جو اہمیت اور عظمت بتانے کے لیے مستعمل ہے جیسا کہ ایک عظیم شے کے بارے میں استفہام ہوا کرتا ہے۔

راغب نے المفردات میں لکھا ہے:

> قرآن پاک میں جہاں کہیں وَمَاۤ اَدۡرٰىکَ آیا ہے وہاں بعد میں اس کا بیان بھی لایا گیا ہے۔ جیسے فرمایا: وَمَاۤ اَدۡرٰىکَ مَاهِيَهۡ ؕ نَارٌ حَامِيَةٌ ۞ [1] اور وَمَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ ۞ لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ ۬ۙ خَيۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ ۞ [2]

كَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ وَعَادٌۢ بِالۡقَارِعَةِ ۞ ۴۔ ثمود اور عاد نے اس کھڑکا دینے والے واقعے کو جھٹلا دیا تھا۔

فَاَمَّا ثَمُوۡدُ فَاُهۡلِكُوۡا بِالطَّاغِيَةِ ۞ ۵۔ پھر ثمود کو تو اس طغیانی حادثے سے ہلاک کر دیا گیا۔

---

[1] ۱۰۱ قارعۃ: ۱۱۔۱۲　[2] ۹۷ قدر: ۲۔۳

تشریح کلمات

القارعة: (ق ر ع) القرع کے معنی ایک چیز کو دوسری چیز پر مارنے کے ہیں۔ قیامت کو قارعة اس لیے کہا گیا کہ اس دن ہر چیز دوسرے سے متصادم ہو گی اور موجودہ نظام درہم برہم ہو گا۔ قیامت کو قوم ثمود اور عاد نے جھٹلایا۔

تفسیر آیات

فَاَمَّا ثَمُوْدُ: اس جھٹلانے پر قوم ثمود کو ایک طغیانی کے ساتھ پیش آنے والے واقعہ سے تباہ کر دیا۔ اس طغیانی کے واقعہ کو رجفة زلزلہ کہا گیا ہے اور کبھی صاعقة سخت آواز بھی کہا گیا ہے۔

وَ اَمَّا عَادٌ فَاُهۡلِکُوۡا بِرِیۡحٍ صَرۡصَرٍ عَاتِیَۃٍ ۙ﴿۶﴾

۶۔ اور عاد کو ایک سرکش طوفانی آندھی سے ہلاک کر دیا گیا۔

سَخَّرَہَا عَلَیۡہِمۡ سَبۡعَ لَیَالٍ وَّ ثَمٰنِیَۃَ اَیَّامٍ ۙ حُسُوۡمًا ۙ فَتَرَی الۡقَوۡمَ فِیۡہَا صَرۡعٰی ۙ کَاَنَّہُمۡ اَعۡجَازُ نَخۡلٍ خَاوِیَۃٍ ۚ﴿۷﴾

۷۔ جسے اس نے مسلسل سات راتوں اور آٹھ دنوں تک ان پر مسلط رکھا، پس آپ ان لوگوں کو وہاں دیکھیے اس طرح پڑے ہوئے گویا وہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہوں۔

فَہَلۡ تَرٰی لَہُمۡ مِّنۡۢ بَاقِیَۃٍ ﴿۸﴾

۸۔ کیا ان میں سے تجھے کوئی باقی ماندہ نظر آ رہا ہے؟

تشریح کلمات

صَرۡصَرٍ: (ص ر ص ر) زور کی ہوا۔ بعض کے نزدیک سرد ہوا کو کہتے ہیں اور زہریلی ہوا کے معنی بھی استعمال کیے گئے ہیں۔

عَاتِیَۃٍ: (ع ت و) سرکش۔

حُسُوۡمًا: (ح س م) الحسم کے معنی کسی چیز کے نشان کو زائل اور مٹا دینے کے ہیں اور مسلسل کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

اَعۡجَازُ: (ع ج ز) ہر چیز کے پچھلے حصے کو عجز کہا جاتا ہے۔

خَاوِیَۃٍ: (خ و ی) الخوی کے معنی خالی ہونے کے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ قوم عاد کو بھی تباہ کر دیا ایک ایسی آندھی کے ذریعے جو نہایت سرکش اور طوفانی تھی اور سات

راتوں اور آٹھ دنوں تک مسلسل جاری رہی جس نے ہر چیز کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔

۲۔ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعٰى : یہ قوم اس عذاب کے بعد بے جان ہو کر زمین پر ایسے پڑی تھی جیسے کھجور کے کھوکھلے تنے ہیں۔

۳۔ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ : اب ان کے آثار تک دیکھنے کو نہیں ملیں گے۔

وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝۹

۹۔ اور فرعون اور اس سے پہلے کے لوگوں اور سرنگوں شدہ بستیوں نے بھی اسی غلطی کا ارتکاب کیا تھا۔

فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝۱۰

۱۰۔ پھر انہوں نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی تو اللہ نے انہیں بڑی سختی کے ساتھ گرفت میں لے لیا۔

تفسیر آیات

۱۔ قیامت کے منکروں میں فرعون اور اس سے پہلے کی قومیں شامل ہیں۔ جن میں قوم لوط بھی ہے جس کی بستی سرنگوں ہو گئی تھی۔ قوم لوط کا ذکر اس سے پہلے سورہ ہود اور سورہ حجر میں ہو چکا ہے۔

۲۔ ان تمام اقوام نے اپنے اپنے رسول کی نافرمانی کی جس طرح مکہ والے اپنے رسول کی نافرمانی کر رہے ہیں تو یہ تمام اقوام اللہ کی گرفت سے نہیں بچ سکیں۔ اشارہ ہے مکہ کے مشرکین بھی نہیں بچ سکیں گے۔ رَّابِيَةً کے معنی زائد کے ہیں، شدت میں زائد یعنی یہ گرفت اپنی شدت میں معمول سے زیادہ تھی۔

اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝۱۱

۱۱۔ جب پانی میں طغیانی آئی تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کیا۔

تفسیر آیات

۱۔ طوفان نوح پانی میں طغیانی آنے کی وجہ سے آیا۔ بعض علمائے اعلام کا خیال ہے کہ یہ طوفان سمندر میں ایک بڑا آسمانی پتھر یا دمدار ستارہ گرنے سے آیا ہوگا جس سے پانی میں طغیانی آ گئی۔

۲۔ حَمَلْنٰكُمْ : ہم نے تمہیں کشتی میں اٹھایا۔ تمہیں سے مراد تمہارے باپ دادا کو، جن سے تمہاری نسلیں چلی ہیں۔

۳۔ فِي الْجَارِيَةِ : یعنی فی السفینة الجاریة ایک جاری اور رواں کشتی میں سوار کیا۔

لِنَجۡعَلَهَا لَكُمۡ تَذۡكِرَةً وَّتَعِيَهَاۤ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿۱۲﴾

۱۲۔ تاکہ ہم اسے تمہارے لیے یادگار بنا دیں اور سمجھدار کان ہی اسے محفوظ کرتا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ تا کہ نوح کی کشتی کو تمہارے لیے عبرت اور نصیحت کا ذریعہ قرار دیا جائے۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ چونکہ کوہ جودی پر اس کشتی کے آثار آج تک باقی ہیں اس لیے فرمایا ہے کہ اس کشتی کو یادگار بنایا۔

۲۔ وَّتَعِيَهَاۤ : تعی حفظ کر لیتا ہے۔ الوعی حفظ کر لینے کو کہتے ہیں۔ اسی سے برتن کو وعاء کہتے ہیں کہ اس میں چیزیں حفظ ہوتی ہیں۔

۳۔ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ: نصیحت سن کر اسے حفظ کرنے والا کان ہی ان تذکروں کو حفظ کر لیتا ہے۔

شیعہ سنی دونوں کے مصادر میں یہ روایت موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا:

انی دعوت اللّٰہ تعالیٰ ان یجعلہا اذنک یا علی۔ قال علی فما سمعت شیئاً نسیتہ وما کان لی ان انسی۔[۱]	میں نے اللہ سے دعا کی ہے اے علی! یہ کان آپ کا ہو۔ علی فرماتے ہیں ایسا نہیں ہوا کہ کوئی بات میں نے سن لی ہو پھر بھول گئی ہو۔ بھولنا میرے لیے ناممکن ہے۔

اس مضمون کی روایات متعدد اصحاب سے وارد ہیں۔ یہاں تک کہ محمد بن العباس نے اس حدیث کو اپنی کتاب ما نزل من القران فی علی میں تیس طرق سے بیان کیا ہے۔ ان میں سے چند ایک طرق کے لیے ملاحظہ ہو: تفسیر شواھد التنزیل متن اور حاشیہ۔ ان میں ابن عباس، انس، جابر، بریدۃ الاسلمی، ابو رافع، ابن ابی الدنیا، زر بن جیش اور مکحول شامل ہیں۔

نیز ملاحظہ ہو تفسیر طبری، تفسیر کبیر رازی، اسباب النزول واحدی، تفسیر قرطبی، تفسیر ابن کثیر، کنز العمال، تفسیر البحر المحیط وغیرہ۔ شیعہ مصادر کے لیے ملاحظہ ہو: تفسیر البرہان، تفسیر فرات و غیرھا۔

فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوۡرِ نَفۡخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾

۱۳۔ پس جب صور میں ایک دفعہ پھونک ماری جائے گی،

وَّحُمِلَتِ الۡاَرۡضُ وَالۡجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿۱۴﴾

۱۴۔ اور زمین اور پہاڑ اٹھا لیے جائیں گے تو وہ ایک ہی چوٹ میں ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے۔

---

[۱] روح المعانی ذیل آیہ

فَيَوۡمَئِذٍ وَّقَعَتِ الۡوَاقِعَةُ ﴿۱۵﴾ ۱۵۔ تو اس روز وقوع پذیر ہونے والا واقعہ پیش آ جائے گا۔

تشریح کلمات

دك: (د ك ك) دکا کے معنی کوٹ کر ہموار کرنے کے ہیں۔ اسی سے دکان ہے جو ہموار چبوترہ کے معنوں میں ہے۔

تفسیر آیات

صور کیا چیز ہے اور اس میں پھونکنا کس طرح ہوگا اس قسم کے غیبی معاملات میں تو ہم نہیں جا سکتے البتہ پہلی بار صور میں پھونکنے سے موجودہ نظام عالم کا خاتمہ ہو جائے گا اور یہ دنیا اسی ایک صور سے درہم برہم ہو جائے گی اور اس آیت کے مطابق زمین اور پہاڑ دونوں کوٹ کر ہموار کر دیے جائیں گے۔ میدان قیامت جب تیار ہو جائے گا تو قیامت کے نظام میں پہاڑ وغیرہ نہیں ہوں گے، ایک ہموار میدان ہوگا۔

۲۔ فَيَوۡمَئِذٍ: اس کے بعد قیامت واقع ہو جائے گی۔

وَانۡشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِىَ يَوۡمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿۱۶﴾ ۱۶۔ اور آسمان پھٹ جائے گا اور وہ اس روز ڈھیلا پڑ جائے گا،

تشریح کلمات

وَّاهِيَةٌ: (و ه ی) کے معنی چڑے، کپڑے یا دوسری چیزوں میں شگاف ہونا کے ہیں۔ وَهُىَ الشیء بندش کا ڈھیلا پڑ جانا۔

تفسیر آیات

اجرام سماوی بھی بکھر جائیں گے۔ ان کے مابین موجود جذب وکشش کا نظام ڈھیلا پڑ جائے گا۔ اس طرح کہکشائیں بکھر جائیں گی۔ کائنات کے موجودہ نظام کا خاتمہ ہوجائے گا اور قیامت کے بعد ایک نئی کائنات کی تشکیل ہوگی۔

يَوۡمَ تُبَدَّلُ الۡاَرۡضُ غَيۡرَ الۡاَرۡضِ وَ السَّمٰوٰتُ ....[1] یہ (انتقام) اس دن ہوگا جب یہ زمین کسی اور زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی۔

وَّالۡمَلَكُ عَلٰۤى اَرۡجَآئِهَا ؕ وَ ۱۷۔ اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے اور

---

[1] ۱۴ ابراھیم: ۴۸

يَحۡمِلُ عَرۡشَ رَبِّكَ فَوۡقَهُمۡ يَوۡمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿۱۷﴾ اس دن آٹھ فرشتے آپ کے رب کا عرش اپنے اوپر اٹھائے ہوں گے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَّالۡمَلَكُ عَلٰۤى اَرۡجَآئِهَا: جب آسمانوں کو لپیٹ لیا جائے گا اور موجودہ کائنات کا خاتمہ ہو گا تو آسمانوں کے باشندے کہاں ہوں گے؟ چونکہ حدیث میں ہے:

لَيۡسَ فِي اَطۡبَاقِ السَّمَاءِ مَوۡضِعُ اِهَابٍ اِلَّا وَ عَلَيۡهِ مَلَكٌ سَاجِدٌ اَوۡ سَاعٍ حَافِدٌ... [1]

سطح آسمان پر کھال کے برابر بھی ایسی جگہ نہیں کہ جہاں کوئی سجدہ کرنے والا فرشتہ یا تیزی سے تگ و دو کرنے والا ملک نہ ہو۔

آیت میں اس کی وضاحت فرمائی کہ فرشتے اطراف میں ہوں گے۔ یعنی آسمان جب نہیں ہوگا تو فرشتے اطراف میں ہوں گے۔

۲۔ وَيَحۡمِلُ عَرۡشَ رَبِّكَ: جب قیامت برپا ہو گی تو اللہ تعالیٰ کا عرش اٹھانے والے آٹھ ہوں گے۔ ظاہر یہ ہے کہ آٹھ فرشتے ہوں گے۔

عرش کے بارے میں ہم نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ عرش، اللہ تعالیٰ کا مقام تدبیر ہے۔ اس صورت میں حاملان عرش سے مراد وہ فرشتے ہو سکتے ہیں جو تدبیر کائنات میں اللہ کے کارندے ہیں:

فَالۡمُدَبِّرٰتِ اَمۡرًا ۝ [2] پھر امر کی تدبیر کرنے والے ہیں۔

اور قیامت کے دن حاملان عرش میں اضافہ ہو گا تو کیا تدبیری نظام میں اضافہ ہو گا؟ یہ بات عالم غیب سے مربوط ہے۔ انسان کو رائے زنی نہیں کرنی چاہیے اور اگر عرش الٰہی سے مراد علم و اقتدار لیا جائے تو اس صورت میں عرش اٹھانے والوں سے مراد وارثین علم الٰہی ہو سکتے ہیں جن کی تعداد آٹھ ہو گی یا آٹھ صفیں ہوں گی۔ والعلم عند اللّٰہ۔

تفسیر برھان میں ہے:

حملة العرش ثمانية اربعة من الاولين و اربعة من الآخرين فاما الاربعة من الاولين فنوح و ابراهيم و موسى و عيسى و اما الاربعة من الآخرين محمد و علی و الحسن و الحسين عليهم السلام۔

حاملان عرش آٹھ ہیں۔ چار اولین میں سے اور چار آخرین میں سے ہوں گے۔ اولین میں سے نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ ہیں۔ آخرین میں سے محمد، علی، حسن، حسین علیہم السلام ہیں۔

---

[1] نہج البلاغة خطبہ اشباح ۹۱
[2] ۷۹ نازعات: ۵

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾

۱۸۔ اس دن تم سب پیش کیے جاؤ گے اور تمہاری کوئی بات پوشیدہ نہ رہے گی۔

تفسیر آیات

۱۔اللہ کی بارگاہ میں حساب کے لیے ہر ایک کو پیش ہونا ہو گا۔ اس مرحلے میں تمام اعمال سامنے لائے جائیں گے۔ اسے نامہ اعمال سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کے بارے میں کہا جائے گا:

مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا...[۱] یہ کیسا نامۂ اعمال ہے؟ اس نے کسی چھوٹی اور بڑی بات کو نہیں چھوڑا۔

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ○ [۲] اس روز تمام راز فاش ہو جائیں گے۔

يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ...[۳] اس دن وہ سب (قبروں سے) نکل پڑیں گے، اللہ سے ان کی کوئی چیز پوشیدہ نہ رہے گی۔

یہ دن فزع اکبر یعنی ناقابل وصف و بیان پریشانیوں کا دن ہو گا۔ ایک تو اپنے اعمال کی جوابدہی کی پریشانی دوسرے اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت کے سامنے پیش ہونے کا خوف۔ تیسری بات یہ کہ تمام خلائق کے سامنے رسوائی کا خوف۔ چوتھی یہ کہ ابدی قسمت، دائمی زندگی کا فیصلہ کیا ہو گا؟ نفسا نفسی کا یہ عالم ہو گا کہ اپنے قریبی ترین رشتہ دار کو دیکھ کر بھاگ جائیں گے کہ کہیں کسی حق کا مطالبہ نہ کرے۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿۱۹﴾

۱۹۔ پس جس کا نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ (دوسروں سے) کہے گا: لو میرا نامہ عمل پڑھو۔

اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ﴿۲۰﴾

۲۰۔ مجھے تو یقین تھا کہ مجھے اپنے حساب کا سامنا کرنا ہو گا۔

تشریح کلمات

هَآؤُمُ : کے معنی ”لے لو“ کے ہیں۔ یعنی خذوا و اقراء وا کتابی۔

تفسیر آیات

۱۔ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ: جس کا نامہ اعمال اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ نجات

---

[۱] ۱۸ کھف: ۴۹ [۲] ۸۶ طارق: ۹ [۳] ۴۰ غافر: ۱۶

حاصل کرنے والا ہوگا۔ یہ اصحاب یمین میں سے ہوگا۔ اسے اپنے نامۂ اعمال پر پورا اعتماد اور فخر ہوگا۔

۲۔ فَيَقُولُ هَآؤُمُ اقۡرَءُوۡا كِتٰبِيَهۡ: دوسروں کو دعوت دے گا، آؤ میرا نامہ عمل پڑھو۔ اس میں کوئی ایسا راز نہیں ہے جس کے فاش ہونے پر مجھے شرمندہ ہونا پڑے۔

اگرچہ معصوم نہ ہوگا لیکن اس کے سارے گناہ معاف ہو چکے ہوں گے اور اللہ نے اس کے عیوب چھپا لیے ہوں گے۔ حدیث میں ہے:

اذا کان یوم القیامة یدعی کل بامامه الذی مات فی عصره، فان اثبته اعطی کتابه بیمینه لقوله: يَوۡمَ نَدۡعُوۡا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمۡ ۚ فَمَنۡ اُوۡتِىَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيۡنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقۡرَءُوۡنَ كِتٰبَهُمۡ ...[1]

جب قیامت کا دن ہوگا تو سب کو اپنے اس امام کے ساتھ پکارا جائے گا جس کے زمانے میں یہ فوت ہوا ہے اگر اس امام کو اس نے اپنا رکھا تھا تو اس کا صحیفہ عمل اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قیامت کے دن ہم ہر گروہ کو اس کے پیشوا کے ساتھ بلائیں گے پھر جن کا نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا پس وہ اپنا نامہ اعمال پڑھیں گے۔

۳۔ اِنِّىۡ ظَنَنۡتُ: مجھے یقین تھا کہ میں نے اپنا حساب دینا ہے۔ یہاں ظن، یقین کے معنوں میں ہے۔ دنیا میں مومن کے آخرت کے حساب پر یقین نے کام کیا اور مومن نے دنیا میں اپنا محاسبہ کیا جس کی وجہ سے آج یہ سرخرو ہے۔ بعض لوگ آخرت پر تو ایمان رکھتے ہیں، حساب پر نہیں رکھتے۔ وہ کسی غلط فہمی یا خوش فہمی کا شکار رہتے ہیں۔ ایسے لوگ دنیا میں اپنا محاسبہ نہیں کرتے۔ یہ لوگ قیامت کے دن رسوا ہوں گے۔

فَهُوَ فِىۡ عِيۡشَةٍ رَّاضِيَةٍۙ ﴿۲۱﴾ فِىۡ جَنَّةٍ عَالِيَةٍۙ ﴿۲۲﴾ قُطُوۡفُهَا دَانِيَةٌ ﴿۲۳﴾ كُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا هَنِيۡٓـئًۢا بِمَاۤ اَسۡلَفۡتُمۡ فِى الۡاَيَّامِ الۡخَالِيَةِ ﴿۲۴﴾

۲۱۔ پس وہ ایک دل پسند زندگی میں ہوگا،
۲۲۔ بلند و بالا جنت میں،
۲۳۔ جس کے میوے قریب (دسترس میں) ہوں گے۔
۲۴۔ خوشگواری کے ساتھ کھاؤ اور پیو ان اعمال کے صلے میں جنہیں تم گزشتہ زمانے میں بجا لائے۔

تشریح کلمات

قطوف: (ق ط ف) القطف کے معنی پھل چننا کے ہیں۔ قطف درخت سے توڑے ہوئے پھل کو

---

[1] تفسیر عیاشی

کہتے ہیں۔ قطوف اس کی جمع ہے۔

هَنِيْٓـًٔا: (ھ۔ ن ء) الھنی ہر وہ چیز جو بغیر مشقت کے حاصل ہو جائے اور نتائج کے اعتبار سے بھی خوش کن ہو۔ اصل میں یہ لفظ طعام کے متعلق استعمال ہوتا ہے یعنی طعام کے خوشگوار ہونے کے لیے۔

تفسیر آیات

۱۔ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ: وہ اپنی دل پسند زندگی میں ہو گا۔

حدیث میں آیا ہے: وہ زندہ رہیں گے اور کبھی انہیں موت نہیں آئے گی۔ صحت مند رہیں گے کبھی بھی بیماری لاحق نہ ہو گی، ناز و نعمت میں رہیں گے۔ کبھی بھی تنگی نہیں ہو گی، جوان رہیں گے۔ کبھی بھی بڑھاپا نہیں آئے گا۔

وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَ تَلَذُّ الْاَعْيُنُ ....[1] اوراس میں ہر وہ چیز موجود ہو گی جس کی نفس خواہش کرے اور جس سے نگاہیں لذت حاصل کریں۔

۲۔ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ: وہ جنت ہر اعتبار سے بلند و بالا ہو گی اور قدر و منزلت میں بھی بلند و بالا ہو گی۔ نعمتوں کی لذت بھی بلند و بالا ہو گی۔ کسی تصور کرنے والے کے تصورات سے بھی بلند و بالا ہوں گی۔

۳۔ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ: پھل کھانے کی جب خواہش کریں گے تو میوے قریب دسترس میں ہوں گے۔ واضح رہے جنت میں اہل جنت کا ارادہ نافذ ہو گا۔ جونہی پھل کھانے کا ارادہ کیا، وہ دسترس میں ہو گا۔

۴۔ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا: کھانے پینے کی تمام لذتوں سے بہرہ مند ہو جاؤ هَنِيْٓـًٔا خوشگواری کے ساتھ۔ دنیا کے کھانے پینے کی چیزوں میں ہمیشہ خوشگواری نہیں ہوتی۔ کبھی بدہضمی، کبھی ضرر، کبھی مزاج کے موافق نہیں ہوتیں لیکن جنت میں ایسی کوئی صورت پیش نہیں آئے گی۔

۵۔ بِمَآ اَسْلَفْتُمْ: یہ ساری نعمتیں ان اعمال صالحہ کے ثمرات ہیں جو دنیا میں تم لوگوں نے انجام دیے ہیں۔ الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ گزشتہ ایام یعنی دنیا۔

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ۚ﴿۲۵﴾ — ۲۵۔ اور جس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے وہ کہے گا: اے کاش! مجھے میرا نامہ اعمال نہ دیا جاتا۔

وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿۲۶﴾ — ۲۶۔ اور مجھے معلوم ہی نہ ہوتا کہ میرا حساب کیا ہے۔

---

[1] ۴۳ زخرف: ۷۱

يٰلَيۡتَهَا كَانَتِ الۡقَاضِيَةَ ﴿۲۷﴾	۲۷۔ کاش! موت میرا کام تمام کر دیتی۔
مَاۤ اَغۡنٰى عَنِّىۡ مَالِيَهۡ ﴿۲۸﴾	۲۸۔ میرے مال نے مجھے نفع نہ دیا۔
هَلَكَ عَنِّىۡ سُلۡطٰنِيَهۡ ﴿۲۹﴾	۲۹۔ میرا اقتدار نابود ہو گیا۔

تفسیر آیات

۱۔ وَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ: اصحاب یمین کے مقابلے میں اصحاب شمال یعنی ان لوگوں کا ذکر ہے جن کا نامہ اعمال ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ انہیں اپنے سیاہ ماضی کی سیاہ کاریاں نظر آئیں گی تو بڑی یاس و حسرت کے ساتھ کہہ اٹھیں گے: کاش یہ رسوا نامہ مجھے نہ دیا جاتا اور لوگوں میں رسوائی کی نوبت آئے بغیر جو عذاب آنا تھا آ جاتا۔

۲۔ وَلَمۡ اَدۡرِ مَا حِسَابِيَهۡ: میرے لیے یہ جاننے کی نوبت ہی نہ آتی کہ میرا بھی کوئی حساب ہے۔ اپنے نامۂ اعمال کے مندرجات دیکھ کر ایک ہولناک صورت کا سامنا کر رہا ہو گا۔

۳۔ يٰلَيۡتَهَا كَانَتِ الۡقَاضِيَةَ: کاش پہلی بار جو موت آئی تھی وہی فیصلہ کن ہوتی اور مجھے دوبارہ زندہ نہ کیا جاتا۔

۴۔ مَاۤ اَغۡنٰى عَنِّىۡ مَالِيَهۡ: آج مال و دولت میرے کام آ رہی ہے نہ کرسی و اقتدار۔ دونوں دنیا کی زندگی میں رہ گئے۔ آج دونوں سے کوئی فائدہ نہیں مل رہا۔ جس عمل سے آج فائدہ ملنا تھا اس کے تو دنیا میں، میں نزدیک نہیں گیا۔

خُذُوۡهُ فَغُلُّوۡهُ ﴿۳۰﴾	۳۰۔ (حکم آئے گا کہ) اسے پکڑ لو اور طوق پہناؤ
ثُمَّ الۡجَحِيۡمَ صَلُّوۡهُ ﴿۳۱﴾	۳۱۔ پھر اسے جہنم میں تپا دو،
ثُمَّ فِىۡ سِلۡسِلَةٍ ذَرۡعُهَا سَبۡعُوۡنَ ذِرَاعًا فَاسۡلُكُوۡهُ ﴿۳۲﴾	۳۲۔ پھر ستر ہاتھ لمبی زنجیر میں اسے جکڑ لو۔

تشریح کلمات

فَاسۡلُكُوۡهُ: (س ل ك) السلك داخل کرنے کے معنوں میں ہے۔ مَا سَلَكَكُمۡ فِىۡ سَقَرَ[1] کس چیز نے تمہیں جہنم میں داخل کر دیا۔ العین میں آیا ہے: السلك ادخال شیء فی شیء۔ السلك کسی چیز کے کسی اور چیز میں داخل کرنے کے معنوں میں ہے۔

---

[1] ۷۴ مدثر: ۴۲

تفسیر آیات

۱۔ خُذُوۡہُ: فرشتوں کو حکم ملے گا کہ اس جہنمی کو پکڑ لو اور زنجیروں میں جکڑ کر اسے جہنم کی آگ میں تپا دو۔ صَلُّوۡہُ الصلی سے ہے جو تپا دینے اور جلا دینے کے معنوں میں ہے۔ اکثر مترجمین اور مفسرین اس لفظ کو واصل کرو، داخل کرو کے معنوں میں لیتے ہیں جو صریحاً اشتباہ ہے۔

۲۔ ثُمَّ فِیۡ سِلۡسِلَۃٍ: پھر اسے ستر ہاتھ لمبی زنجیر میں جکڑ دو۔

اِنَّہٗ کَانَ لَا یُؤۡمِنُ بِاللّٰہِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۳۳﴾ ۳۳۔ یقیناً یہ خدائے عظیم پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔

وَ لَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الۡمِسۡکِیۡنِ ﴿۳۴﴾ ۳۴۔ اور نہ ہی مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔

تفسیر آیات

لوگ جہنم میں اس لیے جا رہے ہیں کہ یہ لوگ دو صفات کے حامل تھے: کفر اور بخل۔ کفر کے ذریعے یہ لوگ اللہ کے ساتھ تعلق نہیں رکھتے تھے اور بخل کی وجہ سے وہ مخلوق سے لاتعلق تھے اور یہ فقرہ ''نہ ہی مسکینوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا'' قابل توجہ ہے کیونکہ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ انسان کو نہ صرف مسکینوں کا خیال رکھنا چاہیے بلکہ دوسروں کو بھی اس امر کی ترغیب دینی چاہیے۔

یہ موقف دراصل کافر کا ہے جسے وہ مال اور مسکین کے بارے میں اپناتا ہے۔ کافر کہتے ہیں:

قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنُطۡعِمُ مَنۡ لَّوۡ یَشَآءُ اللّٰہُ ...[1] کفار مومنین سے کہتے ہیں: کیا ہم اسے کھلائیں جسے اگر اللہ چاہتا تو خود کھلا دیتا؟

اسی طرح جب کافروں سے جہنم کی طرف جاتے ہوئے پوچھا جائے گا کہ تمہیں کس چیز نے جہنم میں داخل کر دیا تو وہ جواب دیں گے:

وَلَمۡ نَکُ نُطۡعِمُ الۡمِسۡکِیۡنَ ۝[2] اور ہم مسکین کو کھلاتے نہیں تھے۔

یہاں ایک سوال آتا ہے کہ یہ سورہ مکی ہے اور مکہ میں ابھی زکوۃ کا حکم نہیں آیا تھا تو مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہ دینے پر عذاب کیسے؟

جواب: مسکین کے بارے میں یہ موقف کافر کا ہے جب کہ ایمان کا لازمہ غریب پروری ہے۔ چنانچہ سورۃ الذاریات آیت ۱۹ میں متقین کے اوصاف بیان فرماتے ہوئے فرمایا:

---

[1] ۳۶ یٰس: ۴۷ [2] ۷۴ مدثر: ۴۴

وَفِيٓ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ○ اور ان کے اموال میں سائل اور محروم کے لیے حق ہوتا تھا۔

اور سورۃ المعارج آیات ۱۹ تا ۲۵ میں فرمایا:

اِنَّ الۡاِنۡسَانَ خُلِقَ هَلُوۡعًا ۙ○ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوۡعًا ۙ○ وَّ اِذَا مَسَّهُ الۡخَيۡرُ مَنُوۡعًا ۙ○ اِلَّا الۡمُصَلِّيۡنَ ۙ○ الَّذِيۡنَ هُمۡ عَلٰى صَلَاتِهِمۡ دَآئِمُوۡنَ ۙ○ وَالَّذِيۡنَ فِيۡٓ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ مَّعۡلُوۡمٌ ۙ○ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ ۙ○

انسان یقیناً کم حوصلہ خلق ہوا ہے۔ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے اور جب اسے آسائش حاصل ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے سوائے نمازگزاروں کے جو اپنی نماز کی ہمیشہ پابندی کرتے ہیں اور جن کے اموال میں معین حق ہے سائل اور محروم کے لیے۔

چنانچہ اسی آیت میں فرمایا: خدائے عظیم پر ایمان نہ لانے کا لازمہ یہ تھا کہ وہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا تھا۔ ایک جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اہل جہنم، نماز اور غریب پروری کی وجہ سے ملنے والے اہل جنت کے درجات دیکھیں گے تو بڑی حسرت سے کہیں گے: ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور غریب پروری نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا مسکین پر رحم نہ کرنا، عدم ایمان کی علامت کے طور پر موجب عذاب ہے۔ ولم ار احداً تصدی لهذه الاثارة و الاجابة۔

فَلَيۡسَ لَهُ الۡيَوۡمَ هٰهُنَا حَمِيۡمٌ ۙ﴿۳۵﴾ ۳۵۔ لہٰذا آج یہاں اس کا کوئی دوست نہیں ہے۔

وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ غِسۡلِيۡنٍ ۙ﴿۳۶﴾ ۳۶۔ اور پیپ کے سوا اس کی کوئی غذا نہیں ہے،

لَّا يَاۡكُلُهٗۤ اِلَّا الۡخَاطِـُٔوۡنَ ﴿۳۷﴾ ع ۵ ۳۷۔ جسے خطاکاروں کے سوا کوئی نہیں کھائے گا۔

تفسیر آیات

۱۔ پس اس جہنمی کو یہاں سے بچانے اور عذاب سے تحفظ دینے والا کوئی دوست نہیں ملے گا۔ چونکہ جہنم میں جو بھی ہوگا، نہ اس کا کوئی دوست ہوگا، نہ کوئی اس کے لیے کچھ کرنے کی پوزیشن میں ہوگا۔

۲۔ وَّلَا طَعَامٌ: اور پیپ ہی اس کی غذا ہوگی۔ اس جگہ طعام سے مراد پینے کی چیز ہے چونکہ پینے کی چیز کو بھی طعام کہا جاسکتا ہے۔ لہٰذا یہ سورہ غاشیۃ کی آیت ۶ سے متصادم نہیں ہے جس میں فرمایا:

لَيۡسَ لَهُمۡ طَعَامٌ اِلَّا مِنۡ ضَرِيۡعٍ○ خاردار جھاڑی کے سوا ان کے لیے غذا نہ ہوگی۔

غِسۡلِيۡنٍ جو اہل جہنم کے جسم کی پیپ اور خون پر مشتمل ہوگا، ان لوگوں کی غذا ہے جو ایمان چھوڑ کر کفر اختیار کرنے کی غلطی اور خطا کے مرتکب ہوئے تھے۔

فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِمَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۳۸﴾	۳۸۔ پس مجھے قسم ہے ان چیزوں کی جو تم دیکھتے ہو،
وَ مَا لَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۳۹﴾	۳۹۔ اور ان کی بھی جنہیں تم نہیں دیکھتے ہو
اِنَّہٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ کَرِیۡمٍ ﴿۴۰﴾	۴۰۔ یقیناً یہ ایک کریم رسول کا قول ہے،
وَّ مَا ہُوَ بِقَوۡلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۴۱﴾	۴۱۔ اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے، تم کم ہی ایمان لاتے ہو۔
وَ لَا بِقَوۡلِ کَاہِنٍ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۴۲﴾	۴۲۔ اور نہ ہی یہ کسی کاہن کا کلام ہے، تم کم ہی غور کرتے ہو۔
تَنۡزِیۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۴۳﴾	۴۳۔ یہ رب العالمین کی طرف سے نازل کردہ ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِمَا تُبۡصِرُوۡنَ: اس آیت میں کائنات کی دو قسمیں بیان ہوئی ہیں: مشاہداتی دنیا اور غیر مشاہداتی دنیا۔ آج انسان کے لیے یہ نہایت واضح ہے کہ ہماری مشاہداتی دنیا کے ماوراء ایک غیر مشاہداتی دنیا ہے جو اس مشاہداتی دنیا کے ساتھ قابل قیاس نہیں ہے۔ یعنی غیر مشاہداتی دنیاؤں کے مقابلے میں ہماری مشاہداتی دنیا کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

آیۂ کریمہ میں وَمَا لَا تُبۡصِرُوۡنَ فرما کر ان غیر مشاہداتی دنیاؤں کی طرف مختصر فقرے میں اشارہ فرمایا تاکہ انسان اس مشاہداتی دنیا کی باعظمت اور حیرت انگیز مخلوقات کو دیکھ کر یہ خیال نہ کرے کہ اللہ کی کرشمہ سازی اسی مشاہداتی دنیا میں، خواہ وہ کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہو، محدود ہے۔

اس مشاہداتی کائنات میں موجود حکمت و دانائی کی قسم! ایسا حکیم خالق اپنی مخلوق کو ہدایت کا سامان فراہم کیے بغیر نہیں چھوڑ سکتا۔ لہٰذا جو ہدایت کے لیے دستور لے کر آیا ہے وہ قرآن، ہماری طرف سے آنے والے رسول کا قول ہے۔

۲۔ اِنَّہٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ کَرِیۡمٍ: کل کائنات کی قسم! یہ قرآن ایک رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا قول ہے جو رب العالمین کی طرف سے ہے۔ اپنا ذاتی قول نہیں ہے، رسول کریم کا رسالتی قول ہے۔ لہٰذا یہ سوال نہیں آتا کہ یہ قول خدا ہے، قول رسول کس طرح ہے؟ منکرین رسالت کہتے تھے کہ یہ قول محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے یعنی ان کا اپنا ذاتی قول ہے۔ اس کی نفی کر کے فرمایا: یہ قول رسول ہے۔ یعنی رسالتی قول ہے ذاتی نہیں۔

۳۔ وَّ مَا ہُوَ بِقَوۡلِ شَاعِرٍ: یہ قول جب بہ حیثیت رسول ہے تو یہ بحیثیت شاعر نہیں ہے۔ قرآن شاعرانہ خیال بافی کا قول نہیں ہے۔

وَمَا عَلَّمۡنٰهُ الشِّعۡرَ وَمَا يَنۡۢبَغِیۡ لَهٗ ... [1] اور ہم نے اس (رسول) کو شعر نہیں سکھایا اور نہ ہی یہ اس کے لیے شایان شان ہے۔

حقائق سے دور صرف خیال کی شاعرانہ باتیں کرنا ہمارے رسول کے شایان شان نہیں ہے بلکہ قرآن حقائق بیان کرنے والی کتاب ہے۔ شعر شاعر کی اپنی ذہنی تخلیق کا نام ہے۔ شعر حقائق کی نمائندگی نہیں کرتا۔ قرآن حقائق کی وہ باتیں کرتا ہے جو کسی اور ذریعے سے دستیاب نہیں ہیں۔

۴۔ قَلِيۡلًا مَّا تُؤۡمِنُوۡنَ: مَّا زائدہ ہے۔ اصل میں تومنون ایمانا قلیلاً ہے کہ اس رسول کی حقانیت پر اگرچہ کم ایمان تمہارے دلوں میں آتا ہے لیکن اس کا اظہار نہیں کرتے۔ اس تفسیر کے مطابق کافروں کے دلوں میں جو ایمان آتا ہے اسے قلیل کہا ہے۔ دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ قلیل کا مطلب عدم ایمان ہے۔

۵۔ وَلَا بِقَوۡلِ كَاهِنٍ: یہ قرآن کاہن کا قول بھی نہیں ہے جو شیاطین سے ماضی کی باتیں سنتے اور اس بنیاد پر آنے والی باتوں کا اندازہ لگا کر پیشگوئی کرتے ہیں جو آیندہ کو ماضی پر قیاس کرنے کا ایک واہمہ ہے۔ قرآن کہانت نہیں، حقیقت ہے۔

۶۔ قَلِيۡلًا مَّا تَذَكَّرُوۡنَ: تذکر اور نصیحت کم لیتے ہو۔ اس جملے کی تفسیر عیناً قَلِيۡلًا مَّا تُؤۡمِنُوۡنَ کی طرح ہے۔

۷۔ تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ: یہ قرآن اپنے اسلوب کلام سے ظاہر ہے شعر نہیں ہے اور یہ قرآن ایک دستور اور نظام حیات ہے، کہانت نہیں ہے بلکہ یہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، مالکیت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی مملوک پر مہربان ہے۔ اسے اپنی مملوک کی سعادت کے لیے نازل کیا ہے۔

وَلَوۡ تَقَوَّلَ عَلَيۡنَا بَعۡضَ الۡاَقَاوِيۡلِ ﴿۴۴﴾	۴۴۔ اور اگر اس (نبی) نے کوئی تھوڑی بات بھی گھڑ کر ہماری طرف منسوب کی ہوتی،
لَاَخَذۡنَا مِنۡهُ بِالۡيَمِيۡنِ ﴿۴۵﴾	۴۵۔ تو ہم اسے دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے،
ثُمَّ لَقَطَعۡنَا مِنۡهُ الۡوَتِيۡنَ ﴿۴۶﴾	۴۶۔ پھر اس کی شہ رگ کاٹ دیتے۔
فَمَا مِنۡكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ عَنۡهُ حٰجِزِيۡنَ ﴿۴۷﴾	۴۷۔ پھر تم میں سے کوئی مجھے اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔

[1] ۳۶ یٰسٓ: ۶۹

تشریح کلمات

تَقَوَّلَ: (ق و ل) القول کا باب تفعل ہے جو تکلف یعنی از خود بنانے اور گھڑنے کے معنوں میں ہے۔

الۡوَتِیۡنَ: (و ت ن) رگ گردن، اس رگ کو کہتے ہیں جو جگر کو خون پہنچاتی ہے، جس کے کٹ جانے سے انسان مر جاتا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَلَوۡ تَقَوَّلَ: بالفرض کوئی نبی اگر اپنی طرف سے کوئی کلام گھڑتا تو ہم اسے پوری قوت سے سزا دیتے اور اس کی رگ گردن کاٹ کر اس سے حیات کا حق چھین لیتے۔

اصل بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ کا نبی نہ ہو، از خود دعوائے نبوت کر کے کوئی خود ساختہ کلام پیش کرے تو ایسے شخص کو دیگر مجرمین کی طرح مہلت مل جاتی ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص اللہ کی طرف سے نبوت کے مقام پر فائز ہونے کے بعد اپنی طرف سے کوئی کلام گھڑ کر پیش کرے تو اسے مہلت نہیں ملتی، فوراً اسے سزا مل جائے گی کیونکہ جسے اللہ نے معجزہ اور دلیل دے کر حجت بنایا ہے وہ بفرض محال جھوٹ بولے تو اللہ کی طرف سے نامزد ہدایت دہندہ، گمراہ کنندہ ہو جائے گا۔ اس کی اللہ ہرگز اجازت نہیں دے سکتا۔

۲۔ فَمَا مِنۡکُمۡ: ایسی صورت میں اس شخص کو بچانے والا کوئی نہ ہو گا۔

اس آیت سے حدیث غرانیق کا باطل ہونا ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ کوئی نبی اگر بعض الا قاویل تھوڑی سی بات بھی گھڑے تو اللہ اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ حدیث غرانیق میں ایک مکمل جملہ شرک کی بنیاد پر ہے۔ اس قسم کا جملہ نبی سے صادر ہونا ممکن نہیں ہے۔

وَ اِنَّہٗ لَتَذۡکِرَۃٌ لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۴۸﴾ **۴۸۔ اور پرہیزگاروں کے لیے یقیناً یہ ایک نصیحت ہے۔**

تفسیر آیات

تذکرۃ: اس علامت کو کہتے ہیں جس سے معنی یاد آ جائیں۔ التبیان یعنی جو کتاب اہل تقویٰ کی ہدایت کرتی ہے، ان کو ان کے درجات کی نشاندہی کرتی اور ان حقائق کو بیان کرتی ہے جو کسی اور کلام کی دست رسی میں نہیں ہیں وہ کلام خود ساختہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ آیت ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ کی طرح ہے۔ تقویٰ والے ہی ہدایت لیتے ہیں اور تقویٰ والے ہی فائدہ اٹھاتے ہیں۔

وَ اِنَّا لَنَعۡلَمُ اَنَّ مِنۡکُمۡ مُّکَذِّبِیۡنَ ﴿۴۹﴾
۴۹۔ اور ہم جانتے ہیں کہ تمہارے درمیان کچھ لوگ تکذیب کرنے والے ہیں۔

وَ اِنَّہٗ لَحَسۡرَۃٌ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۵۰﴾
۵۰۔ یہ (تکذیب) کفار کے لیے یقیناً (باعث) حسرت ہے۔

وَ اِنَّہٗ لَحَقُّ الۡیَقِیۡنِ ﴿۵۱﴾
۵۱۔ اور یہ سراسر حق پر مبنی یقینی ہے۔

فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الۡعَظِیۡمِ ﴿۵۲﴾ ع
۵۲۔ پس آپ اپنے عظیم رب کے نام کی تسبیح کریں۔

تفسیر آیات

۱۔ وَ اِنَّا لَنَعۡلَمُ: اللہ کے علم سے کوئی تکذیب کرنے والا نکل نہیں سکتا تو عذاب سے بھی نہیں بچ سکتا۔

۲۔ وَ اِنَّہٗ لَحَسۡرَۃٌ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ: قیامت کے دن کفار کے لیے یہ عدم ایمان ایک حسرت ہو گا کہ کاش دنیا میں اس قرآن پر ایمان لے آتے، آج اس دائمی عذاب میں مبتلا نہ ہوتے۔

۳۔ وَ اِنَّہٗ لَحَقُّ الۡیَقِیۡنِ: اس قرآن کی حقانیت میں کوئی ابہام بھی نہیں ہے۔ یہ وہ حق ہے جس پر یقین بھی حاصل ہے جو یقین کا کامل درجہ ہے۔ حق واقع کو کہتے ہیں جس کے مقابلے میں باطل آتا ہے اور یقین وہ قطعی عقیدہ ہے جو واقع کے مطابق ہے۔ لہٰذا جب واقع اور یقین دونوں ایک جگہ جمع ہو جائیں تو یہ سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ قرآن کی حقانیت حق اور یقین کے اعلیٰ درجے پر فائز ہے۔

۴۔ فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الۡعَظِیۡمِ: اس اللہ کی تسبیح کرو جو کمال مطلق کا مالک ہے۔ جس میں کوئی نقص و عیب نہیں ہے۔ جس نے قرآن جیسی کتاب ہدایت نازل فرمائی ہے۔

سُورَةُ المَعَارِج

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام سورہ، سورۃ المعارج آیت۳ میں واقع مِنَ اللّٰهِ ذِی الْمَعَارِجِ سے ماخوذ ہے۔

اس سورۃ مبارکہ کی ابتدائی تین آیات بنا بروایات شیعہ وسنی مدینہ میں نازل ہوئیں، باقی مکی ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے یہ سورۃ کاملاً مدنی ہے۔ نعمان بن حارث کے مرتد ہونے کی مناسبت سے مکی مطالب کی طرح آیات نازل ہوئی ہیں۔

آیات کی تعداد شامی قرائت کے مطابق ۴۳ اور کوفی قرائت کے مطابق ۴۴ ہے۔

شان نزول آگے آیت کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ	بنام خدائے رحمٰن رحیم
سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ﴿۱﴾	۱۔ ایک سوال کرنے والے نے عذاب کا سوال کیا جو واقع ہونے ہی والا ہے۔
لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۙ﴿۲﴾	۲۔ کفار کے لیے اسے کوئی ٹالنے والا نہیں ہے،
مِّنَ اللّٰهِ ذِی الْمَعَارِجِ ۭ﴿۳﴾	۳۔ عروج کے مالک اللہ کی طرف سے ہے۔
تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِیْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ﴿۴﴾	۴۔ ملائکہ اور روح اس کی طرف اوپر چڑھتے ہیں ایک ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ سَاَلَ سَآئِلٌ: اس عذاب کا مطالبہ کرنے والا کون تھا۔ ایک روایت کے مطابق یہ مطالبہ کرنے والا نضر بن حارث تھا۔ دوسری روایت کے مطابق یہ مطالبہ کرنے والا حارث نعمان الفہری ہے۔

شیعہ سنی مصادر میں آیا ہے:

جب حارث بن نعمان کوعلم ہوا کہ غدیر میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کے بارے میں فرمایا ہے: من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ تو حارث رسول اللہؐ کی خدمت میں آیا اور اپنی سواری کو الابطح جگہ پر بٹھایا اور کہا: یا محمد! آپ نے کہا ہم یہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں، ہم نے گواہی دی، یہ کہ دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھیں، ہم نے پڑھی، اپنے اموال میں سے زکوۃ نکالیں، ہم نے قبول کیا، ہر سال رمضان میں روزہ رکھیں، ہم نے مان لیا اور حج کریں، ہم نے قبول کیا۔ پھر بھی آپ ان سب پر راضی نہ ہوئے اور اپنے چچا کے بیٹے کو ہم پر فضلیت دی ہے۔ کیا یہ آپ کی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

واللّٰہ الذی لا الہ الا ھو ما ھو الا من اللّٰہ۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہ بات اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

یہ سن کر حارث یہ کہتے ہوئے پلٹا: اے اللہ! اگر جو کچھ محمد کہتا ہے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر گرا اور دردناک عذاب نازل کر دے۔ پھر قسم بخدا! وہ اپنی اونٹنی تک پہنچنے نہ پایا تھا کہ اس کے سر پر اللہ نے ایک پتھر گرایا جو اس کے دماغ پر لگا اور نیچے سے نکل گیا اور وہ مر گیا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

روایت کے یہ الفاظ الجامع لاحکام القرآن قرطبی کے ہیں جن کا ذکر اس آیت کے ذیل میں ہے۔

یہ روایت اہل سنت کے اہم مصادر میں متعدد اصحاب سے منقول ہے۔ تفصیل کے لیے الغدیر جلد اول صفحہ ۲۳۹۔ ۲۶۶ اور شواھد التنزیل ذیل آیت رجوع فرمائیں۔ الغدیر میں اس روایت پر وارد کیے جانے والے اعتراضات کے مفصل جوابات دیے گئے ہیں ان کا خلاصہ ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

پہلا اعتراض: غدیر کا واقعہ رسول اللہ ﷺ کے حجۃ الوداع سے واپسی کے موقع پر پیش آیا ہے جب کہ اس روایت میں آیا ہے: حارث الابطح جگہ پر آیا اور الابطح مکہ میں ہے۔

جواب: اول تو یہ ہے کہ سیرت حلبی وغیرہ کی روایات کے مطابق یہ مطالبہ کرنے والا مسجد میں آیا تھا۔ ثانیاً الابطح کا مطلب ہے کنگرے والا نالہ۔ لہٰذا ہر ایسی جگہ کو الابطح یا البطحاء کہتے ہیں۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ۱: ۳۸۲ میں آیا ہے:

رسول اللہ ﷺ ایک دن ذی الحلیفہ شب گزاری کے لیے تشریف لائے تو ان سے کہا گیا: انک ببطحاء مبارکۃ۔

صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۱۸۱ میں آیا ہے:

عن عبد اللّٰہ بن عمر ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اناخ بالبطحاء بذی الحلیفة فصلی بھا۔	عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذوا الحلیفہ کے بطحا پر نزول فرمایا اور یہاں نماز پڑھی۔

اور الا متاع مقریزی میں ہے:

ان النبی اذا رجع من مکة دخل المدینة من معرس الابطح۔	جب آپ مکہ سے واپس ہوئے تو الابطح نامی جگہ سے مدینہ میں داخل ہوئے۔

دوسرا اعتراض: سورہ معارج مکہ میں واقعہ غدیر سے دس سال پہلے نازل ہوا ہے اور یہ سورہ بالاتفاق مکی ہے۔

جواب: مجموعاً یہ سورہ مکی ہونے پر اتفاق ہے، نہ کہ تمام آیات مکی ہونے پر اتفاق ہے۔ قرآن مجید میں ایسے بہت زیادہ نظائر موجود ہیں کہ سورہ مکی ہے لیکن چند آیات مدنی ہیں۔ چنانچہ سورہ عنکبوت مکی ہے، سوائے ابتدا کی دس آیت کے۔ سورہ کہف مکی ہے، سوائے ابتدائی سات آیات کے۔ دیگر سترہ عدد سورہ ہائے قرآن مکی ہیں جن میں چند آیات مدنی ہیں اور ہوسکتا ہے کہ قرآن کی دیگر متعدد آیات کی طرح یہ آیت دو بار نازل ہوئی ہو۔ دیگر غیر اہم اعتراضات اور ان کے جوابات الغدیر میں ملاحظہ فرمائیں۔

۲۔ لِّلۡکٰفِرِیۡنَ لَیۡسَ لَہٗ دَافِعٌ: جس عذاب کا مطالبہ کیا گیا ہے وہ ہر صورت میں کافروں پر واقع ہونے والا ہے۔ جب وہ عذاب واقع ہوگا تو کوئی اسے ٹالنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

۳۔ مِّنَ اللّٰہِ ذِی الۡمَعَارِجِ: معارج، معرج کی جمع ہے۔ زینے کو کہتے ہیں۔ جس کے ذریعے بلندی کی طرف چڑھا جاتا ہے۔ اللہ کو عروج کا مالک کس لیے کہا ہے؟ وہ اگلی آیت میں بیان فرمایا ہے۔

۴۔ تَعۡرُجُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَ الرُّوۡحُ: فرشتے اور خاص کر روح الامین یعنی جبرئیل اللہ کی طرف عروج کرتے ہیں:

یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الۡاَرۡضِ ثُمَّ یَعۡرُجُ اِلَیۡہِ فِیۡ یَوۡمٍ کَانَ مِقۡدَارُہٗۤ اَلۡفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ ﴿۵﴾ [1]	وہ آسمان سے زمین تک امور کی تدبیر کرتا ہے پھر یہ امر ایک ایسے دن میں اللہ کی بارگاہ میں اوپر کی طرف جاتا ہے جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث منقول ہے:

اَلَا فَحَاسِبُوۡا اَنۡفُسَکُمۡ قَبۡلَ اَنۡ تُحَاسَبُوۡا	آگاہ رہو! تمہارا محاسبہ ہونے سے پہلے تم خود اپنا

---

[1] ۳۲ سجدہ: ۵

فَاِنَّ اَمْكِنَةَ الْقِيَامَةِ خَمْسُوْنَ مَوْقِفاً كُلُّ مَوْقِفٍ مُقَامُ اَلْفِ سَنَةٍ ثُمَّ تَلَا هَذِهِ الْاٰيَةَ....[1]

محاسبہ کرو۔ قیامت کے دن پچاس مراحل ہوں گے۔ ہر مرحلہ ہزار سال کے برابر ہوگا۔ پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی۔

دوسری روایت میں ہے:

ان فیه خمسین موطنا کل موطن الف سنة ما قدر علی المؤمنین الا کما بین الظهر و العصر۔[2]

قیامت کے دن پچاس مراحل ہوں گے ہر مرحلہ ایک ہزار سال کا ہوگا۔ مگر مؤمنین کے لیے تو ظہر اور عصر کے برابر وقت لگے گا۔

ابوسعید خدری راوی ہے کہ کسی نے کہا: یا رسول اللہ! قیامت کا دن کتنا طویل ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

والذی نفس محمد بیده انه یخف علی المومن حتی یکون اخف علیه من صلوة مکتوبة یصلیها فی الدنیا۔[3]

قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے وہ دن مومن کے لیے اتنا ہلکا رہے گا جس طرح دنیا میں ایک واجب نماز ادا کرنا۔

۵۔ اِلَیۡهِ: اللہ کی طرف۔ اللہ کسی سمت میں نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے اس مقام کی طرف جس کا تعین اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

اِنِّیۡ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیۡ ....[4]

میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں۔

یعنی اس مقام کی طرف جس کا اللہ تعالیٰ نے تعین فرمایا ہے۔

۶۔ فِیۡ یَوۡمٍ: ایک ایسے دن میں۔ یہ دن بظاہر قیامت کا دن ہے۔ عالم آخرت کا زمان و مکان دنیا کے زمان و مکان سے مختلف ہوگا۔ چنانچہ غیر مومن کے لیے قیامت کا حساب، زمان و مدت اور شدت و کیفیت، ہر اعتبار سے سخت ہوگا۔

فَاصۡبِرۡ صَبۡرًا جَمِیۡلًا ﴿۵﴾

۵۔ پس آپ صبر کریں، بہترین صبر۔

تفسیر آیات

فَاصۡبِرۡ صَبۡرًا جَمِیۡلًا: لہٰذا لوگوں کے اس طعنے پر اور سوال عذاب پر صبر کر۔ چونکہ یہ سوال طنز و استہزا کے طور پر تھا۔ دوران صبر پریشانی و شکوہ نہ ہونے سے صبر، جمیل ہوتا ہے۔

اِنَّهُمۡ یَرَوۡنَهٗ بَعِیۡدًا ﴿۶﴾

۶۔ یہ لوگ یقیناً اس (عذاب) کو دور خیال کرتے ہیں،

---

[1] مستدرک الوسائل ۱۲: ۱۵۵ [2] زبدۃ التفاسیر ۷: ۱۷۹ [3] زبدۃ التفاسیر ذیل آیہ [4] ۳۷ صافات: ۹۹

وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ۝٧ ۷۔ اور ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ یَرَوۡنَہٗ بَعِیۡدًا: آپ صبر جمیل کریں۔ ان پر قیامت یا عذاب آنے ہی والا ہے جسے وہ بعید یعنی بعید از امکان سمجھتے ہیں چونکہ وہ قیامت کے قائل ہی نہ تھے کہ بعید زمانی سمجھیں۔

۲۔ وَّنَرٰىہُ قَرِیۡبًا: جب کہ ہم قیامت کو مکاناً و زماناً قریب سمجھتے ہیں چونکہ کل ما ھو آتٍ قریب۔ ہر آنے والا قریب ہی ہوتا ہے۔ پھر کافر جب مر جاتا ہے، اس کی قیامت قبر سے ہی شروع ہو جاتی ہے۔

يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۝٨ ۸۔ اس دن آسمان پگھلی ہوئی دھات کی مانند ہو جائے گا،

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۝٩ ۹۔ اور پہاڑ رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے۔

تفسیر آیات

قیامت کے معنی یہی ہیں کہ آسمان اور زمین میں دگرگونی ہو گی۔ موجودہ نظام درہم برہم ہوجائے گا۔ موجودہ کائنات کا خاتمہ ہوگا، نئی کائنات کی تعمیر ہو گی۔

وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۝١٠ ۱۰۔ اور کوئی دوست کسی دوست کو نہیں پوچھے گا،

يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ۭ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِىِٕذٍۢ بِبَنِيْهِ ۝١١ ۱۱۔ حالانکہ وہ انہیں دکھائے جائیں گے، مجرم چاہے گا کہ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنے بیٹوں کو فدیہ میں دے دے،

وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۝١٢ ۱۲۔ اور اپنی زوجہ اور اپنے بھائی کو بھی،

وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُــــْٔوِيْهِ ۝١٣ ۱۳۔ اور اپنے اس خاندان کو جو اسے پناہ دیتا تھا

وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۝١٤ ۱۴۔ اور روئے زمین پر بسنے والے سب کو (تاکہ) پھر اپنے آپ کو نجات دلائے۔

تفسیر آیات

وَفَصِیۡلَتِہِ: وہ خاندان جس میں یہ پیدا ہوا ہے۔

۱۔ قیامت کے دن کی ہولناک صورت حال میں ہر شخص کو اپنی ذات کی فکر ہو گی:

لِكُلِّ امۡرِیٍٔ مِّنۡهُمۡ يَوۡمَئِذٍ شَاۡنٌ يُّغۡنِيۡهِ ؕ ﴿﴾ ۱ ان میں سے ہر شخص کو اس روز ایسا کام درپیش ہو گا جو اسے مشغول کر دے۔

یعنی ہر شخص اپنی ابدی زندگی کا فیصلہ سننے کے لیے بے تاب اور پریشان حال ہو گا۔ کسی اور کی فکر کرنے کے لیے وہ سوچ بھی نہیں سکے گا خواہ وہ اس کا جگری دوست ہی کیوں نہ ہو بلکہ اس دن دوستی دشمنی میں بدل جائے گی:

اَلۡاَخِلَّآءُ يَوۡمَئِذٍۭ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿﴾ ۲ اس دن دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے سوائے پرہیزگاروں کے۔

۲۔ يُّبَصَّرُوۡنَهُمۡ: حالانکہ وہ انہیں دکھائے جائیں گے۔ قیامت کے دن ان تمام لوگوں کا سامنا کرنا پڑے گا جن سے دنیا میں تعلق رہا ہے۔ وہ ایک دوسرے سے نظریں نہیں چرا سکیں گے البتہ ایک دوسرے سے بھاگنے کی کوشش کریں گے۔

۳۔ يَوَدُّ الۡمُجۡرِمُ: مجرم چاہے گا اس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے ہر چیز قربان کر دے۔

۴۔ بِبَنِيۡهِ: اپنے بیٹوں کو فدیہ میں دے کر خود کو بچانا چاہے گا۔ وہ بیٹے جن کے لیے وہ دنیا میں اپنی ہر چیز قربان کرتا رہا۔ حتیٰ اپنی آخرت کو بھی قربان کر دیا۔ آج وہ ان ہی بیٹوں کو اپنی جگہ جہنم میں ڈال کر خود کو بچانا چاہے گا۔

۵۔ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيۡهِ: جب وہ اپنی اولاد کو جہنم میں جھونک کر اپنے آپ کو بچانا چاہے گا تو زوجات، بھائی اور خاندان کے دیگر افراد، سب کے بارے میں یہی چاہے گا کہ یہ سب جہنم میں جائیں بلکہ تمام اہل ارض جہنم میں جائیں مگر خود بچ جائے۔ وہ ایسا کرنا چاہے گا لیکن ایسے کرنا ممکن نہیں ہو گا۔

كَلَّا ؕ اِنَّهَا لَظٰى ﴿۱۵﴾ ۱۵۔ ایسا ہرگز نہ ہو گا کیونکہ وہ تو بھڑکتی ہوئی آگ ہے

نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ﴿۱۶﴾ ۱۶۔ جو منہ اور سر کی کھال ادھیڑنے والی ہے۔

تَدۡعُوۡا مَنۡ اَدۡبَرَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۷﴾ ۱۷۔ یہ آتش ہر پیٹھ پھیرنے والے اور منہ موڑنے والے کو پکارے گی،

وَجَمَعَ فَاَوۡعٰى ﴿۱۸﴾ ۱۸۔ اور اسے (بھی) جس نے مال جمع کیا اور بند رکھا۔

---

۱ ۸۰ عبس: ۳۷ ۲ ۴۳ زخرف: ۶۷

تشریح کلمات

لَظٰی: (ل ظ ی) خالص شعلے کو کہتے ہیں۔

شوی: (ش و ی) جسم کے اطراف، ہاتھ پاؤں، وہ اعضاء جن پر زخم لگنے سے موت واقع نہ ہو۔

تفسیر آیات

۱۔ جہنمی کی ان تمام آرزوؤں کا یہ جواب سننے کو ملے گا: کَلَّا ہرگز نہیں۔ آج تیری جگہ تیرے بیٹے قربانی میں لیے جا سکتے ہیں نہ اور کوئی بلکہ یہ ایک بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔ یہ آگ خود تیرے لیے ہے یہ تجھ ہی کو جلائے گی۔

۲۔ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰی: آگ کے یہ شعلے تیرے جسم کے اطراف کو جلا کر کھال ادھیڑنے والی آگ ہے۔ یہ آگ خود تیرے لیے ہے۔ یہ تجھ ہی کو جلائے گی۔ بعض مفسرین کے مطابق آگ جہنمی کے دماغ جلا دے گی پھر فوراً دوبارہ دماغ بن جائے گا۔ دماغ کو براہ راست جلانا بہت زیادہ اذیت ناک ہے۔

۳۔ تَدۡعُوۡا مَنۡ اَدۡبَرَ وَ تَوَلّٰی: یہ آگ اس شخص کو اپنی طرف بلائے گی جس نے حق کو پیٹھ دکھائی اور منہ موڑا ہو۔

۴۔ وَ جَمَعَ فَاَوۡعٰی: اور مال جمع کرنے کے بعد اسے خرچ نہ کیا ہو، جہاں خرچ کرنا واجب تھا۔ فَاَوۡعٰی وعاء سے ہے۔ کسی ظرف میں ذخیرہ کر کے رکھنے کے معنوں میں ہے۔

اِنَّ الۡاِنۡسَانَ خُلِقَ هَلُوۡعًا ﴿۱۹﴾ ۱۹۔ انسان یقیناً کم حوصلہ خلق ہوا ہے۔

اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوۡعًا ﴿۲۰﴾ ۲۰۔ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے،

وَّ اِذَا مَسَّهُ الۡخَيۡرُ مَنُوۡعًا ﴿۲۱﴾ ۲۱۔ اور جب اسے آسائش حاصل ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے،

تشریح کلمات

هَلُوۡعًا: (ہ ل ع) کم حوصلہ، بے صبر کو کہتے ہیں۔ کہتے ہیں: جاع فھلع۔ ای قل صبرہ۔ (العین)

تفسیر آیات

۱۔ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ خُلِقَ هَلُوۡعًا: جس طرح انسان کی خلقت میں خواہش پرستی، جاہ پرستی ودیعت فرمائی ہے اسی طرح بے صبری اور کم حوصلگی کا پہلو بھی انسانی سرشت میں موجود رکھا گیا ہے۔ ''بے حوصلہ'' کی تفسیر

دوسری اور تیسری آیت میں آ گئی ہے۔ ’’بے حوصلے‘‘ کا مطلب یہ ہے کہ تکلیف کی صورت میں گھبرانا اور آسائش کی صورت میں بخل کرنا، یہ دو باتیں انسانی سرشت میں ودیعت فرمائی گئی ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب انسان کو خود اللہ نے بے صبر پیدا کیا ہے تو بے صبری کی مذمت کیوں ہے؟ جواب یہ ہے: انسان کو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی طرح یک طرفہ مخلوق نہیں بنایا بلکہ اسے ارتقا کے لیے بنایا ہے۔ آزمائش کے میدان میں اسے رکھا ہے۔ لہٰذا اس میں مختلف پہلو موجود ہیں، منفی اور مثبت۔ چونکہ اس سے امتحان لینا مقصود ہے، منفی رجحانات نہ ہوں تو امتحان نہیں لیا جا سکتا۔ پھر منفی اور مثبت پہلوؤں کو اس حد تک بھی نہیں رکھا کہ انسان کی خودمختاری متاثر ہو اور اس منفی اور مثبت پر مجبور ہو جائے بلکہ یہ دونوں رجحان کی حد تک رکھے ہیں، جبر کی حد تک نہیں۔ دوسرے یہ کہ منفی ہمیشہ منفی نہیں ہے، اعتدال کی حد سے تجاوز کرنے کی صورت میں منفی ہیں۔ ورنہ اپنی جگہ خواہش اور آسائش مثبت اور مقبول ہیں بلکہ بقائے انسان کے لیے ان کا وجود ضروری ہے۔

پھر اس مکلّف، ارتقا پذیر اور امتحان و آزمائش کے میدان میں موجود انسان میں اگر بے صبری کا مایہ نہ ہوتا اور پریشان حال ہونے کی گنجائش نہ ہوتی اور بخل کا مادہ سرے سے نہ ہوتا تو صبر اور سخاوت کی کوئی فضیلت نہ ہوتی:

وَمَنۡ یُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝[1]　　اور جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچا لیے گئے ہیں پس وہی کامیاب لوگ ہیں۔

اسی سلسلے میں انسان میں مال کی محبت بھی رکھی گئی ہے:

وَّ تُحِبُّوۡنَ الۡمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝[2]　　اور مال کے ساتھ جی بھر کر محبت کرتے ہو۔

لہٰذا اس انسان میں بے صبری اور کم حوصلے کا پہلو بھی رکھا گیا ہے جس طرح بخل (شح) اور حب مال کا جذبہ رکھا ہے۔

۲۔ اِذَا مَسَّہُ الشَّرُّ جَزُوۡعًا: اسی ودیعت شدہ خصلت کے تحت انسان کو جب تکلیف پہنچتی ہے تو تکلیف کا احساس ضرور ہوتا ہے ورنہ بے حس پتھر کے طرح ہوتا۔ تکلیف کے احساس کی صورت میں دو باتیں انسان میں ودیعت ہیں: بے صبری دکھانا یا صبر اور حوصلہ کرنا۔ ان دونوں کے درمیان اس انسان کو کھڑا کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ جزع صبر کے مقابلے میں ہے۔ اہل جہنم کہیں گے:

سَوَآءٌ عَلَیۡنَاۤ اَجَزِعۡنَاۤ اَمۡ صَبَرۡنَا ...[3]　　ہمارے لیے یکساں ہے کہ ہم فریاد کریں یا صبر کریں۔

اس صورت میں کھوکھلا انسان بے صبری دکھاتا ہے اور پریشان حال ہو کر فکری اعتدال کھو بیٹھتا ہے۔

۳۔ وَّ اِذَا مَسَّہُ الۡخَیۡرُ مَنُوۡعًا: الۡخَیۡرُ سے مراد آسائش بھی ہو سکتی ہے اور مال بھی۔ قرآن میں

---

[1] ۵۹ حشر: ۹　[2] ۸۹ فجر: ۲۰　[3] ۱۴ ابراھیم: ۲۱

متعدد مقامات میں مال کو خیر کہا ہے:

وَ اِنَّہٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ [1] — اور وہ مال کی محبت میں سخت ہے۔

اور فرمایا:

وَّ تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ؀ [2] — اور مال کے ساتھ جی بھر کر محبت کرتے ہو۔

اس طرح انسان کی سب سے بڑی کمزوری مال کی محبت ہے۔ اس لیے انسان کنجوس واقع ہوا ہے۔ مالی واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے۔

یہ اس انسان کی بات ہے جو اندر سے کھوکھلا، انسانی قدروں کا مالک نہیں ہے لیکن اگر وہ انسان اعلیٰ قدروں کا مالک ہے تو نہ تکلیف میں پریشان حال ہوگا، نہ بخل کرے گا۔ اگلی چند آیات میں ان اقدار کا ذکر ہے جن کا مالک ہونے کی صورت میں انسان چٹان کی طرح مضبوط ہو جاتا ہے۔

اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ ﴿۲۲﴾ — ۲۲۔ سوائے نمازگزاروں کے،

الَّذِیْنَ ہُمْ عَلٰی صَلَاتِہِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ — ۲۳۔ جو اپنی نماز کی ہمیشہ پابندی کرتے ہیں،

تفسیر آیات

۱۔ انسان مادی طور پر نہایت کھوکھلا ہے۔ وہ نہ مصیبت برداشت کر سکتا ہے، نہ خوشحالی کی صورت میں توازن برقرار رکھ سکتا ہے۔ مشکلات کے مقابلے میں جلد ہتھیار ڈال دیتا ہے اور شکست کھا کر زمین بوس ہو جاتا ہے۔ خوشحالی کی صورت میں انسانی قدروں کو بھول جاتا ہے۔

سوائے ان لوگوں کے جن کی شخصیت صرف مادی بنیادوں پر استوار نہیں ہے۔ ان میں سرفہرست نمازی لوگ ہیں۔ نماز شخصیت ساز ہے۔ جس کی شخصیت کی بنیاد اللہ کی عبودیت پر استوار ہو وہ چٹان سے زیادہ مضبوط ثابت ہوتا ہے۔

۲۔ الَّذِیْنَ ہُمْ عَلٰی صَلَاتِہِمْ دَآئِمُوْنَ: اپنی نماز کی پابندی کرتے ہیں اور نماز کو کسی حال میں بھی ترک نہیں کرتے۔ حدیث ہے:

خَمْسُ صَلَوَاتٍ لَا تُتْرَکُ عَلَی کُلِّ حَالٍ.... [3] — پانچ نمازیں کسی صورت میں بھی چھوڑی نہیں جا سکتیں۔

دیگر فرائض، مثلاً روزہ بیماری کی حالت میں چھوڑا جاتا ہے مگر نماز کسی حالت میں نہیں چھوڑی جاتی۔ کھڑے

---

[1] ۱۰۰ عادیات: ۸ [2] ۸۹ فجر: ۲۰ [3] الکافی ۳: ۲۸۷

ہو کر نہیں پڑھ سکتا ہے تو بیٹھ کر پڑھنی ہے۔ بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتا ہے تو لیٹ کر سر کے اشاروں سے پڑھنی ہے۔ یہ بھی ممکن نہیں تو آنکھوں کے اشاروں سے پڑھنی ہے۔ یہ بھی ممکن نہ ہو تو دل ہی دل میں رکوع و سجود کی نیت سے ذکر پڑھتے ہوئے پڑھنی فرض ہے۔ یعنی حواس درست ہونے کی صورت میں کوئی ایسی صورت نہیں جہاں نماز ترک کرنا جائز ہو۔ نماز کی پابندی میں اول وقت میں نماز پڑھنا، نماز کے اجزاء و شرائط کی تکمیل کرنا شامل ہیں۔

وَالَّذِیۡنَ فِیۡۤ اَمۡوَالِہِمۡ حَقٌّ مَّعۡلُوۡمٌ ﴿۲۴﴾ ۲۴۔ اور جن کے اموال میں معین حق ہے،

لِّلسَّآئِلِ وَ الۡمَحۡرُوۡمِ ﴿۲۵﴾ ۲۵۔ سائل اور محروم کے لیے،

تفسیر آیات

دوسری صفت جس سے شخصیت میں اعتماد آتا ہے، مال سے ہاتھ اٹھانے کی جرات اور سائل اور محروم لوگوں پر ترس کھانے والی ہمدردی کا مالک ہونا ہے۔

مضبوط شخصیت کا مالک، مال و زر کا غلام نہیں ہوتا اور بخل جیسی صفت رذیلہ سے پاک ہوتا ہے۔ مال پر اس کی ایمانی قدروں کی گرفت ہوتی ہے، خواہشات کی نہیں۔ مومن جو مضبوط شخصیت کا مالک ہوتا ہے، ایک طرف اللہ سے بندگی کے ذریعے تعلق استوار رکھتا ہے، دوسری طرف مخلوق پر رحم کر کے لوگوں کے ساتھ بھی تعلق برقرار رکھتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

وَلَكِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ فَرَضَ فِي أَمْوَالِ الْأَغْنِيَاءِ حُقُوقاً غَيْرَ الزَّكَاةِ فَقَالَ عَزَّ وَ جَلَّ وَالَّذِیۡنَ فِیۡۤ اَمۡوَالِہِمۡ حَقٌّ مَّعۡلُوۡمٌ لِّلسَّآئِلِ فَالْحَقُّ الْمَعْلُومُ غَيْرُ الزَّكَاةِ۔[1]

مگر اللہ نے دولت مندوں کے اموال میں زکوۃ کے علاوہ بھی حقوق فرض کیے ہیں، چنانچہ اللہ عزوجل نے فرمایا: جن کے اموال میں معین حق ہے سائل اور محروم کے لیے، معلوم حق زکوۃ کے علاوہ ہے۔

دوسری روایت میں آیا ہے، حق معلوم، زکوۃ کے علاوہ ہے۔ اس سے مراد تمہارا وہ مال ہے جو چاہو تو ہر جمعہ دو، چاہو تو ہر روز دو۔[2]

حدیث نبوی میں آیا ہے:

اَعْطُوا السَّائِلَ وَ لَوْ جَاءَ عَلَى فَرَسٍ۔[3] سائل کو دو، خواہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔

---

[1] الوسائل ۹: ۴۶

[2] المیزان

[3] مستدرك الوسائل ۷: ۲۰۰۔ موطا مالك حديث ۱۵۸۳

اس کی وجہ دیگر روایات میں یہ بیان کی گئی ہے کہ سائل اگر مستحق ہے تو اس لیے دے دو۔ اگر مستحق نہیں ہے تو اس نے دست سوال دراز کر کے اپنی آبرو تمہارے سامنے گرائی ہے اس کا معاوضہ دے دو۔

وَالَّذِیۡنَ یُصَدِّقُوۡنَ بِیَوۡمِ الدِّیۡنِ ﴿۲۶﴾ ۲۶۔ اور جو روز جزا کی تصدیق کرتے ہیں،

تفسیر آیات

روز جزا کے حساب و میزان اعمال پر عقیدہ انسانی کردار پر بہت گہرا اثر چھوڑتا ہے۔ قیامت کے فزع اکبر (بڑی ہولناکی) کے مقابلے میں دنیا کی ہر مصیبت آسان اور مال و دولت ہیچ نظر آتی ہے۔ قیامت کی ہولناک صورت حال سے دوچار ہونے کا تصور دنیا کی مشکلات کا مقابلہ کرنے کی جرأت و قوت دیتا ہے۔

یہ تیسری صفت ہے جس سے انسان مشکلات کے مقابلے میں مضبوط ہو جاتا ہے۔

وَالَّذِیۡنَ ہُمۡ مِّنۡ عَذَابِ رَبِّہِمۡ مُّشۡفِقُوۡنَ ﴿۲۷﴾ ۲۷۔ اور جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّہِمۡ غَیۡرُ مَاۡمُوۡنٍ ﴿۲۸﴾ ۲۸۔ تحقیق ان کے پروردگار کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ چوتھی صفت جس سے انسان کھوکھلا ہونے سے بچ جاتا اور شخصیت میں متانت آ جاتی ہے یہ کہ عذاب الٰہی کے بارے میں بے پرواہی نہ ہو بلکہ معصیت اور نافرمانی کی صورت میں عذاب کا خوف دل میں رکھتا ہو۔ مومن ہوتا ہی وہ ہے جو خوف و رجا اور امید اور ڈر کے درمیان رہتا ہو۔

مروی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اپنے فرزند کو نصیحت فرماتے ہوئے فرماتے ہیں:

بنی خف اللّٰہ خوفا انک لو اتیتہ بحسنات اھل الارض لم یقبلھا منک وارج اللّٰہ رجاء انک لو اتیتہ بسیئات اھل الارض غفرھا لک۔[1]	بیٹے! اگر تو تمام زمین والوں کی نیکیاں بجا لائے تو بھی اللہ کا خوف کر، وہ تجھ سے قبول نہ کی ہوں اور اگر تو نے تمام زمین والوں کے گناہوں کا ارتکاب کیا ہے تو بھی اللہ سے امید رکھ کہ اللہ نے معاف کیا ہو۔

[1] بحار ۶۷: ۳۹۴

۲۔ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمۡ غَيۡرُ مَاۡمُوۡنٍ: کوئی ضمانت ایسی نہیں ہے کہ عذاب الٰہی سے محفوظ رہا جا سکے:

فَلَا يَاۡمَنُ مَكۡرَ اللّٰهِ اِلَّا الۡقَوۡمُ الۡخٰسِرُوۡنَ۠ [1] — اللہ کی تدبیر سے تو فقط خسارے میں پڑنے والے لوگ بے خوف ہوتے ہیں۔

مومن کو ہمیشہ خوف اور امید کے درمیان رہنا چاہیے۔

وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِفُرُوۡجِهِمۡ حٰفِظُوۡنَ ﴿۲۹﴾ — ۲۹۔ اور جو لوگ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں،

اِلَّا عَلٰٓى اَزۡوَاجِهِمۡ اَوۡ مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُهُمۡ فَاِنَّهُمۡ غَيۡرُ مَلُوۡمِيۡنَ ﴿۳۰﴾ — ۳۰۔ مگر اپنی بیویوں اور لونڈیوں سے پس ان پر کوئی ملامت نہیں ہے۔

فَمَنِ ابۡتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡعٰدُوۡنَ ﴿۳۱﴾ — ۳۱۔ جو لوگ اس کے علاوہ کی خواہش کریں وہ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

تفسیر آیات

پانچویں صفت جس سے انسانی شخصیت میں استحکام آتا ہے جنسی بے راہ روی سے اجتناب ہے۔ ان آیات کی تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ مومنون آیت ۵۔

وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِاَمٰنٰتِهِمۡ وَعَهۡدِهِمۡ رٰعُوۡنَ ﴿۳۲﴾ — ۳۲۔ اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھتے ہیں،

تفسیر آیات

چھٹی صفت جس سے انسان مضبوط شخصیت کا مالک بن سکتا ہے، امانتوں اور عہد و پیمان کی رعایت کرنا ہے چونکہ خیانت اور عہد شکنی شخصیت میں خلا ہونے کی علامت ہے۔ اس آیت کی مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ مومنون آیت ۸۔

وَالَّذِيۡنَ هُمۡ بِشَهٰدٰتِهِمۡ قَآئِمُوۡنَ ﴿۳۳﴾ — ۳۳۔ اور جو اپنی گواہیوں پر قائم رہتے ہیں،

---

[1] ۷ اعراف: ۹۹

تفسیر آیات

ساتویں صفت جس سے انسان متوازن اور معتدل سوچ کا مالک بن سکتا ہے، گواہی کی ادائیگی ہے۔ گواہ بننے اور گواہی دینے میں بہت سے حقوق کا تحفظ ہے اور عدل و انصاف قائم کرنے کے لیے یہ بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ اس لیے جھوٹی گواہی دینا اسلامی عدل اجتماعی کے قانون میں بہت بڑا جرم ہے۔ لہٰذا اس اجتماعی مسئولیت کا احساس رکھنے والا شخص کھوکھلا نہیں ہوتا۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝۳۴	۳۴۔ اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں،

تفسیر آیات

آٹھویں صفت جس سے انسان کی شخصیت میں استقامت آ جاتی ہے اور اضطراب و تذبذب کا شکار نہیں ہوتا، نماز کی محافظت ہے۔ نماز کی محافظت کا مطلب یہ ہے کہ نماز کی شکل و صورت میں خلل نہیں آنے دیتے اور ہر عمل اپنی جگہ درست انجام دیتے ہیں۔ اجزاء و شرائط میں کمی نہیں آنے دیتے اور اذکار و قرائت صحیح ادا کرتے ہیں۔ رکوع و سجود اطمینان سے بجا لاتے ہیں۔

راقم نے بہت سے نماز گزاروں کو دیکھا ہے کہ وہ رکوع اور سجدے میں اتنی دیر بھی نہیں رہتے جس میں صرف ایک سبحان کا لفظ ادا ہو سکے جب کہ سبحان ربی العظیم و بحمدہ اور سبحان ربی الاعلیٰ و بحمدہ پورا ذکر، رکوع اور سجدے میں پڑھنا واجب ہے ورنہ نماز باطل ہے۔

حدیث میں آیا ہے:

فَاِذَا سَجَدْتَ فَمَكِّنْ جَبْهَتَكَ مِنَ الْاَرْضِ وَ لَا تَنْقُرْهُ كَنَقْرَةِ الدِّيكِ۔[1]	جب تم سجدہ کرو تو اپنی پیشانی زمین پر ٹیک دو اور مرغے کی طرح ٹھونگیں نہ مارو۔

حضرت علی علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا سجدے میں مرغے کی طرح ٹھونگیں مار رہا تھا۔ اس سے پوچھا: کب سے اس قسم کی نماز پڑھ رہے ہو؟ اس نے کہا: مدت سے فرمایا:

مَثَلُكَ عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ الْغُرَابِ اِذَا نقر لَوْ مِتَّ مِتَّ عَلَى غَيْرِ مِلَّةِ اَبِي الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ۔ ثُمَّ قَالَ عَلِيٌّ اِنَّ اَسْرَقَ النَّاسَ مَنْ سَرَقَ صَلَاتَهُ۔[2]	اللہ کے ہاں تمہاری مثال کوئے کی طرح ہے جب وہ ٹھونگیں مارے۔ اگر تو مر جائے تو ابو القاسم محمد کے دین (اسلام) پر نہیں مرے گا۔ پھر فرمایا: لوگوں میں سب سے بڑا چور وہ ہے جو نماز کی چوری کرتا ہے۔

[1] الوسائل ۵: ۴۷۲ [2] الوسائل ۴: ۳۶

قابل توجہ یہ ہے کہ ایک پروقار اور بلند سیرت و کردار کا مالک بننے کے لیے جن صفات حمیدہ کا مالک بننا چاہیے ان اوصاف کو نماز کے حصار میں بیان کیا گیا ہے کہ اوصاف حمیدہ نماز کی پابندی سے شروع اور نماز کی حفاظت پر ختم ہوتے ہیں۔ گویا کہ دیگر تمام درجات کو اس صورت میں قیمت ملتی ہے جب وہ نماز کی چار دیواری میں ہوں۔ بے نمازی کے کوئی صفات حمیدہ نہیں ہو سکتے۔

ع ۵ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ۳۵ ۳۵۔ جنتوں میں یہی لوگ محترم ہوں گے۔

تفسیر آیات

ان مذکورہ اوصاف کے مالک جنتوں میں ہوں گے اور احترام کے ساتھ ہوں گے۔ انہیں مادی و معنوی نعمتیں دونوں فراہم ہوں گی۔ مادی اعتبار سے باغات میں ناز و نعمت کے ساتھ ہوں گے اور معنوی اعتبار سے محترم ہوں گے۔ احترام میں روحانی اور نفسیاتی لذت ہے۔ وہ نعمتوں میں موجود نعمت سے بہت زیادہ ہے۔ اسی لیے کسی کو کسی نعمت سے محروم کرنے سے، احترام سے محروم کرنا بہت بڑا جرم ہے۔

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ۳۶ ۳۶۔ پھر ان کفار کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ کی طرف دوڑے چلے آتے ہیں،

عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ۳۷ ۳۷۔ دائیں طرف سے اور بائیں طرف سے گروہ در گروہ ہو کر۔

تشریح کلمات

مُهْطِعِيْنَ: (ہ ط ع) گردن دراز کر کے دوڑنے کو ھطع کہتے ہیں۔

عِزِيْنَ: (ع ز و) جماعت گروہ کے معنوں میں ہے۔ حالت رفع میں عزون اور حالت نصب اور جر میں عِزِيْنَ آتا ہے۔

تفسیر آیات

روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھتے اور قرآن کی تلاوت فرماتے تھے تو مشرکین ٹولیوں میں آپ کے گرد جمع ہو جاتے اور رسول اللہ ﷺ کی باتوں کا مذاق اڑاتے اور کہتے تھے: جو محمد کہتا ہے اگر وہ برحق ہے تو ہم جنت میں ان مسلمانوں سے پہلے داخل ہو جائیں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

۲۔ فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا: ان کافروں کو کیا ہوا ہے؟ حواس باختہ ہو گئے اور بیوقوفانہ حرکتیں کرنا شروع کر دی ہیں کہ وہ آپ کے سامنے اور دائیں بائیں طرف سے ٹولیوں میں گردنیں دراز کر کے دوڑتے ہوئے آتے ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ ان کی عقل ٹھکانے پر نہیں ہے۔

اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿۳۸﴾

۳۸۔ کیا ان میں سے ہر شخص یہ آرزو رکھتا ہے کہ اسے نعمت بھری جنت میں داخل کیا جائے؟

كَلَّا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾

۳۹۔ ہرگز نہیں! ہم نے انہیں اس چیز سے پیدا کیا ہے جسے وہ جانتے ہیں۔

تفسیر آیات

اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ کیا یہ مشرکین جو بطور استہزاء کہتے ہیں کہ اگر قیامت ہوئی تو ہم ان مسلمانوں سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے اور ہمارا حال وہاں بھی ان مسلمانوں سے بہتر ہو گا جیسے دنیا میں ہے، اس طرح وہ آخرت اور حیات بعد الموت کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ان کے جواب میں فرمایا:

كَلَّا: ایسا ہرگز نہ ہو گا کہ قیامت برپا نہ ہو اور اس بات کو تو تم جانتے ہو کہ تمہیں ایک حقیر بوند سے چلتا پھرتا بولتا انسان بنایا ہے۔ اسی طرح ہم تمہیں دوبارہ بنا سکتے ہیں۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ تمہارا خیال کہ ایمان و عمل کے بغیر جنت میں جائیں گے، قانون خداوندی میں تبدیلی لانے کا ایک دعویٰ ہے۔ كَلَّا یہ ہرگز نہ ہو گا۔ جس ذات نے تمہیں ایک حقیر بوند سے بنایا ہے، اس کے وضع کردہ قانون کو تم تبدیل نہیں کر سکتے۔

فَلَاۤ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَ الْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾

۴۰۔ پس میں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی قسم کھاتا ہوں کہ ہم قادر ہیں،

عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَ مَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۴۱﴾

۴۱۔ (اس بات پر) کہ ان کی جگہ ان سے بہتر لوگوں کو لے آئیں اور ہم عاجز نہیں ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ الْمَشٰرِقِ وَ الْمَغٰرِبِ: مشرقوں اور مغربوں سے مراد یا تو ستاروں کے مشرقین اور مغربین ہو سکتے ہیں۔ اس صورت میں کل کائنات کی قسم ہے، چونکہ تمام اجرام سماوی حرکت میں ہیں۔ سب کے مشرق و

مغرب موجود ہیں یا ہمارے نظام شمسی کے مشارق و مغارب مراد ہیں یا صرف سورج کے روزانہ کے مشرق ومغرب یعنی سال کے تین سو ساٹھ مغرب و مشرق مراد ہیں۔ و العلم عند اللّٰہ۔

۲۔ اِنَّا لَقٰدِرُوۡنَ: اس قسم کے بعد جس چیز کی قسم کھائی ہے وہ یہ ہے کہ ہم اس پر قدرت رکھتے ہیں کہ ان مشرکین کو نابود کر کے ان کی جگہ ان سے بہتر لوگوں کو لے آئیں۔

۳۔ خَیۡرًا مِّنۡهُمۡ: اگرچہ مخلوق ہونے کے اعتبار سے تو یہ بھی موجودات میں شمار ہوتے ہیں لیکن ایمان کے اعتبار سے آئندہ کی مخلوق بہتر ہو گی۔ جیسے فرمایا:

اِنۡ یَّشَاۡ یُذۡهِبۡکُمۡ وَ یَاۡتِ بِخَلۡقٍ جَدِیۡدٍ ۞ [1] — اگر وہ چاہے تو تمہیں نابود کر دے اور نئی خلقت لے آئے۔

خَیۡرًا مِّنۡهُمۡ آنے والی نسلیں زیادہ بہتر ہوں گی سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان مشرکین میں بھی کچھ خیر ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا:

وَ لَعَبۡدٌ مُّؤۡمِنٌ خَیۡرٌ مِّنۡ مُّشۡرِکٍ ...[2] — ایک مومن غلام مشرک مرد سے بہتر ہے۔

چنانچہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مشرک میں بھی کچھ خیر ہے۔

اس مکی آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لیے نوید فتح ہے اور مشرکین کی نابودی کی خوشخبری ہے۔

فَذَرۡهُمۡ یَخُوۡضُوۡا وَ یَلۡعَبُوۡا حَتّٰی یُلٰقُوۡا یَوۡمَهُمُ الَّذِیۡ یُوۡعَدُوۡنَ ۞

۴۲۔ پس آپ انہیں بیہودگی اور کھیل میں چھوڑ دیں یہاں تک کہ وہ اس دن کا سامنا کریں جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

تفسیر آیات

فَذَرۡهُمۡ: انہیں اپنی ضلالت پر چھوڑ دیں۔ انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش ترک کر دیں۔ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا کسی سے ہاتھ اٹھانا اور اسے اپنی حالت پر چھوڑنا سب سے بڑی سزا ہے۔ مجرم کو اپنا جرم جاری رکھنے کے لیے مہلت دینا بھی بہت بڑی سزا ہے۔

یَوۡمَ یَخۡرُجُوۡنَ مِنَ الۡاَجۡدَاثِ سِرَاعًا کَاَنَّهُمۡ اِلٰی نُصُبٍ یُّوۡفِضُوۡنَ ۞

۴۳۔ جس دن وہ قبروں سے دوڑتے ہوئے نکلیں گے گویا وہ کسی نشانی کی طرف بھاگ رہے ہوں۔

[1] ۳۵ فاطر: ۱۶ [2] ۲ بقرہ: ۲۲۱

خَاشِعَةً اَبۡصَارُهُمۡ تَرۡهَقُهُمۡ ذِلَّةٌ ؕ ذٰلِكَ الۡيَوۡمُ الَّذِىۡ كَانُوۡا يُوۡعَدُوۡنَ۝۴۴

۴۴۔ ان کی آنکھیں جھک رہی ہوں گی اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی، یہ وہی دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

تشریح کلمات

نُصُبٍ: (ن ص ب) ان نصب شدہ پتھروں کو کہتے ہیں جن پر مشرکین قربانی کرتے تھے اور ان پتھروں کی یہ پرستش بھی کرتے تھے۔ انصاب، بت نہیں چونکہ بت تراشیدہ ہوتے ہیں۔ العین میں آیا ہے: النصب حجر کان ینصب فیعبد و تصب علیه دماء الذبائح۔ سورہ مائدہ: ۳ میں ہے: مرداروں میں ہے وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ جو نصب شدہ پتھروں پر ذبح کیا گیا ہو۔ ابن عباس نے نصب سے مراد نشان لی ہے۔ (قرطبی)

يُوۡفِضُوۡنَ: (ف ی ض) تیزی کے ساتھ دوڑتے ہوئے۔

تَرۡهَقُهُمۡ: (ر ہ ق) ان رھقه الامر۔ کسی معاملہ نے اسے بزور و جبر دبا لیا۔

تفسیر آیات

۱۔ کافر لوگ قبروں سے حساب گاہ کی طرف تیزی کے ساتھ دوڑ رہے ہوں گے۔ جس طرح چوزے انڈوں سے نکلتے ہیں لیکن یہ حساب گاہ کی طرف دوڑنے پر مجبور ہوں گے۔ قدرت اپنی مخلوقات کو جب فطرت کی راہ پر لگا دیتی ہے تو اسے تیزی کرنا پڑتی ہے۔ اسے یہ سوچنے کا موقع نہیں ملتا آگے جانا چاہیے یا نہیں جانا چاہیے۔

وہ اس طرح قبروں سے نکل کر دوڑ رہے ہوں گے جس طرح دوڑ کی مسابقت میں نشانی کی طرف دوڑ رہے ہوں۔

۲۔ خَاشِعَةً اَبۡصَارُهُمۡ تَرۡهَقُهُمۡ ذِلَّةٌ: نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ذلت و رسوائی ان پر مسلط ہوگی۔ یہ ہولناک دن وہی دن ہوگا جس کا ان کافروں سے وعدہ کیا گیا تھا اور وہ اس دن کی تکذیب کرتے تھے۔

ربنا نعوذبك من فزع ذلك اليوم الذى هو الفزع الاكبر و اجعلنا من الذين لايحزنهم الفزع الاكبر و تتلقاهم الملائكة هذا يومكم الذى كنتم توعدون۔

سُورَةُ نُوحٍ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چونکہ یہ سورۃ کاملاً حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں ہے اس لیے اس کا نام سورۃ النوح ہوا۔
یہ سورۃ بالاتفاق مکی ہے۔ آیات کی تعداد کوفی قرائت کے مطابق ۲۸، دیگر قرائتوں کے مطابق ۲۹ یا ۳۰ آیات ہے۔

مضمون کا پہلا حصہ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت اور دعوت کے بارے میں ہے۔

دوسرا حصہ حضرت علیہ السلام کی طرف سے اس بات کی شکایت پر مشتمل ہے کہ میری دعوت کو ہر چند میں کوشش کرتا ہوں پذیرائی نہیں مل رہی، انہیں تباہ کر۔

تیسرا حصہ قوم نوح کی ہلاکت کے بارے میں ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ — بنام خدائے رحمٰن رحیم

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِہٖۤ اَنۡ اَنۡذِرۡ قَوۡمَکَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ①

۱۔ ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ اپنی قوم کی تنبیہ کریں قبل اس کے کہ ان پر دردناک عذاب آ جائے۔

تفسیر آیات

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام بارے میں تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ اعراف آیت ۵۹۔

۲۔ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ سے مراد عذاب دنیا و آخرت دونوں ہو سکتے ہیں۔

قَالَ یٰقَوۡمِ اِنِّیۡ لَکُمۡ نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ②

۲۔ انہوں نے کہا: اے میری قوم! میں تمہیں واضح طور پر تنبیہ کرنے والا ہوں،

اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ وَ اتَّقُوۡہُ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ۙ﴿۳﴾ ۳۔ کہ اللہ کی بندگی کرو اور اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو کہ،

تفسیر آیات

تمام انبیاء علیہم السلام کی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت تین ستونوں پر مشتمل تھی۔

پہلا یہ کہ اللہ کی بندگی کرو۔ اللہ کے سوا دوسروں کی بندگی چھوڑ کر صرف اللہ کی بندگی اختیار کرو۔ اللہ کے ساتھ عبادت میں کسی غیر اللہ کو شریک نہ کرو۔

دوسرا تقویٰ ہے۔ ان چیزوں سے بچو جن سے تم اللہ کے غضب کے سزاوار بن جاؤ گے۔ وہ ہے شرک باللہ۔

تیسرا اطاعت رسول ہے۔ اللہ کی بندگی اختیار کرنے اور مہلک چیزوں سے بچنے کے لیے اپنے رسول کی اطاعت ضروری ہے۔

یَغۡفِرۡ لَکُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِکُمۡ وَ یُؤَخِّرۡکُمۡ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ ۘ لَوۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴﴾ ۴۔ وہ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور ایک مقررہ وقت تک تمہیں مہلت دے گا، اللہ کا مقرر کردہ وقت جب آ جاتا ہے تو مؤخر نہیں ہوتا، کاش! تم جانتے ہوتے۔

وقف لازم

تفسیر آیات

۱۔ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ: مذکورہ تعلیمات پر عمل کرنے کے دو اہم نتائج تمہارے سامنے آ جائیں گے: ایک تو یہ کہ تمہارے سابقہ تمام گناہ معاف ہو جائیں گے چونکہ ایمان اور عمل صالح سے گزشتہ تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ آئندہ کے گناہوں کا حساب دینا ہوگا اس لیے ذُنُوۡبِکُمۡ نہیں فرمایا، مِّنۡ ذُنُوۡبِکُمۡ فرمایا کہ تمہارے کچھ گناہ معاف ہو جائیں گے:

قُلۡ لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِنۡ یَّنۡتَہُوۡا یُغۡفَرۡ لَہُمۡ مَّا قَدۡ سَلَفَ ...[1] کفار سے کہد یجیے کہ اگر وہ باز آ جائیں تو جو کچھ ان سے پہلے سرزد ہوا ہے اسے معاف کر دیا جائے گا۔

دوسرے یہ کہ تمہیں اپنی حتمی موت تک مہلت مل جائے گی۔ اَجَلٍ مُّسَمًّی اس مقررہ وقت کو کہتے

---

[1] ۸ انفال: ۳۸

ہیں جس میں کسی قسم کی تبدیلی واقع نہ ہوگی۔ اس کے علاوہ ایک اجل انسان کے اپنے اعمال کے نتیجے میں مقرر ہوتی ہے جس میں تبدیلی آ سکتی ہے۔ اس طرح اجل دوطرح کی ہوتی ہے۔

مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ انعام آیت ۲۔

۲۔ اِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ اِذَا جَآءَ: اور جب حتمی اجل آ جائے گی تو اس میں کسی قسم کی تاخیر اور مہلت کی کوئی گنجائش نہیں ہے البتہ غیر حتمی اجل میں یہ گنجائش موجود ہے۔ اس طرح قوم نوح اگر ایمان لے آئے تو مثلاً ہزار سال زندہ رہے گی اور اگر ایمان نہ لائے تو نوسو سال میں ہلاک ہو جائے گی۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُ قَوۡمِیۡ لَیۡلًا وَّ نَہَارًا ۙ﴿۵﴾	۵۔ نوح نے کہا: پروردگارا! میں اپنی قوم کو رات دن دعوت دیتا رہا،
فَلَمۡ یَزِدۡہُمۡ دُعَآءِیۡۤ اِلَّا فِرَارًا ﴿۶﴾	۶۔ لیکن میری دعوت نے ان کے گریز میں اضافہ ہی کیا،

تفسیر آیات

حضرت نوح علیہ السلام کو سو پچاس سال کا طویل عرصہ دعوت اور تبلیغ میں گزارا۔ اس آیت کے مطابق اس طویل عرصہ میں دن کے ساتھ راتوں کو بھی شامل کیا گیا لیکن ان دعوتوں کی وجہ سے ان کی نفرتوں میں اضافہ ہو گیا۔

جو ذہن قبول حق کی اہلیت نہ رکھتا ہو اگر اس کے سامنے حق پیش کیا جائے تو اس کی حق سے نفرت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ سورہ بنی اسرائیل آیت ۸۲ میں فرمایا:

وَ نُنَزِّلُ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ مَا ہُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحۡمَۃٌ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۙ وَ لَا یَزِیۡدُ الظّٰلِمِیۡنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿﴾	اور ہم قرآن میں سے ایسی چیز نازل کرتے ہیں جو مومنین کے لیے تو شفا اور رحمت ہے لیکن ظالموں کے لیے تو صرف خسارے میں اضافہ کرتی ہے۔

وَ اِنِّیۡ کُلَّمَا دَعَوۡتُہُمۡ لِتَغۡفِرَ لَہُمۡ جَعَلُوۡۤا اَصَابِعَہُمۡ فِیۡۤ اٰذَانِہِمۡ وَ اسۡتَغۡشَوۡا ثِیَابَہُمۡ وَ اَصَرُّوۡا وَ اسۡتَکۡبَرُوا اسۡتِکۡبَارًا ۚ﴿۷﴾	۷۔ اور میں نے جب بھی انہیں بلایا تا کہ تو ان کی مغفرت کرے تو انہوں نے اپنے کانوں میں اپنی انگلیاں ٹھونس لیں اور اپنے کپڑوں سے (منہ) ڈھانک لیے اور اڑ گئے اور بڑا تکبر کیا۔

تفسیر آیات

۱۔ وَاِنِّیۡ کُلَّمَا دَعَوۡتُہُمۡ: وہ اس دعوت کو سننا تک گوارا نہیں کرتے تھے۔ غور کرنے کی نوبت سننے کے بعد آتی ہے۔

۲۔ وَاسۡتَغۡشَوۡا ثِیَابَہُمۡ: وہ حضرت نوح علیہ السلام کو دیکھنا تک گوارا نہیں کرتے تھے۔ جب حضرت نوح علیہ السلام کو دیکھتے تو منہ پر کپڑا ڈال کر ان سے اظہار بیزاری کرتے تھے۔

۳۔ وَاَصَرُّوۡا: نوح علیہ السلام کی دعوت کے تسلسل کے باوجود ان کے کفر پر ڈٹ جانے میں کوئی فرق نہیں پڑا۔

۴۔ وَاسۡتَکۡبَرُوا: اور ان کے تکبر کا یہ عالم تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام کو اس لائق بھی خیال نہیں کرتے تھے کہ تھوڑی دیر کے لیے ان کی بات سن لیں یا ان کے روبرو ہو جائیں۔

ثُمَّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُہُمۡ جِہَارًا ۟ۙ ۸۔ پھر میں نے انہیں بلند آواز سے بلایا۔

ثُمَّ اِنِّیۡۤ اَعۡلَنۡتُ لَہُمۡ وَاَسۡرَرۡتُ لَہُمۡ اِسۡرَارًا ۙ۝۹ ۹۔ پھر میں نے انہیں علانیہ طور پر اور نہایت خفیہ طور پر بھی دعوت دی،

تفسیر آیات

۱۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام اجتماعات میں بلند آواز میں دعوت دی کہ ان کی آواز سب کے کانوں تک پہنچ جائے، شاید کسی پر اثر ہو۔ پھر بھی کسی پر اثر نہ ہوا۔

۲۔ ثُمَّ اِنِّیۡۤ اَعۡلَنۡتُ: پھر یہ طریقہ دعوت بھی آزما لیا کہ علانیہ طور پر اپنی دعوت کا اظہار کیا اور برملا لوگوں کے سامنے کھلے لفظوں میں اپنی دعوت کو دہرایا۔

۳۔ وَاَسۡرَرۡتُ لَہُمۡ: یہ طریقہ دعوت بھی آزما لیا کہ رازداری میں دعوت دی شاید لوگوں کے سامنے قبول کرنے میں کوئی رکاوٹ ہو۔

اس طرح حضرت نوح علیہ السلام دعوت کے تمام اسلوب اپنائے لیکن ان کی دعوت کو پذیرائی نہیں ملی۔

فَقُلۡتُ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ ؕ اِنَّہٗ کَانَ غَفَّارًا ۟ۙ۝۱۰ ۱۰۔اور کہا: اپنے پروردگار سے معافی مانگو، وہ یقیناً بڑا معاف کرنے والا ہے۔

یُّرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَیۡکُمۡ مِّدۡرَارًا ۟ۙ۝۱۱ ۱۱۔ وہ تم پر آسمان سے خوب بارش برسائے گا،

وَّیُمۡدِدۡکُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّبَنِیۡنَ وَ ۱۲۔ وہ اموال اور اولاد کے ذریعے تمہاری مدد

یَجۡعَلۡ لَّکُمۡ جَنّٰتٍ وَّ یَجۡعَلۡ لَّکُمۡ اَنۡہٰرًا ﴿۱۲﴾

کرے گا اور تمہارے لیے باغات بنائے گا اور تمہارے لیے نہریں بنائے گا۔

تشریح کلمات

مِّدۡرَارًا: (م د ر) موسلا دھار بارش کو کہتے ہیں۔

تفسیر آیات

پھر حضرت نوح علیہ السلام لوگوں کو طمع و امید دلائی کہ اگر تم ایمان لے آؤ تو تمہاری زندگی میں تمہیں آسائشیں میسر آ جائیں گی۔

قرآن مجید میں دیگر مقامات پر بھی اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ دینی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کے اثرات صرف آخرت سے مختص نہیں ہیں بلکہ دنیوی زندگی پر بھی اس کے مثبت اثرات مرتب ہو سکتے ہیں:

وَلَوۡ اَنَّ اَہۡلَ الۡقُرٰۤی اٰمَنُوۡا وَ اتَّقَوۡا لَفَتَحۡنَا عَلَیۡہِمۡ بَرَکٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ وَ لٰکِنۡ کَذَّبُوۡا فَاَخَذۡنٰہُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ﴿﴾ [1]

اور اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے لیکن انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے ان کے اعمال کے سبب جو وہ کیا کرتے تھے انہیں گرفت میں لے لیا۔

اس آیت میں استغفار کو رزق کی فراوانی کا سبب قرار دیا ہے۔

مَا لَکُمۡ لَا تَرۡجُوۡنَ لِلّٰہِ وَقَارًا ﴿۱۳﴾ وَ قَدۡ خَلَقَکُمۡ اَطۡوَارًا ﴿۱۴﴾

۱۳۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی عظمت کا عقیدہ نہیں رکھتے؟

۱۴۔ حالانکہ اس نے تمہیں طرح طرح سے خلق کیا۔

تفسیر آیات

تم مشرکین کو کیا ہو گیا، تمہاری عقلوں پر کیسے پردے پڑ گئے کہ تم اس اللہ کو اپنا رب نہیں مانتے جس نے تمہیں طرح طرح سے پیدا کیا۔ ایک بوند سے لوتھڑا، اس سے گوشت کا ٹکڑا، اس سے جنین، اس سے بچہ، اس سے جوان، اس سے بوڑھا بنا دیا۔ کیا یہی ذات تمہاری زندگی کے امور کی تدبیر نہیں کر سکتی؟ انسانی تخلیق

---

[1] ۷ اعراف: ۹۶

کے بارے میں یہ وہ باتیں ہیں جو عصر نوح علیہ السلام کے سادہ ترین عہد طفولیت کے لوگ بھی سمجھ سکتے تھے۔

اَلَمۡ تَرَوۡا کَیۡفَ خَلَقَ اللّٰہُ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿۱۵﴾

۱۵۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے سات آسمانوں کو یکے بعد دیگرے کس طرح خلق کیا؟

تفسیر آیات

سات آسمانوں کو اللہ نے یکے بالائے دیگرے بنایا یا یہ معنی ہو سکتے ہیں: ساتوں آسمان ایک دوسرے کے مطابق ایک جیسے بنائے چونکہ ان تمام آسمانوں کو ایک ہی مادے دخان سے بنایا ہے:

ثُمَّ اسۡتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ وَ ہِیَ دُخَانٌ ...[1] پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت دھواں تھا۔

بعض مولفین کا خیال ہے: سات آسمان، اسی نظام شمسی میں موجود سات فضائی طبقات ہیں۔ اس پر اس آیت کے بعد کی آیت کو دلیل کے طور پیش کرتے ہیں جس میں فرمایا: وَّ جَعَلَ الۡقَمَرَ فِیۡہِنَّ نُوۡرًا وَّ جَعَلَ الشَّمۡسَ سِرَاجًا۔ اور ان میں چاند کو نور اور سورج کو چراغ بنایا۔

کہتے ہیں: اس سے معلوم ہوا کہ چاند اسی نظام شمسی کے لیے نور ہے۔ دوسری فضاؤں سے تو چاند نظر نہیں آتا۔

میرے نزدیک یہ نظریہ قابل قبول نہیں ہے چونکہ جن طبقات کو مؤلف نے سات آسمان قرار دیا ہے وہ دیگر قرآنی آیات کی صراحت کے مطابق نہیں ہیں۔ مثلاً وَ لَقَدۡ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡیَا بِمَصَابِیۡحَ ...[2] کے مطابق ستارے اس پہلے فضائی طبقہ میں تو نہیں ہیں وغیرہ۔

اور فِیۡہِنَّ سے ثابت نہیں ہوتا کہ چاند فی جمیعھن نور سب آسمانوں کے لیے نور ہے بلکہ بعض کے لیے نور ہو تو بھی فِیۡہِنَّ کہا جاتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: فی المدینۃ عمرو حالانکہ عمرو شہر کے کسی کونے میں ہوتا ہے۔

قوم نوح چاند اور سورج کا مشاہدہ کرتی تھی اور آسمان کے ستاروں کا بھی مشاہدہ کرتی تھی۔ اس سے حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: اس طرح سات آسمان ہیں۔ کیا تم اس خالق کی عظمت کا اعتراف نہیں کرتے؟

وَّ جَعَلَ الۡقَمَرَ فِیۡہِنَّ نُوۡرًا وَّ جَعَلَ الشَّمۡسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾

۱۶۔ اور ان میں چاند کو نور اور سورج کو چراغ بنایا؟

---

[1] ۴۱ حم سجدہ: ۱۱ [2] ۶۷ ملک: ۵

وَ اللّٰہُ اَنۡۢبَتَکُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ نَبَاتًا ﴿ۙ۱۷﴾ ۱۷۔اور اللہ نے زمین سے تمہاری خوب نشو و نما کی۔

ثُمَّ یُعِیۡدُکُمۡ فِیۡہَا وَ یُخۡرِجُکُمۡ اِخۡرَاجًا ﴿۱۸﴾ ۱۸۔ پھر تمہیں اسی میں لوٹا دے گا اور (اسی سے) تمہیں باہر نکالے گا۔

تفسیر آیات

۱۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو نبات سے تعبیر فرمایا کیونکہ انسان بھی نباتات کی طرح ارضی عناصر سے مرکب ہے اور نباتات ہی کی طرح انسان کی حیات زمین سے وابستہ ہے۔

۲۔ ثُمَّ یُعِیۡدُکُمۡ فِیۡہَا: اس انسان کو اسی زمین کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ پھر اسی کا حصہ بن جانا ہے۔ اسے انسانی تشخص سے ہاتھ اٹھا کر دوبارہ مٹی کے ذرات میں شامل ہونا ہے۔

۳۔ وَ یُخۡرِجُکُمۡ اِخۡرَاجًا: اس کے بعد ایک وقت ایسا آئے گا کہ جس طرح پہلی بار انبات ہوا تھا، تدریجاً زمین سے اگایا تھا، اب کے مرتبہ اخراج ہو گا یعنی دفعتاً تمہیں زمین سے اٹھایا جائے گا۔

وَ اللّٰہُ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ بِسَاطًا ﴿ۙ۱۹﴾ ۱۹۔ اور اللہ نے زمین کو تمہارے لیے ہموار بنایا،

لِّتَسۡلُکُوۡا مِنۡہَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿٪۲۰﴾ ۲۰۔ تاکہ تم اس کے کشادہ راستوں پر چلو۔

تشریح کلمات

فِجَاجًا: (ف ج ج) الفج دو پہاڑوں کے درمیان کشادگی کو کہتے ہیں۔ اس کے بعد وسیع راستہ کے معنی استعمال ہونے لگا۔

تفسیر آیات

زمین کو اللہ نے ہموار بنایا تاکہ یہ زمین قابل سکونت ہو جائے اور اس پر زندگی بسر کرنے کے لیے اسے مناسب بھی بنایا۔ چنانچہ زمین کی کوئی چیز، کوئی عنصر، حیات اور زندگی کے منافی نہیں ہے بلکہ تمام ارضی اور فضائی عناصر زندگی کے لیے مساعد ہیں۔ اگر پہاڑ کا ہونا ضروری ہے اور یہ آمد و رفت میں رکاوٹ ہے تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے درمیان کشادہ راستے بنائے جہاں سے پانی اور انسان کا گزر ہو سکے۔

قَالَ نُوۡحٌ رَّبِّ اِنَّہُمۡ عَصَوۡنِیۡ وَ ۲۱۔ نوح نے کہا: پروردگارا! انہوں نے میری نافرمانی

اتَّبَعُوۡا مَنۡ لَّمۡ یَزِدۡہُ مَالُہٗ وَ وَلَدُہٗۤ اِلَّا خَسَارًا ﴿ۚ۲۱﴾
کی اور ان لوگوں کی پیروی کی جن کے مال اور اولاد نے ان کے نقصان میں اضافہ ہی کیا۔

وَ مَکَرُوۡا مَکۡرًا کُبَّارًا ﴿۲۲﴾
۲۲۔ اور ان لوگوں نے بڑی عیاری سے فریب کاری کی،

تفسیر آیات

۱۔ صدیوں کی تبلیغ کے بعد جب حضرت نوح علیہ السلام قوم کی ہدایت سے مایوس ہو گئے تو اس ذات کی طرف رخ فرمایا جس سے مایوس نہیں ہوا جاتا۔

۲۔ وَاتَّبَعُوۡا: اپنی قوم کے ان رئیسوں کی شکایت کی جنھوں نے عام لوگوں کو حضرت نوح علیہ السلام کے خلاف اکسایا۔ یعنی ان سرمایہ داروں نے جو مال اور اولاد میں دوسروں پر فوقیت رکھتے تھے انہیں اکسایا اور یہ لوگ ان سرمایہ داروں کے پیروکار بن گئے اور یہ بات پوری تاریخ انبیاء میں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِیۡ قَرۡیَۃٍ مِّنۡ نَّذِیۡرٍ اِلَّا قَالَ مُتۡرَفُوۡہَاۤ ۙ اِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِہٖ کٰفِرُوۡنَ ۞[1]
اور ہم نے کسی بستی کی طرف کسی تنبیہ کرنے والے کو نہیں بھیجا مگر یہ کہ وہاں کے مراعات یافتہ لوگ کہتے تھے: جو پیغام تم لے کر آئے ہو ہم اسے نہیں مانتے۔

۳۔ وَمَکَرُوۡا مَکۡرًا کُبَّارًا: قوم نوح کے بڑوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت کے خلاف طرح طرح کے حیلے اور بہانے تراشے۔ چنانچہ سورہ ہود آیت ۲۷ میں قوم نوح کے سرداروں کے یہ حیلے مذکور ہیں:

فَقَالَ الۡمَلَاُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِہٖ مَا نَرٰىکَ اِلَّا بَشَرًا مِّثۡلَنَا وَمَا نَرٰىکَ اتَّبَعَکَ اِلَّا الَّذِیۡنَ ہُمۡ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاۡیِ ۚ وَمَا نَرٰی لَکُمۡ عَلَیۡنَا مِنۡ فَضۡلٍۭ بَلۡ نَظُنُّکُمۡ کٰذِبِیۡنَ ۞
تو ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا: ہماری نظر میں تو تم صرف ہم جیسے بشر ہو اور ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ ہم میں سے ادنیٰ درجے کے لوگ سطحی سوچ سے تمہاری پیروی کر رہے ہیں اور ہمیں کوئی ایسی بات بھی نظر نہیں آتی جس سے تمہیں ہم پر فضیلت حاصل ہو بلکہ ہم تو تمہیں کاذب خیال کرتے ہیں۔

وَ قَالُوۡا لَا تَذَرُنَّ اٰلِہَتَکُمۡ وَ لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّ لَا سُوَاعًا ۬ۙ وَّ لَا یَغُوۡثَ وَ یَعُوۡقَ وَ نَسۡرًا ﴿۲۳﴾
۲۳۔ اور کہنے لگے: اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو نہ چھوڑنا۔

---
[1] ۳۴ سبا: ۳۴

تفسیر آیات

ان سرداروں نے اپنی عوام کو یہ تعلیم دی کہ تم اپنے معبودوں کو اس شخص (نوح) کے کہنے پر نہ چھوڑو۔ یہاں ان معبودوں کے نام مذکور ہیں جنہیں عربوں نے اپنا معبود بنا رکھا تھا۔ ممکن ہے کہ ان معبودوں کے نام حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ نجات پانے والوں کے ذریعے آنے والی نسلوں میں منتقل ہو گئے ہوں اور بعد کے انحرافی عناصر نے انہی ناموں کو دوبارہ زندہ کیا ہو۔

وَدًّا: اس نام کا بت ایک قوی ہیکل مرد کی شکل میں تھا۔ قریش کے لوگ بھی اسے معبود سمجھتے تھے۔ ان کے ایک نامور شخص کا نام عبدود تھا جو حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں مارا گیا۔

سُوَاعًا: اس کی مورتی ایک حسین عورت کی شکل میں تھی۔ قبلہ ھبیل اس کی پوجا کرتا تھا۔

یَغُوْثَ: اس کی شکل میلی اور شیر کی ہوتی تھی۔ یمن میں اس کی پوجا ہوتی تھی اور عبد یغوث نام رائج تھا۔

یَعُوْقَ: یہ بت گھوڑے کی شکل کا تھا اور قبیلہ ہمدان کی ایک شاخ اس بت کی پوجا کرتی تھی۔

نَسْرًا: اس بت کی شکل گدھ کی سی ہوتی تھی۔ حمیر کے علاقے میں قبیلہ حمیر کی ایک شاخ اس کی پوجا کرتی تھی۔

وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾

۲۴۔ اور (اس طرح) انہوں نے بہت سوں کو گمراہ کیا اور (پروردگار) تو نے بھی ان ظالموں کی گمراہی میں اضافہ ہی کیا۔

تفسیر آیات

ان سرداروں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔ اس لیے حضرت نوح علیہ السلام نے اس الٰہی قانون کے تحت کہ جو قابل ہدایت نہیں ہیں اللہ ان کی ہدایت سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے نتیجتاً ان کی گمراہی میں اضافہ ہوتا ہے، اللہ سے بد دعا کی کہ ان سے ہاتھ اٹھا لے تا کہ ان کی گمراہی میں اضافہ ہو جائے اور تیرے دائمی عذاب کے مستحق بن جائیں۔

مِمَّا خَطِيْٓئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ

۲۵۔ وہ لوگ اپنی خطاؤں کی وجہ سے غرق کر دیے گئے اور آگ میں داخل کیے گئے، پس انہوں

اللّٰہِ اَنۡصَارًا ﴿۲۵﴾ نے اللہ کے سوا کسی کو اپنا مددگار نہیں پایا۔

تفسیر آیات

چنانچہ قوم اپنی خطا کاریوں کی وجہ سے غرق آب ہوگئی اور مرنے کے بعد انہیں عذاب کی آگ میں ڈال دیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کافروں کو جہنم سے پہلے برزخی زندگی میں بھی عذاب میں رکھا جائے گا۔

وَ قَالَ نُوۡحٌ رَّبِّ لَا تَذَرۡ عَلَی الۡاَرۡضِ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ دَیَّارًا ﴿۲۶﴾

۲۶۔اور نوح نے کہا: پروردگارا! روئے زمین پر بسنے والے کفار میں سے ایک کو بھی باقی نہ چھوڑ۔

اِنَّکَ اِنۡ تَذَرۡہُمۡ یُضِلُّوۡا عِبَادَکَ وَ لَا یَلِدُوۡۤا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا ﴿۲۷﴾

۲۷۔ اگر تو انہیں چھوڑ دے گا تو وہ یقیناً تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور یہ لوگ صرف بدکار کافر اولاد ہی پیدا کریں گے۔

تفسیر آیات

حضرت نوح علیہ السلام کو وحی کے ذریعے معلوم ہوا تھا کہ ان کے اصلاب میں کوئی مومن آنے والا نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا:

اَنَّہٗ لَنۡ یُّؤۡمِنَ مِنۡ قَوۡمِکَ اِلَّا مَنۡ قَدۡ اٰمَنَ ...[1]

جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کے علاوہ آپ کی قوم میں سے ہرگز کوئی اور ایمان نہیں لائے گا۔

اس بنا پر ان کافروں کی نابودی کے لیے دعا کی۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر سے حق حیات سلب نہیں کیا جاتا اگر اس کی آنے والی نسلوں میں کوئی مومن موجود ہے۔ دوسری بات یہ بھی سامنے آئی کہ وہ مومن جو ابھی وجود میں نہیں آیا، دوسروں کے لیے ذریعہ امن ہے۔

رَبِّ اغۡفِرۡ لِیۡ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِمَنۡ دَخَلَ بَیۡتِیَ مُؤۡمِنًا وَّ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ ؕ وَ لَا تَزِدِ الظّٰلِمِیۡنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾

۲۸۔ پروردگارا! مجھے اور میرے والدین کو اور جو ایمان کی حالت میں میرے گھر میں داخل ہو اور تمام مومن مردوں اور عورتوں کو معاف فرما اور کافروں کی ہلاکت میں مزید اضافہ فرما۔

---

[1] ۱۱ ہود: ۳۶

تفسیر آیات

۱۔ رَبِّ اغۡفِرۡ لِیۡ: حضرت نوح نبی علیہ السلام اولوالعزم اپنے لیے طلب مغفرت فرماتے ہیں۔ ہمارے ذہن میں مغفرت سے گناہ آتا ہے کہ مغفرت گناہ سے ہوتی ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ انبیاء علیہم السلام اللہ کی بارگاہ میں اس طرح پیش ہوتے ہیں جیسے ایک خطا کار پیش ہوتا ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم سے بندگی کا حق ادا نہ ہوا۔ یہی آداب بندگی ہیں۔

۲۔ وَ لِوَالِدَیَّ: حضرت نوح علیہ السلام اپنے والدین کے لیے بھی دعا کرتے ہیں چونکہ انبیاء علیہم السلام پاکیزہ اصلاب میں ہوتے ہیں۔

۳۔ وَ لِمَنۡ دَخَلَ بَیۡتِیَ: جو ایمان کے ساتھ رسول کے گھر میں داخل ہو جائے۔ یعنی ان کے رشتہ داروں کے لیے دعا ہے یا جو ان کے سفینہ میں داخل ہوئے ہیں ان کے لیے دعائے مغفرت ہے۔ ساتھ دیگر تمام مومنین اور مومنات کے لیے بھی دعا فرمائی ہے اور ساتھ ظالموں کے لیے نفرت و برائت کا اظہار فرمایا۔

سُورَةُ الجِنّ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اس سورۃ المبارکہ کا نام سورۃ الجن اس لیے ہے کہ اس میں جنات کے ایمان لانے کا ذکر ہے۔
یہ سورۃ بالاتفاق مکی ہے۔ آیات کی تعداد بلا اختلاف ۲۸ ہے۔
اس سورۃ میں مذکور جنات، ان جنات کے علاوہ ہیں جن کا ذکر سورۃ احقاف میں ہوا ہے۔ چونکہ سورۃ احقاف میں مذکور جنات کتاب موسیٰ علیہ السلام توریت پر ایمان رکھتے تھے۔ چنانچہ اِنَّا سَمِعۡنَا کِتٰبًا اُنۡزِلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مُوۡسٰی...[1] سے ظاہر ہے اور اس جگہ جن جنات کا ذکر ہے وہ بظاہر مشرک تھے۔ ان جنات نے اتفاقاً نماز صبح میں قرآن پڑھتے سنا تھا۔
۶ جنات کو یہ علم تو تھا کہ وہ پہلے کی طرح عالم بالا میں نہیں جا سکتے۔ انہیں اس کا راز معلوم نہ تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن سن کر ان پر یہ راز منکشف ہوا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
قُلۡ اُوۡحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ اسۡتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الۡجِنِّ فَقَالُوۡۤا اِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾	۱۔ کہدیجیے: میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنات کی ایک جماعت نے (قرآن) سنا اور کہا: ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے۔
یَّہۡدِیۡۤ اِلَی الرُّشۡدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ ؕ وَ لَنۡ نُّشۡرِکَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ۙ﴿۲﴾	۲۔ جو راہ راست کی طرف ہدایت کرتا ہے اس لیے ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں اور اب ہم کسی کو ہرگز اپنے رب کا شریک نہیں بنائیں گے۔

[1] ۴۶ احقاف: ۳۰

تفسیر آیات

ا۔ یہ واقعہ بعض کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی طائف سے واپسی پر نخلہ کے مقام پر پیش آیا اور بعض کے نزدیک آپ ﷺ بازار عکاظ تشریف لے جا رہے تھے تو راستے میں جنات کا ایک گروہ گزر رہا تھا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو قرآن پڑھتے سنا تو ایمان لے آئے۔

جن ایک پوشیدہ مخلوق ہے جسے انسانی حواس درک نہیں کر سکتے۔ بعض محسوس پرست لوگ جنات کو انسانی اوہام کا نتیجہ قرار دیتے ہیں اور ان کے وجود کے منکر ہیں۔

بعض دیگر جو دینی تعلیمات پر ایمان رکھتے ہیں مگر ان محسوس پرستوں سے متاثر ہیں، ان تصریحات کی تاویل کرتے ہیں جن سے جنات کا ایک مستقل موجود ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ان کی تاویل یہ ہے کہ شیطان و ابلیس سے مراد انسان میں موجود منفی طاقت اور خواہشات ہیں جب کہ یہ باتیں بذات خود اوہام کے علاوہ کسی دلیل و سند پر مبنی نہیں ہیں۔

قرآنی تصریحات پر مشتمل جنات کے بارے میں جناب علامہ سید علی اکبر قریشی نے اپنی تفسیر میں ایک جامع بیان تحریر فرمایا ہے جو درج ذیل ہے:

شہید مطہریؒ نے فرمایا ہے کہ جن ''باشعور انرجی'' ہے جو ایک بہترین تعبیر ہے۔
جو شخص بھی وجود جن کا انکار کرے گا وہ اسلامی مسلمات کا انکار کرتا ہے۔

i۔ جن قرآن کی نظر میں ایک باشعور و ارادہ موجود ہے جو اپنی طبیعتی تقاضوں کے مطابق انسان کے حواس سے پوشیدہ ہے لیکن وہ انسان کی طرح مکلّف ہے۔ آخرت میں اٹھایا جائے گا۔ ان میں فرماں بردار اور گنہگار ہوتے ہیں۔

ii۔ جن و انس روئے زمین کی قابل توجہ موجودات میں سے ہیں۔ یہ مکلّف اور مورد توجہ خدا ہیں۔ سورہ الرحمن میں تیس مرتبہ سے زیادہ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ[1] کے ساتھ جن و انس سے خطاب فرمایا ہے۔ انہیں آخرت کی نعمتیں اور عذاب یاد دلایا ہے۔ ایک بار فرمایا: سَنَفۡرُغُ لَکُمۡ اَیُّہَ الثَّقَلٰنِ ....[2] یعنی دو قابل توجہ موجودات۔

iii۔ جن آتشی مخلوق ہے جیسا کہ انسان خاکی مخلوق ہے:

وَ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ﴿ۚ﴾ وَ الۡجَآنَّ خَلَقۡنٰہُ مِنۡ قَبۡلُ مِنۡ نَّارِ السَّمُوۡمِ ﴿﴾[3]	تحقیق ہم نے انسان کو سڑے ہوئے گارے سے تیار شدہ خشک مٹی سے پیدا کیا۔ اور اس سے پہلے ہم لو (گرم ہوا) سے جنوں کو پیدا کر چکے تھے۔

---

[1] ۵۵ رحمن: ۱۳ [2] ۵۵ رحمن: ۳۱ [3] ۱۵ حجر: ۲۶-۲۷

iv۔ جن انسان کی طرح مکلّف ہیں:

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۞ [1]

اور میں نے جن و انس کو خلق نہیں کیا مگر یہ کہ وہ میری عبادت کریں۔

یا

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَ يُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ... [2]

اے گروہ جن و انس! کیا تمہارے پاس خود تم میں سے رسول نہیں آئے تھے جو میری آیات تمہیں سناتے تھے اور آج کے دن کے وقوع کے بارے میں تمہیں متنبہ کرتے تھے؟

v۔ جنوں میں سے گنہگار اور کفار، انسانوں کی طرح اہل جہنم ہوں گے۔

وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ... [3]

اور بتحقیق ہم نے جن وانس کی ایک کثیر تعداد کو (گویا) جہنم ہی کے لیے پیدا کیا ہے

vi۔ جنات بھی انسانوں کی طرح موت کا شکار ہوتے ہیں اور دوسرے لوگ ان کی جگہ لیتے ہیں:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ... [4]

یہ وہ لوگ ہیں جن پر فیصلہ حتمی ہو چکا ہے جنوں اور انسانوں کے ان گروہوں کے ساتھ جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔

vii۔ جن ہمیں دیکھ لیتے ہیں لیکن ہم جن کو نہیں دیکھ پاتے۔

يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَاۤ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ... [5]

اے اولاد آدم! شیطان تمہیں کہیں اس طرح نہ بہکا دے جس طرح تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکلوایا اور انہیں بے لباس کیا تاکہ ان کے شرم کے مقامات انہیں دکھائے، بے شک شیطان اور اس کے رفقائے کار تمہیں ایسی جگہ سے دیکھ رہے ہوتے ہیں جہاں سے انہیں تم نہیں دیکھ سکتے۔

viii۔ جن انسانوں کی طرح کام کر لیتے ہیں۔ چنانچہ وہ سلیمان علیہ السلام کے لیے کام کرتے تھے۔

وَ مِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ... [6]

اور جنوں میں سے بعض ایسے تھے جو اپنے رب کی اجازت سے سلیمان کے آگے کام کرتے تھے۔

---

[1] ۵۱ ذاریات: ۵۶ [2] ۶ انعام: ۱۳۰ [3] ۷ اعراف: ۱۷۹
[4] ۴۶ احقاف: ۱۸ [5] ۷ اعراف: ۲۷ [6] ۳۴ سبا: ۱۲

نیز فرمایا:

یَعۡمَلُوۡنَ لَہٗ مَا یَشَآءُ مِنۡ مَّحَارِیۡبَ وَ تَمَاثِیۡلَ وَ جِفَانٍ کَالۡجَوَابِ وَ قُدُوۡرٍ رّٰسِیٰتٍ ...؎	سلیمان جو چاہتے یہ جنات ان کے لیے بنا دیتے تھے، بڑی مقدس عمارات، مجسمے، حوض جیسے پیالے اور زمین میں گڑی ہوئی دیگیں۔

اصول کافی جلد اول صفحہ ۳۹۳ پر ایک باب بہ عنوان ''جنات اماموں کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور اپنے دینی مسائل پوچھتے ہیں'' موجود ہے جس میں جنوں کے کام کرنے کے بارے میں سات احادیث مذکور ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ انسانی شکل میں آ کر کام کرتے ہیں۔ چنانچہ کافی میں یہ بات بھی ہے کہ ایک جن نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا خط سدیر صیرفی کو پہنچایا تھا۔

ix۔ جن کے لیے فرشتوں کی طرح انسانی شکل یا کسی اور شکل میں آنا ممکن ہے۔ فرشتے جوانوں کی شکل میں حضرت لوط اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے ہاں آئے تھے اور جب تک فرشتوں نے خود نہیں بتایا وہ انہیں انسان سمجھتے رہے۔

x۔ سورہ الرحمٰن آیت ۷۴:

لَمۡ یَطۡمِثۡہُنَّ اِنۡسٌ قَبۡلَہُمۡ وَ لَا جَآنٌّ ۞	جنہیں ان سے پہلے نہ کسی انسان نے چھوا ہو گا اور نہ کسی جن نے۔

سے معلوم ہوتا ہے جنات کی نسل بھی ازدواجی مقاربت سے پھیلتی ہے۔

xi۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاتے ہیں۔ چنانچہ سورہ احقاف آیات ۲۹۔ ۳۱ اور سورہ جن سے معلوم ہوتا ہے۔

xii۔ اور آیہ وَّ اَنَّہٗ کَانَ رِجَالٌ مِّنَ الۡاِنۡسِ یَعُوۡذُوۡنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الۡجِنِّ ...۔(آیت ۶) سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوں میں مرد و زن ہوتے ہیں۔ ملاحظہ ہو تفسیر احسن الحدیث ذیل آیت

بہرحال جن ایک شعور کی مالک انرجی ہے جیسے انسان باشعور خاکی ہے۔ جن کے بارے میں اوہام پرستوں نے جو خرافات ذہنوں میں گھڑی ہیں وہ بھی صحیح نہیں ہیں۔

۱۔ قُلۡ اُوۡحِیَ اِلَیَّ: ''کہدیجیے! میری طرف وحی آئی ہے'' سے یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود جنات کو نہیں دیکھا بلکہ وحی کے ذریعہ معلوم ہوا ہے۔

۲۔ قُرۡاٰنًا عَجَبًا: ایک قابل تعجب اور حیرت انگیز قرآن کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات کلام کی فصاحت و بلاغت اور اسلوب کلام کے نادر ہونے کا بھی بالکل انسانوں کی طرح ادراک کرتے ہیں۔

؎ ۳۴ سبا: ۱۳

۳۔ یَّھۡدِیۡۤ اِلَی الرُّشۡدِ: کلام الٰہی کی تاثیر ہے کہ جنوں کو راہ راست کی شناخت ہو گئی اور قرآن سننے سے جنات کے موقف میں بنیادی تبدیلیاں آئیں جن کا ذکر اگلی آیات میں ہے۔

۴۔ فَاٰمَنَّا بِهٖ: سب سے پہلی بنیادی تبدیلی ایمان باللہ اور نفی شرک ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنات مذہب رکھتے ہیں اور عقیدہ شرک پر قائم تھے۔

وَّ اَنَّهٗ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَۃً وَّ لَا وَلَدًا ۝۳

۳۔ اور یہ کہ ہمارے پروردگار کی شان بلند ہے اس نے نہ کسی کو زوجہ بنایا اور نہ اولاد۔

تشریح کلمات

جَدُّ: (ج د د) جد کا لفظ فیض الٰہی پر بولا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک اس کے معنی عظمت کے ہیں۔

تفسیر آیات

جنات نے اس بات کو درک کر لیا کہ جس اللہ پر وہ ایمان لائے ہیں اس کی ذات ان تمام باتوں سے پاک و منزہ ہے جنہیں غیر توحیدی مذاہب اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت دیتے ہیں اور لگتا ہے کہ جنوں میں بھی یہ عقیدہ پایا جاتا تھا کہ اللہ کا ہمسر اور اولاد ہے۔

وَّ اَنَّهٗ کَانَ یَقُوۡلُ سَفِیۡهُنَا عَلَی اللّٰهِ شَطَطًا ۝۴

۴۔ اور یہ کہ ہمارے کم عقل لوگ اللہ کے بارے میں خلاف حق باتیں کرتے ہیں۔

تشریح کلمات

شطط: (ش ط ط) الشطط کے معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں۔

سَفِیۡهُنَا: (س ف ہ) السفہ اس کے اصل معنی جسمانی ہلکا پن کے ہیں... پھر اسی سے یہ لفظ نقصان عقلی کے سبب خفت نفس کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔

تفسیر آیات

ایمان کے عقلیت پر فائز ہونے کے بعد شرک باللہ کی حماقت کا انکشاف ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خود اس کی مخلوق کو اس کا شریک گردانا کس قدر بے وقوفی تھی۔

وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنۡ لَّنۡ تَقُوۡلَ الۡاِنۡسُ

۵۔ اور یہ کہ ہمارا خیال تھا کہ انسان اور جن کبھی بھی

وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنۡ لَّنۡ تَقُوۡلَ الۡاِنۡسُ وَ الۡجِنُّ عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ۙ﴿۵﴾ اللہ کے بارے میں جھوٹ نہیں بول سکتے۔

تفسیر آیات

قرآنی تعلیمات سے ہمارے اس عقیدے کا باطل ہونا بھی منکشف ہو گیا کہ انسان اور جن اللہ کے بارے میں جو باتیں کر رہے ہیں وہ سب درست ہیں۔ چونکہ دوسرا رخ ہمارے سامنے نہیں آیا تھا اس لیے ہم شرک پر مبنی ساری باتوں کو صحیح قرار دیتے تھے۔ اب قرآن سننے کے بعد علم ہوا یہ سب اللہ کے بارے میں جھوٹ بول رہے تھے کہ اللہ کی بیوی بچے ہیں۔

وَّ اَنَّہٗ کَانَ رِجَالٌ مِّنَ الۡاِنۡسِ یَعُوۡذُوۡنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الۡجِنِّ فَزَادُوۡہُمۡ رَہَقًا ۙ﴿۶﴾

۶۔ اور یہ کہ بعض انسان بعض جنات سے پناہ طلب کیا کرتے تھے جس نے جنات کی سرکشی مزید بڑھا دی۔

تشریح کلمات

رھق: (ر ھ ق) رھق کسی معاملے نے بزور و جبر دبا لیا کے معنوں میں ہے۔

تفسیر آیات

عرب جاہلیت میں لوگ دوران سفر جب کسی وادی میں پڑاؤ ڈالتے تو وہ کہتے تھے کہ میں اس وادی کے سربراہ جن کی پناہ مانگتا ہوں کہ اپنے بے وقوف لوگوں سے مجھے محفوظ رکھے یا خانہ بدوش کسی نئی جگہ پانی چارہ ملنے پر رہنا چاہتا تو پکار کر کہتا: میں اس وادی کے مالک کی پناہ مانگتا ہوں۔

ایمان لانے والے جن کہتے ہیں کہ جب انسان ہم سے ڈرنے لگے تو ہماری لوگوں کا غرور اور ان کی سرکشی اور بڑھ گئی۔ ایمان کی وجہ سے ہمیں علم ہوا پناہ اللہ کی مانگنی چاہیے۔

وَّ اَنَّہُمۡ ظَنُّوۡا کَمَا ظَنَنۡتُمۡ اَنۡ لَّنۡ یَّبۡعَثَ اللّٰہُ اَحَدًا ۙ﴿۷﴾

۷۔ اور یہ کہ انسانوں نے بھی تم جنات کی طرح گمان کر لیا تھا کہ اللہ کسی کو دوبارہ نہیں اٹھائے گا۔

تفسیر آیات

۱۔ وَّ اَنَّہُمۡ ظَنُّوۡا: اور ان انسانوں نے بھی وہی عقیدہ رکھ لیا جو تم جنوں کا تھا کہ اللہ ہدایت کے لیے کسی کو رسالت پر مبعوث نہیں فرماتا۔ یعنی انسانوں نے بھی جنوں کی طرح رسالت کا انکار کیا۔

ایک تفسیر یہ کی جاتی ہے کہ اللہ مرنے کے بعد کسی نہیں اٹھائے گا لیکن پہلی تفسیر درست ہے۔ اس پر اگلی آیت دلیل ہے کہ ہم پر آسمان کے دروازے بند اس لیے ہوئے تھے کہ اللہ نے ایک نبی کو مبعوث فرمایا تھا۔

وَّاَنَّا لَمَسۡنَا السَّمَآءَ فَوَجَدۡنٰهَا مُلِئَتۡ حَرَسًا شَدِيۡدًا وَّشُهُبًا ۙ﴿۸﴾

۸۔ اور یہ کہ ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اسے سخت پہرے داروں اور شہابوں سے بھرا ہوا پایا۔

وَّاَنَّا كُنَّا نَقۡعُدُ مِنۡهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمۡعِ ؕ فَمَنۡ يَّسۡتَمِعِ الۡاٰنَ يَجِدۡ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ﴿۹﴾

۹۔ اور یہ کہ پہلے ہم سننے کے لیے آسمان کے مقامات میں بیٹھا کرتے تھے، اب اگر کوئی سننا چاہتا ہے تو وہ ایک شعلے کو اپنی کمین میں پاتا ہے۔

تفسیر آیات

ہم اس سے پہلے آسمان کی خبریں سننے کے لیے آسمان میں بیٹھ جاتے تھے۔ اب شہاب ثاقب ہماری گھات میں ہیں۔ لہٰذا اب ہم آسمان کی خبریں نہیں سنا سکتے۔

اس سے واضح ہوا کہ شہاب ثاقب سے مراد یہی آسمانی پتھروں والے شہاب نہیں ہیں۔ یہ شہاب تو رسول کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے بھی موجود تھے۔

دیگر قرآنی آیات کے شواہد کے مطابق آسمان اول کے ستاروں سے نکلنے والی شعاعوں سے شیطانوں کو بھگایا جاتا ہے:

وَلَقَدۡ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡيَا بِمَصَابِيۡحَ وَجَعَلۡنٰهَا رُجُوۡمًا لِّلشَّيٰطِيۡنِ ...۔

ہم نے نزدیک ترین آسمان کو چراغوں سے سجایا اور انہیں شیطانوں کے مار بھگانے کا ذریعہ بنایا۔

تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ ملک آیت ۵۔

البتہ بعض روایات میں آیا ہے کہ زمان جاہلیت میں بھی شہاب ہوتے تھے لیکن رسول کریم ﷺ کی بعثت کے بعد ان شہابوں نے راستہ روکنا شروع کیا یا ان کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ اس آیت میں موجود لفظ مُلِئَتۡ (بھرا ہوا) کو اس مطلب پر قرینہ قرار دیا جاتا ہے جب کہ وہ پہلے ایسی جگہ بیٹھ جایا کرتے تھے جہاں شہاب نہیں ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

فان الشیطان کانت تقعد مقاعد استراق السمع اذ ذلک و ھی لا

اس وقت شیاطین چوری سے سننے کے لیے بعض مقامات پر بیٹھا کرتے تھے کیونکہ اس وقت رکاوٹ نہیں ڈالی

تحجب و لا ترجم بالنجوم....[1] جاتی تھی اور ستاروں سے مارے نہیں جاتے تھے۔

وَّاَنَّا لَا نَدۡرِیۡۤ اَشَرٌّ اُرِیۡدَ بِمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ اَمۡ اَرَادَ بِہِمۡ رَبُّہُمۡ رَشَدًا ﴿۱۰﴾

۱۰۔ اور یہ کہ ہمیں نہیں معلوم کہ (اس سے) اہل زمین کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب نے ان کے لیے بھلائی کا ارادہ کیا ہے۔

تفسیر آیات

آسمان پر پہرہ بٹھانے کا اصل مقصد ہم پر پوشیدہ تھا۔ ہم اگرچہ یہ سمجھ چکے تھے اس کا تعلق اہل ارض سے ہے لیکن یہ نہیں سمجھ سکے کہ اس سے اہل ارض کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہے یا کسی برائی کا۔ اب ہم سمجھ گئے ہیں کہ اس پہرہ بٹھانے کا کیا مقصد تھا۔

وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوۡنَ وَ مِنَّا دُوۡنَ ذٰلِکَ ؕ کُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ﴿۱۱﴾

۱۱۔ اور یہ کہ ہم میں سے کچھ لوگ صالح ہیں اور کچھ ہم میں دوسری طرح کے ہیں اور ہم مختلف مذاہب میں بٹے ہوئے تھے۔

تشریح کلمات

قِدَدًا: (ق د د) القد کے معنی کسی چیز کو طول میں قطع کرنے کے ہیں۔ القدد جمع، اس کا واحد قدۃ ہے اور اس کے معنی مختلف مذاہب اور طرق کے ہیں۔

تفسیر آیات

انسانوں کی طرح جنات میں بھی اخلاقاً و مذہباً اچھے برے دونوں ہیں اور مذہب بھی ایک نہیں ہے۔ بالکل انسانوں کی طرح جنات بھی مختلف مذاہب میں بٹے ہوئے ہیں۔

وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنۡ لَّنۡ نُّعۡجِزَ اللّٰہَ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَنۡ نُّعۡجِزَہٗ ہَرَبًا ﴿ۙ۱۲﴾

۱۲۔ اور یہ کہ ہم نے یقین کر لیا ہے کہ ہم زمین میں اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور نہ بھاگ کر اس کو ہرا سکتے ہیں۔

---

[1] بحارالانوار ۶۰:۷۶

تفسیر آیات

ظن بمعنی یقین کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم زمین میں اللہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے کہ اللہ کو عاجز کر کے ہم زمین میں فساد پھیلا دیں اور اگر اللہ ہمیں کسی جرم میں گرفت میں لینا چاہے تو ہم اللہ سے فرار بھی نہیں ہو سکتے۔

وَّ اَنَّا لَمَّا سَمِعۡنَا الۡہُدٰۤی اٰمَنَّا بِہٖ ؕ فَمَنۡ یُّؤۡمِنۡۢ بِرَبِّہٖ فَلَا یَخَافُ بَخۡسًا وَّ لَا رَہَقًا ﴿۱۳﴾

۱۳۔ اور یہ کہ جب ہم نے ہدایت (کی بات) سنی تو ہم اس پر ایمان لے آئے، پس جو شخص بھی اپنے رب پر ایمان لاتا ہے اسے نہ تو نقصان کا خوف ہے اور نہ ظلم کا۔

تفسیر آیات

الۡہُدٰی: کا مطلب قرآن ہے کہ ہم قرآن سن کر ایمان لے آئے ہیں۔ اب ہم یقین کے اس مرحلے میں ہیں کہ اپنے رب پر ایمان لانے کے بعد مومن کو امن میسر آتا ہے۔ ایمان لانے کے بعد نہ کسی قسم کے خسارے کا خوف ہے یعنی زندگی کا خسارہ اب نہیں ہے چونکہ ایمان نے ہماری آخرت کی زندگی محفوظ بنا دی ہے، نہ ہی ہمیں کسی کی طرف سے زیادتی کا خوف ہے۔ یعنی اب کوئی ہم پر گمراہی مسلط نہیں کر سکتا۔

وَّ اَنَّا مِنَّا الۡمُسۡلِمُوۡنَ وَ مِنَّا الۡقٰسِطُوۡنَ ؕ فَمَنۡ اَسۡلَمَ فَاُولٰٓئِکَ تَحَرَّوۡا رَشَدًا ﴿۱۴﴾

۱۴۔ اور یہ کہ ہم میں سے کچھ مسلمان ہیں اور کچھ ہم میں منحرف ہیں، پس جنہوں نے اسلام اختیار کیا انہوں نے راہ راست اختیار کی۔

تفسیر آیات

آیات قرآنی سننے کے بعد جب ان مسلمان جنات نے اپنی قوم میں اسلام کی تبلیغ کی تو کچھ تو مسلمان ہو گئے اور کچھ حق سے منحرف ہو گئے۔ پھر یہ اپنے اسلام کے نتائج و آثار کی بات کر رہے ہیں کہ اسلام قبول کرنے والے ہی حق و ہدایت کی منزل کی طرف گامزن ہیں۔

وَ اَمَّا الۡقٰسِطُوۡنَ فَکَانُوۡا

۱۵۔ اور جو منحرف ہو گئے وہ جہنم کا ایندھن بن

لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾ گئے۔

وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾

۱۶۔اور (انہیں یہ بھی سمجھا دیں کہ) اگر یہ لوگ اسی راہ پر ثابت قدم رہتے تو ہم انہیں وافر پانی سے سیراب کرتے،

لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾

۱۷۔تاکہ اس میں ہم ان کی آزمائش کریں اور جو شخص اپنے پروردگار کے ذکر سے منہ پھیرے گا وہ اسے سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔

تشریح کلمات

غَدَقًا: (غ د ق) غدق کے معنی بہت زیادہ اور وافر کے ہیں۔ یہاں سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خطاب شروع ہے۔ لَاَسْقَيْنٰهُمْ قرینہ ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ جو لوگ حق سے منحرف ہو جاتے ہیں وہ نہ صرف خود آتش جہنم میں جلیں گے بلکہ دوسرے جہنمیوں کے لیے ایندھن بن جائیں گے۔ سورہ بقرہ: ۲۴ اور سورہ تحریم آیت ۶ میں فرمایا:

وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ .... جہنم کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے۔

۲۔ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا اور جو لوگ حق پر ثابت قدم رہتے ہیں انہیں اللہ آبی ذخائر وافر مقدار میں فراہم فرماتا ہے۔ ظاہر ہے دنیا کی تمام نعمتوں کا دار و مدار پانی پر ہے۔ اس آیت سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ایمان کے ثمرات صرف آخرت سے مخصوص نہیں ہیں اس دنیا کی زندگی میں بھی بہت سے ثمرات ہیں۔ مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ نوح آیت ۱۲

۳۔ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ: نعمتوں کے وفور سے ہم انہیں آزمائیں گے کہ کیا وہ ان نعمتوں کا شکر کرتے ہیں یا کفران نعمت کرتے ہوئے سرکش ہو جاتے ہیں۔

۴۔ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ: ذکر خدا سے منہ موڑنے کا مطلب انسان کی اپنے فطری اور جبلی حقوق سے منہ موڑنا ہے۔ ایسا شخص دنیا میں بے چینی کے عذاب میں مبتلا رہتا ہے اور آخرت میں دائمی عذاب میں۔

وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ ۱۸۔ اور یہ کہ مساجد اللہ کے لیے ہیں، لہٰذا اللہ

اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾	کے ساتھ کسی کو نہ پکارو۔

تفسیر آیات

بعض، مساجد سے مراد عبادت گاہیں لیتے ہیں اور بعض نے تو کہا ہے پوری زمین عبادت گاہ ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِداً وَ طَهُوراً...۔[1]	میرے لیے زمین کو جائے سجدہ اور پاک کرنے کا ذریعہ بنایا ہے۔

ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی روایت کے مطابق اَلْمَسٰجِدَ سے مراد اعضائے سجدہ ہیں کہ ان اعضاء پر غیر اللہ کے لیے سجدہ نہ کرو۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

السُّجُودُ عَلَی سَبْعَةِ اَعْظُمٍ الْجَبْهَةِ وَ الْیَدَیْنِ وَ الرُّکْبَتَیْنِ وَ الْاِبْهَامَیْنِ وَ تُرْغِمُ بِاَنْفِكَ اِرْغَاماً فَاَمَّا الْفَرْضُ فَهَذِهِ السَّبْعَةُ وَ اَمَّا الْاِرْغَامُ بِالْاَنْفِ فَسُنَّةٌ مِنَ النَّبِیِّ ص...۔[2]	سجدہ سات اعضاء پر ہونا چاہیے۔ پیشانی، دونوں ہاتھوں، دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں کے انگوٹھوں پر۔ ناک زمین پر لگانا ہوگی۔ یہ سات واجب ہیں، ناک زمین پر لگانا سنت نبی ہے۔

حنفی کے نزدیک صرف پیشانی کا سجدہ واجب ہے۔ بعض ناک کو بھی شامل کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو رشحات ص۲۷۔

ایک قول کے مطابق شافعی صرف پیشانی کا سجدہ کافی سمجھتے ہیں۔

اسلامی مصادر و مآخذ سے جو ثابت ہوتا ہے وہ فقہ جعفری کا موقف ہے۔ یعنی سات اعضا پر سجدہ واجب ہے۔ ناک کا زمین پر لگانا مستحب ہے۔

چنانچہ صحیح بخاری کتاب الاذان میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

امرنا ان سجد علی سبعة اعظم۔	ہمیں حکم ملا ہے کہ سات اعضاء پر سجدہ کریں۔

اس کے بعد پیشانی، دونوں ہاتھوں، دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں کا ذکر ہے۔

ان احادیث میں سات اعضاء کے لیے تین مختلف تعبیریں ہیں: سبعة اعظم، سبعة اطراف اور سبعة اراب۔ ملاحظہ ہو صحیح مسلم باب اعضاء السجود، ترمذی باب ماجاء فی السجود۔ ان میں ناک کا ذکر نہ ہونا دلیل ہے کہ یہ مستحب ہے، واجب نہیں ہے۔

---

[1] الفقيه ۱: ۲۴۰ [2] التهذيب ۲: ۲۹۹

اس طرح سنی اور شیعہ مصادر سے فقہ جعفری کا موقف ثابت ہوتا ہے۔ مقام تعجب ہے کہ بعض دیگر مذاہب سات اعضا پر سجدہ واجب نہیں سمجھتے جو صحیح بخاری کی حدیث امرنا ان نسجد علی سبعۃ اعظم (ہمیں حکم ملا ہے کہ سات اعضا پر سجدہ کریں) کے صریحاً خلاف ہے۔

خاک پر سجدہ: فقہ جعفری کے مطابق سجدہ خاک پر ہو سکتا ہے یا خاک سے اگنے والی اشیا پر جو کھانے، لباس کی چیزوں اور معدنیات میں سے نہ ہوں۔

i۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا عمل شاہد ہے کہ آپؐ مٹی پر سجدہ فرمایا کرتے تھے۔ صحیح بخاری کتاب الاذان میں ابو سعید خدری راوی ہیں:

کان یسجد فی الماء و الطین حتی رایت اثر الطین فی جبھتہ۔ — رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم آب و گل پر سجدہ کرتے تھے، میں نے حضورؐ کی پیشانی کو گل آلود دیکھا ہے۔

ii۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خمرہ پر سجدہ کرتے تھے۔ خمرہ کھجور کی چھال سے بنی ہوئی ہتھیلی کے برابر چھوٹی چٹائی کو کہتے ہیں

تلخیص الصحاح اور محمد طاہر نے مجمع بحار صفحہ ۳۷۷ میں کہا ہے:

الخمرۃ وہی ہے جس پر آج کل شیعہ سجدہ کرتے ہیں۔

صحیح بخاری کتاب الصلوۃ میں آیا ہے:

کان رسول اللّٰہ یصلی علی الخمرۃ۔ — رسول اللہؐ خمرہ پر نماز پڑھتے تھے۔

نیز ملاحظہ ہو صحیح مسلم باب الصلوۃ علی الخمرۃ۔

iii۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا سجدہ کے بارے میں فرمان ہے:

ترب وجھك۔ — اپنے چہرے کو خاک آلود کرو۔

ملاحظہ ہو ترمذی کتاب الصلوۃ۔ مسند احمد باب حدیث ام سلمہ۔

سنت نبوی کے مطابق ہر خاک پر سجدہ کرنا بہتر ہے تو جس شہید نے اس سجدے کی خاطر جان دے دی ہے اس کی خاک پر سجدہ کرنا یقیناً افضل ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

اِنَّ السُّجُودَ عَلَی تُرْبَۃِ اَبِی عَبْدِ اللّٰہِ ع یَخْرِقُ الْحُجُبَ السَّبْعَ۔[1] — حضرت امام حسین علیہ السلام کی تربت پر سجدہ کرنا (قبولیت میں مانع) سات پردوں کو ہٹا دیتا ہے۔

وَّاَنَّہٗ لَمَّا قَامَ عَبۡدُ اللّٰہِ یَدۡعُوۡہُ ۱۹۔ اور یہ کہ جب اللہ کا بندہ اسے پکارنے کے لیے

---

[1] الوسائل ۵: ۳۶۶ باب استحباب السجود

ع ۱۹ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ۝١٩ کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ ہجوم اس پر ٹوٹ پڑے۔

تشریح کلمات

لِبَدًا: (ل ب د) لبد تہ بہ تہ جمی ہوئی اون کو کہتے ہیں۔

تفسیر آیات

جب رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو مشرکین آپ کے گرد بھیڑ لگاتے اور شور مچاتے تھے اور تہ بہ تہ جمی ہوئی اون کی طرح آپ کے گرد ہجوم کرتے تھے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں: جنات آپ سے قرآن سننے کے لیے بھیڑ لگاتے تھے۔ لیکن اگلی آیت اس تفسیر کی تائید نہیں کرتی۔

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ۝٢٠ ۲۰۔ کہد یجیے: میں تو صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔

تفسیر آیات

ان بھیڑ کرنے والے مشرکین سے کہد یجیے: اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے کہ میں صرف اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں اور کسی کو اپنے رب کے ساتھ شریک نہیں بناتا ہوں۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ حقیقی رب کو چھوڑ کر باطل کی پرستش کی جائے۔

قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ۝٢١ ۲۱۔ کہد یجیے: میں تمہارے لیے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی ہدایت کا۔

تفسیر آیات

کہد یجیے: اللہ سے ہٹ کر بذات خود میں نہ تمہیں ضرر پہنچا سکتا ہوں، نہ ہی تمہاری ہدایت کر سکتا ہوں۔ میں یہ دعویٰ نہیں کر رہا ہوں کہ میں اللہ کی جگہ ہوں۔ میرے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اللہ سے ہٹ کر بذات خود میرے پاس کچھ نہیں ہے۔

قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۲۲۔ کہد یجیے: مجھے اللہ سے کوئی ہرگز نہیں بچا سکتا

وَّلَنۡ اَجِدَ مِنۡ دُوۡنِہٖ مُلۡتَحَدًا ﴿۲۲﴾	اور نہ ہرگز اس کے سوا کوئی جائے پناہ پا سکوں گا۔
اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِسٰلٰتِہٖ ؕ وَ مَنۡ یَّعۡصِ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ فَاِنَّ لَہٗ نَارَ جَہَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَاۤ اَبَدًا ﴿۲۳﴾	۲۳۔ (میرا کام تو) صرف اللہ کی بات اور اس کے پیغامات کا پہنچانا ہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے اس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ابد تک ہمیشہ رہے گا۔

تفسیر آیات

۱۔ کہد یجیے کہ اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں تو مجھے اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ یعنی میری ذاتی حیثیت کا یہ عالم ہے کہ بفرض محال اگر میں اللہ سے تعلق ختم کروں تو نہ تو میں خود اپنے آپ کو اللہ کے غضب سے بچا سکوں گا نہ کوئی اور۔

۲۔ وَّلَنۡ اَجِدَ مِنۡ دُوۡنِہٖ مُلۡتَحَدًا: میری بھی واحد پناہ گاہ اللہ کی ذات ہے۔ اس لیے جس طرح میں اللہ کی پناہ کا محتاج ہوں تمہیں بھی اس کی پناہ کی طرف بلا رہا ہوں۔

۳۔ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰہِ وَ رِسٰلٰتِہٖ: یہ استثنا لَاۤ اَمۡلِکُ لَکُمۡ سے ہے۔ درمیان میں ایک آیت جملہ معترضہ بھی نہیں ہے بلکہ اسی لَاۤ اَمۡلِکُ کی تشریح ہے۔ فرمایا: میں بذات خود تمہیں ضرر یا ہدایت نہیں دے سکتا۔ سوائے اس ہدایت کے جو اللہ کی طرف سے اور اللہ کے پیغامات کے ذریعے تم تک میں نے پہنچائی ہے۔ بَلٰغًا مِّنَ اللّٰہِ وہ ہدایات ہیں جو وقتاً فوقتاً تمہیں اللہ کی طرف سے دیا کرتا ہوں اور رِسٰلٰتِہٖ وہ دستور حیات ہے جو دین و دنیا کی معاونت کے لیے پیش کیا کرتا ہوں۔

قرآن میں اس مضمون کے دیگر آیات بھی ہیں:

قُلۡ لَّاۤ اَمۡلِکُ لِنَفۡسِیۡ ضَرًّا وَّ لَا نَفۡعًا اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰہُ ؕ لِکُلِّ اُمَّۃٍ اَجَلٌ ...[1]	کہد یجیے: میں اللہ کی منشا کے بغیر اپنے نقصان اور نفع کا بھی اختیار نہیں رکھتا، ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔

۴۔ وَ مَنۡ یَّعۡصِ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ: اس ضرر کا ذکر ہے جس کی رسول ﷺ تنبیہ کرتے ہیں کہ میں ضرر کا مالک نہیں ہوں لیکن اللہ اور میری نافرمانی سے جو ضرر تمہیں اللہ کی طرف سے پہنچے گا وہ آتش جہنم کا ابدی عذاب ہے۔

حَتّٰۤی اِذَا رَاَوۡا مَا یُوۡعَدُوۡنَ	۲۴۔ (وہ ایمان نہیں لائیں گے) یہاں تک کہ وہ

[1] ۱۰ یونس: ۴۹

فَسَيَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ اَضۡعَفُ نَاصِرًا وَّ اَقَلُّ عَدَدًا ۞ اسے دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس کا مددگار زیادہ کمزور ہے اور کس کی جماعت قلت میں ہے۔

تفسیر آیات

جب تم اپنے کفر و عناد کے عذاب کا معائنہ کرو گے اور اس وقت تم مدد کے لیے پکارو گے تو تمہیں علم ہو گا کہ مددگار کس قدر کمزور اور کم ہیں۔

قُلۡ اِنۡ اَدۡرِیۡۤ اَقَرِیۡبٌ مَّا تُوۡعَدُوۡنَ اَمۡ یَجۡعَلُ لَہٗ رَبِّیۡۤ اَمَدًا ۞ ۲۵۔ کہد یجیے: میں نہیں جانتا کہ جس کا وعدہ تم سے کیا جاتا ہے وہ قریب ہے یا میرا رب اس کے لیے لمبی مدت مقرر فرماتا ہے۔

تشریح کلمات

اَمَدًا: (ا م د) مدت کے معنوں میں ہے۔ اَمَد اور اَبَد میں فرق یہ بیان کیا گیا ہے کہ اَبَد غیر معین اور غیر محدود زمانہ کے معنی دیتا ہے جب کہ اَمَد غیر معین مگر محدود زمانے کے معنی دیتا ہے۔

تفسیر آیات

قُلۡ اِنۡ اَدۡرِیۡۤ: کہد یجیے: اس کا علم صرف میرے رب کے پاس ہے کہ وہ عذاب تم پر کب آنے والا ہے۔

۳۴۹

عٰلِمُ الۡغَیۡبِ فَلَا یُظۡہِرُ عَلٰی غَیۡبِہٖۤ اَحَدًا ۞ ۲۶۔ وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا۔

اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰی مِنۡ رَّسُوۡلٍ فَاِنَّہٗ یَسۡلُکُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ وَ مِنۡ خَلۡفِہٖ رَصَدًا ۞ ۲۷۔ سوائے اس رسول کے جسے اس نے برگزیدہ کیا ہو، وہ اس کے آگے اور پیچھے نگہبان مقرر کر دیتا ہے۔

تفسیر آیات

علم غیب ذاتی طور پر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اس آیت میں فرمایا: البتہ رسولوں میں

سے جسے ہم برگزیدہ کرتے ہیں اس پر غیب کا اظہار کرتے ہیں۔ رسولوں میں انسان اور ملائکہ دونوں شامل ہیں۔ لہٰذا برگزیدہ رسول کے پاس علم غیب آ سکتا ہے مگر یہ اس رسول کا ذاتی علم نہ ہو گا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم شدہ علم ہو گا۔ تیسرے درجے پر اولیا اللہ ہوں گے جو رسول سے براہ راست تعلیم لیتے ہیں۔

بصائر الدرجات صفحہ ۲۹۳ میں آیا ہے:

لا یعلم اللّٰہ محمدا علما الا و امرہ ان یعلم علیا۔

اللہ تعالیٰ نے محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ) کو کوئی تعلیم نہیں دی مگر یہ کہ حکم دیا یہ علی (علیہ السلام) کو سکھائیں۔

مروی ہے حضرت علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے:

یامعشر الناس سلونی قبل ان تفقدونی ھذا سفط العلم ھذا لعاب رسول اللّٰہ ھذا مازقنی رسول اللّٰہ زقا زقا سلونی فان عندی علم الاولین و الآخرین....۔ [1]

اے لوگو! مجھ سے سوال کرو قبل اس کے میں تمہارے درمیان سے چلا جاؤں۔ یہ علم کا ذخیرہ ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ کا لعاب دہن ہے۔ یہ وہ علم ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ نے مجھ میں کوٹ کوٹ کر بھر دیا ہے۔ پوچھو مجھ سے چونکہ میرے پاس اولین و آخرین کا علم ہے۔

چنانچہ جنگ نہروان میں جب لوگوں نے آپ علیہ السلام کو خبر دی کہ خوارج دریا کے اس پار نکل گئے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

مَصَارِعُهُمْ دُونَ النُّطْفَةِ وَ اللّٰهِ لَا يُفْلِتُ مِنْهُمْ عَشَرَةٌ وَ لَا يَهْلِكُ مِنْكُمْ عَشَرَةٌ۔ [2]

ان کے گرنے کی جگہ تو پانی کے اس طرف ہے۔ خدا کی قسم! ان میں سے دس بھی بچ کر نہ جا سکیں گے اور تم میں سے دس بھی ہلاک نہ ہوں گے۔

بعد میں دیکھا خوارج میں سے صرف نو افراد بچ گئے اور حضرت علی علیہ السلام کے لشکر سے صرف نو افراد مارے گئے تھے۔

۲۔ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ: اس جملے میں فرمایا: جب رسول صلی اللہ علیہ و آلہ پر راز ہائے غیب نازل کرنا ہو تو فرشتوں پر مشتمل نگہبانوں کے تحفظ میں یہ راز پہنچایا جاتا ہے اور صرف قلب رسول کے تحفظ میں دیا جاتا ہے۔ آگے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ صرف اہل ہستیوں کے سپرد فرماتے ہیں۔

لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَ اَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَ اَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾ ع ۲

۲۸۔ تاکہ اسے علم ہو جائے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچائے ہیں اور جو کچھ ان کے پاس ہے اس پر اللہ نے احاطہ کر رکھا ہے اور اس نے ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے۔

---

[1] امالی للصدوق ص ۳۴۱، مجلس ۵۵

[2] نہج البلاغۃ خ ۵۹

تفسیر آیات

۱۔اس آیت میں لِّیَعۡلَمَ تحقق اور وقوع پذیری کے معنوں میں ہے۔ جیسے آیہ لِیَعۡلَمَ اللّٰہُ مَنۡ یَّخَافُہٗ بِالۡغَیۡبِ ......[1] میں ہے۔ یعنی تا کہ یہ بات تحقق میں آ جائے اور قطعی طور پر وقوع پذیر ہو جائے کہ رسولوں نے اپنے رب کے پیغامات کماحقہ لوگوں تک پہنچا دیے ہیں۔

اس فقرے سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ ان رازہائے خدا کو پیغمبروں تک پہنچانے کے لیے صرف نگہبانوں کا انتظام نہیں ہے بلکہ انبیاء علیہم السلام کی طرف سے لوگوں تک پہنچانے میں تحفظ کا انتظام ہے۔ جیسے فرمایا:

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۝ [2] اس ذکر کو یقیناً ہم ہی نے اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

یہ آیت بھی نفی تحریف قرآن پر دلالت کرتی ہے کہ آیات الٰہی رَصَدًا یعنی نگہبانوں کی حفاظت میں نازل ہوئی ہیں اور تبلیغ ہوئی ہے۔

۲۔ وَ اَحَاطَ بِمَا لَدَیۡہِمۡ : جو کچھ رسولوں کے اختیار میں ہے ان سب پر اللہ تعالیٰ کے علم نے احاطہ کر رکھا ہے۔ ان کے باطن، ظاہر، طریقۂ تبلیغ، امانت اور اطاعت و فرماں برداری سب پر کلی طور پر احاطہ رکھتا ہے۔

۳۔ وَ اَحۡصٰی کُلَّ شَیۡءٍ عَدَدًا : صرف رسولوں کی بات نہیں بلکہ اس کائنات میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ کے شمار میں نہ آئے، خواہ وہ ریت کے ذرات ہوں یا درختوں کے پتے ہوں یا کوئی اور چھوٹی بڑی چیز ہو۔

---

[1] ۵ مائدہ: ۹۴ [2] ۱۵ حجر: ۹

سُورَةُ الْمُزَّمِّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس سورۃ کا نام پہلی آیت میں مذکور یَاَیُّهَاالْمُزَّمِّلُ سے ماخوذ ہے۔

یہ سورۃ مکی ہے اور بعثت کے ابتدائی سالوں میں نازل ہوئی ہے بلکہ آیت ۵ اِنَّاسَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا "عنقریب آپ پر ہم ایک بھاری حکم (کا بوجھ) ڈالنے والے ہیں۔" سے عندیہ ملتا ہے کہ یہ سورۃ بعثت کے تیسرے سال کے بعد نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ کے لیے اپنی رسالت کا اعلان کرنے کا حکم نازل ہوا تھا۔ اعلان رسالت میں مشرکین کے معبودوں کے خلاف اور ان کے آبائی مذہب کے بطلان کا اعلان کرنا تھا جو ایک نہایت سنگین ذمہ داری ہے۔ اس کے لیے ایک نہایت روحانی طاقت وقوت کی ضرورت تھی جو عبادت سے حاصل ہو سکتی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	بنام خدائے رحمٰن رحیم
يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾	۱۔ اے کپڑوں میں لپٹنے والے!
قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿۲﴾	۲۔ رات کو اٹھا کیجیے مگر کم،
نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ﴿۳﴾	۳۔ آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر لیجیے،
اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ﴿۴﴾	۴۔ یا اس پر کچھ بڑھا دیجیے اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کیجیے۔

تفسیر آیات

ا۔ رسول اللہ ﷺ کی حالت تزمل اور رسالت کے فرائض کے درمیان کوئی ربط اور واسطہ معلوم ہوتا ہے۔ اگر ہم مزمل کے معنی کپڑوں میں لپٹنے والے لیتے ہیں تو اس ربط کا سمجھ میں آنا دشوار ہے، لیکن اگر

ہم تزمل کے معنی بارسنگین اٹھانے والے لیتے ہیں تو بظاہر ربط معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ جوھری، ابن اثیر اور بیضاوی نے مزمل کا ایک معنی بوجھ اٹھانے والے سے کیا ہے۔ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یا محمد کہکر نہیں پکارا جب کہ باقی انبیاء علیہم السلام کو یا ابراہیم یا موسیٰ کہہ کر پکارا ہے۔

۲۔ قُمِ الَّیۡلَ: رات کو اٹھا کیجیے۔ یہ حکم ہے کہ رات کو تہجد کے لیے اٹھا کریں۔ چنانچہ تہجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر واجب ہے، امت پر مستحب ہے۔

۳۔ اِلَّا قَلِیۡلًا: مگر تھوڑا کم۔ یعنی رات اٹھا کریں مگر تھوڑا کم نہ اٹھا کریں، وہ جو تھوڑا کم ہے وہ نصف رات ہو یا نصف سے کم ہو یا نصف سے کچھ زیادہ ہو۔ رات کا اٹھنا واجب ہے، مقدار میں اختیار ہے کہ ان تین حالتوں میں سے کسی ایک کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اختیار کر سکتے ہیں۔

موجودہ نامساعد حالات اور آئندہ آنے والے سنگین حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے رات کو اٹھ کر عبادت کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو مادی وسائل اور اسلحوں سے نہیں بلکہ باطنی طاقت اور روحانی قوت سے لیس کرنا چاہتا ہے۔

۴۔ وَ رَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِیۡلًا: اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کا حکم ہے۔ یہ تہجد کی نماز سے مربوط ہے یا مطلقاً؟ دو اقوال ہیں: بظاہر تہجد میں ترتیل کا حکم ہے۔ اگرچہ قرآن کو ہمیشہ ترتیل کے ساتھ پڑھنے کا حکم سب کے لیے ہے لیکن تہجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہوسکتا ہے ترتیل واجب ہو۔

ترتیل قرآن کو اس طرح پڑھنے کو کہتے ہیں کہ حروف اپنے مخارج سے پوری وضاحت کے ساتھ نکلیں اور زیر و زبر کا تلفظ بھی واضح طریقے سے ہو۔ ترتیل کی یہ تعریف کی گئی ہے: تلاوت اس طرح آہستہ ہو کہ سننے والا حروف کا شمار کر سکے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ قرآن کے مفاہیم ذہن میں اترتے جاتے ہیں اور کلام الٰہی کا اثر شعور تک پہنچ پاتا ہے۔

اِنَّا سَنُلۡقِیۡ عَلَیۡکَ قَوۡلًا ثَقِیۡلًا ۝ ۵۔ عنقریب آپ پر ہم ایک بھاری حکم (کا بوجھ) ڈالنے والے ہیں۔

تفسیر آیات

رات کو اللہ کو عبادت و تلاوت کے ذریعے عظیم ملکوتی طاقت سے گہرا ربط قائم کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آ رہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاندھوں پر ایک سنگین ذمہ داری ڈالی جا رہی ہے۔ ایک وحشی قوم کو انسان بنانے، ایک ناخواندہ قوم کو تہذیب دینے، ایک تاریک معاشرے کو روشن بنانے، ایک ہٹ دھرم قوم کو صرف حق سمجھانے اور گمراہوں کو راہ حق دکھانے کی ذمہ داری ہے۔

چونکہ اس ذمہ داری کا تعلق ایک مشرک قوم کے معبودوں اور ان کے مقدسات کو یکسر مسترد کرنے کے ساتھ مربوط ہے اس لیے اس کا ردعمل بھی نہایت شدید اور سنگین ہونے والا ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ بعد میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ما اوذی نبی مثل ما اوذیت۔۔۔[۱] جتنی اذیت مجھے دی گئی ہے کسی نبی کو نہیں دی گئی۔

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيۡلِ هِيَ اَشَدُّ وَطۡاً وَّ اَقۡوَمُ قِيۡلًا ۝ ٦۔رات کا اٹھنا ثبات قدم کے اعتبار سے زیادہ محکم اور سنجیدہ کلام کے اعتبار سے زیادہ موزون ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ نَاشِئَةَ الَّيۡلِ: مراد رات کو اٹھنا۔ یعنی خواب سے بیداری کی نَاشِئَةَ کی تعبیر نہایت قابل توجہ ہے کہ حالت خواب میں انسان تمام حواس سے بیگانہ ہو جاتا ہے اور بیداری ایک قسم کی نشاۃ ثانیہ ہے۔ چنانچہ حدیث ہے:

النوم اخو الموت۔[۲] خواب موت کا بھائی ہے

لہٰذا نَاشِئَةَ الَّيۡلِ وہی قیام اللیل ہی ہے۔ جیسا کہ حضرت امام محمد باقر و حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام روایت ہے:

هِيَ الْقِيَامُ فِي آخِرِ اللَّيْلِ اِلَى صَلوٰةِ اللَّيْلِ۔[۳] اس سے مراد رات کے آخری حصے میں نماز شب کے لیے اٹھنا ہے۔

۲۔ اَشَدُّ وَطۡاً: رات کا اٹھنا ثبات قدم کے اعتبار سے زیادہ موزوں ہے۔ الوطئی لغت میں پاؤں کے زمین پر جمنے کو کہتے ہیں۔ یہاں نماز گزار کے یکسوئی کے ساتھ جم کر عبادت کرنے کا استعارہ ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے وَطۡاً سے مراد تاثیر ہو یعنی رات کی عبادت۔ اشد تأثیراً ہے۔

۳۔ وَّ اَقۡوَمُ قِيۡلًا: کلام زیادہ سنجیدہ اور پختہ ہوتا ہے۔ یعنی رات کی تاریکی میں انسان جب عبادت کے لیے اذکار و تلاوت کو زبان پر جاری کر رہا ہو تو یہ صرف زبان پر جاری ہو کر گزر نہیں جائیں گے بلکہ اقوم ہوگا، پائیدار ہوگا، دل میں ٹھہر جائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایک عظیم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے رات کی تاریکی، پرسکون ماحول اور فارغ البال لمحات زیادہ مناسب ہیں جن میں دنیا والوں کے شور و غل سے فارغ، یکسو سناٹا میسر آتا ہے اور اپنے خالق سے بہتر اور بیشتر طاقت حاصل کی جا سکتی ہے۔

۱؎ بحار ۳۹: ۵۵ ۲؎ مصباح الشریعۃ: ۴۴ ۳؎ مستدرک الوسائل ۶: ۳۳۲۔ مجمع البیان۔ ذیل آیت

رات کو روح میں صفائی، عقل کو فراغت، ذہن کو سکون اور ضمیر، وجدان کو مطلوبہ فضا میسر آتی ہے۔

اِنَّ لَکَ فِی النَّہَارِ سَبۡحًا طَوِیۡلًا ؕ﴿۷﴾ ۷۔ دن میں تو آپ کے لیے بہت سی مصروفیات ہیں.

تشریح کلمات

سَبۡحًا: (س ب ح) السبح کے اصل معنی پانی یا ہوا میں تیز رفتاری سے گزر جانے کے ہیں۔ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبۡحًا ۔[1]

تفسیر آیات

دن میں آپ کی رفت و آمد کا سلسلہ ہوتا ہے اور زندگی کے امور میں مشغول رہنا پڑتا ہے لہٰذا دن کی ہنگامہ خیزیوں میں یکسوئی میسر نہیں آئے گی۔ اس سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ انسان کی زندگی کی دوڑ دھوپ کے لیے اللہ تعالیٰ نے دن کو مقرر فرمایا ہے سوائے اوقات نماز کے اور رات کو آرام اور عبادت کے لیے۔

وَ اذۡکُرِ اسۡمَ رَبِّکَ وَ تَبَتَّلۡ اِلَیۡہِ تَبۡتِیۡلًا ؕ﴿۸﴾ ۸۔ اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیجیے اور سب سے بے نیاز ہو کر صرف اسی کی طرف متوجہ ہو جائیے۔

تشریح کلمات

تَبَتَّلۡ: (ب ت ل) تَبَتَّلۡ کے معنی ہیں اخلاص نیت اور عبادت میں سب سے کٹ کر ایک خدا کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ حضرت مریم اور حضرت زہرا علیہا السلام کو بتول اسی لیے کہا جاتا ہے کہ یہ ہستیاں دنیا کی ہر آلائش سے کٹ کر اللہ کی بندگی کرتی تھیں۔

تفسیر آیات

۱۔ وَ اذۡکُرِ اسۡمَ رَبِّکَ: دن میں اگرچہ آپ کو عبادت کے لیے یکسوئی میسر نہیں آئے گی تاہم اسمائے حسنیٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا ممکن ہے۔ ذکر خدا کسی دیگر عمل کے ساتھ متصادم نہیں ہے۔ اس لیے فرمایا: وَ اذۡکُرۡ رَّبَّکَ کَثِیۡرًا ...[2] اور اپنے رب کو خوب یاد کرو۔ صرف ذکر کے لیے کَثِیۡرًا فرمایا ہے۔ چونکہ ذکر ہر عمل کے ساتھ ہو سکتا ہے۔

۲۔ وَ تَبَتَّلۡ اِلَیۡہِ تَبۡتِیۡلًا: سب سے کٹ کر یکسو ہو جاؤ۔ اس جگہ تَبَتَّلۡ سے مراد غیر اللہ کی عبادت اور غیر اللہ سے امیدیں وابستہ کرنے سے پرہیز ہے جب کہ حدیث میں جس تَبَتَّلۡ سے منع فرمایا ہے وہ

---

[1] ۷۹ نازعات: ۳ [2] ۳ آل عمران: ۴۱

ازدواجی زندگی اختیار نہ کرنے کے بارے میں ہے۔

دعائم الاسلام میں ہے:

عن رسول اللّٰہ اَنَّہٗ نَھٰی عَنِ التَّبَتُّلِ وَ نَھٰی النِّسَاءَ اَنْ یَتَبَتَّلْنَ وَ یَقْطَعْنَ اَنْفُسَھُنَّ مِنَ الْاَزْوَاجِ۔[1]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منقطع ہونے سے منع فرمایا ہے اور عورتوں کو بھی منقطع ہونے اور شوہروں سے منقطع ہونے سے منع فرمایا ہے۔

چنانچہ آئمہ اہل بیت علیہم السلام سے متعدد روایات میں تَبَتَّل کے معنی اللہ کی طرف تضرع کے ساتھ ہاتھ بلند کرنے کے بیان کیے ہیں۔ محمد بن مسلم، زرارہ اور حمران حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہما السلام سے اسی آیت کے ذیل میں روایت کرتے ہیں:

اَنَّ التَّبَتُّلَ ھُنَا رَفْعُ الْیَدَیْنِ فِی الصَّلَاۃِ۔[2]	اس جگہ تَبَتَّل سے مراد نماز میں رفع یدین ہیں۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ⑨	۹۔ وہ مشرق اور مغرب کا رب ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں لہٰذا اسی کو اپنا ضامن بنا لیجیے۔

تفسیر آیات

آپ مغرب و مشرق کے رب یعنی کل کائنات کے مالک کا ذکر کیا کریں چونکہ صرف وہی ذات لائق عبادت ہے۔ نتیجتاً بس اسی ذات کو اپنا وکیل بنائیں۔ اپنے سارے امور اس کے حوالہ کریں۔ وہی آپ کا وکیل ہو گا۔ آپ کے سارے کام وہی آسانی سے انجام دے گا چونکہ وہ کل کائنات کا مالک اور صاحب اختیار ہے۔

وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ⑩	۱۰۔ اور جو کچھ یہ لوگ کہ رہے ہیں اس پر صبر کیجیے اور شائستہ انداز میں ان سے دوری اختیار کیجیے۔

تفسیر آیات

۱۔ جب آپ نے کائنات کے مالک اور صاحب اختیار کو اپنا وکیل بنایا اور اپنے امور کا نتیجہ اسی کے حوالہ کر دیا تو آپ ان باتوں پر صبر کریں جو یہ لوگ آپ کے خلاف کرتے ہیں۔ آپ کو مجنون، ساحر، کاہن، داستان گو وغیرہ کہتے ہیں۔ اس طرح آپ کو ہر طرف سے توہین آمیز جملے سننے کو ملتے ہیں۔

---

[1] مستدرک الوسائل ۱۴: ۲۴۸ [2] وسائل الشیعۃ ۶: ۲۸۳

۲۔ وَاهۡجُرۡهُمۡ هَجۡرًا جَمِیۡلًا: جب آپ مشرکین سے اہانت آمیز جملے سنتے ہیں اور وہ بدتمیزی کرتے ہیں تو آپ کا ردعمل یہ ہو کہ ان بدتمیزیوں کو خوبصورت انداز میں نظرانداز کریں اور پروقار انداز میں ان سے دوری اختیار کریں یعنی جاہلیت سے دور رہیں۔ اخلاق کا جمالیاتی کردار ادا کریں جس کے ساتھ مقابلہ بالمثل نہ ہو یعنی انتقام جوئی نہ ہو، نہ ہی دعوت الی الحق سے دستبرداری ہو۔

اس آیت کا آیت قتال کے ساتھ کوئی تصادم نہیں کہ اس حکم کو آیت قتال سے منسوخ سمجھا جائے، نہ ہی هجر جمیل کا مطلب ان کا مکمل بائیکاٹ کر کے انہیں دعوت توحید دینا بند کر دینا ہے۔

وَذَرۡنِیۡ وَالۡمُکَذِّبِیۡنَ اُولِی النَّعۡمَۃِ وَمَهِّلۡهُمۡ قَلِیۡلًا ﴿۱۱﴾

۱۱۔ان جھٹلانے والوں اور نعمتوں پر ناز کرنے والوں کو مجھ پر چھوڑ دیجیے اور انہیں تھوڑی مہلت دے دیجیے۔

تفسیر آیات

۱۔ ان مکذبین کو مجھ پر چھوڑ دیجیے جو نعمتوں پر نازاں ہیں۔ قریش کے رئیس لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو اپنی دولت و بالا دستی کے بل بوتے پر رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور اہانت کر رہے ہیں۔ ان سے یہ نعمت چھن جائے گی۔ صرف چند دن کی بات ہے۔

۲۔ وَمَهِّلۡهُمۡ قَلِیۡلًا: ان تکذیبی عناصر کو تھوڑی دیر کے لیے مہلت دے دیں۔

اس میں رسول اللہ ﷺ کے لیے خوش خبری اور مشرکین کے انجام بد کی پیشگوئی ہے اور ساتھ یہ حکم مل رہا ہے کہ انہیں تھوڑی مہلت دیجیے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کو حکم مل رہا ہے کہ آپ مہلت دیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ اللہ مہلت دے گا۔ اس میں ایک تقویت اور تسلی ہے کہ آپ ﷺ غالب آنے والے ہیں۔ مہلت دینا آپ ﷺ کے ہاتھ میں ہے۔ رسول ﷺ کی طرف سے مہلت دینے کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ان پر عذاب نازل ہونے تک صبر کریں۔

اِنَّ لَدَیۡنَاۤ اَنۡکَالًا وَّ جَحِیۡمًا ﴿۱۲﴾

وَّ طَعَامًا ذَا غُصَّۃٍ وَّ عَذَابًا اَلِیۡمًا ﴿۱۳﴾

۱۲۔ یقیناً ہمارے پاس (ان کے لیے) بیڑیاں ہیں اور سلگتی آگ ہے۔

۱۳۔ اور حلق میں پھنسنے والا کھانا ہے اور دردناک عذاب ہے۔

تشریح کلمات

انکال: (ن ك ل) نکال کسی کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دینا۔

غصة: (غ ص ص) الغصۃ اس ہڈی کو کہتے ہیں جو حلق میں پھنس کر رہ جاتی ہے۔

تفسیر آیات

انہیں مہلت دینے کا انجام یہ ہو گا کہ وہ ہمارے پاس موجود بیڑیوں اور آتش جہنم سے دوچار ہو جائیں گے اور اس طعام سے واسطہ پڑے گا جو حلق میں پھنس جائے گا۔ نہ اگلا جائے گا، نہ ہی نگلا جائے گا۔

یَوۡمَ تَرۡجُفُ الۡاَرۡضُ وَ الۡجِبَالُ وَ کَانَتِ الۡجِبَالُ کَثِیۡبًا مَّہِیۡلًا ﴿۱۴﴾

۱۴۔ جس دن زمین اور پہاڑ کانپنے لگیں گے اور پہاڑ بہتی ریت کی مانند ہو جائیں گے۔

تشریح کلمات

کَثِیۡبًا: (ك ث ب) کثیب، ریت کا ٹیلہ۔

مَّہِیۡلًا: ڈھیلا پڑنا۔

تفسیر آیات

یہ انکال و جحیم اس دن ان کافروں کو دیکھنا پڑے گا جس دن زمین اور پہاڑ کانپنے لگیں گے اور پہاڑ ریت کی طرح بکھر جائیں گے یعنی قیامت کا دن آئے گا۔

۳۶۱

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ رَسُوۡلًا ۬ۙ شَاہِدًا عَلَیۡکُمۡ کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا ﴿ؕ۱۵﴾

۱۵۔ (اے لوگو) ہم نے تمہاری طرف ایک رسول تم پر گواہ بنا کر بھیجا ہے جس طرح ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا۔

فَعَصٰی فِرۡعَوۡنُ الرَّسُوۡلَ فَاَخَذۡنٰہُ اَخۡذًا وَّبِیۡلًا ﴿۱۶﴾

۱۶۔ پھر فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اسے سختی سے گرفت میں لے لیا۔

تشریح کلمات

وَّبِیۡلًا: (و ب ل) وبیل وہ طعام یا گھاس جس کے کھانے سے بدہضمی اور ضرر کا اندیشہ ہو۔

تفسیر آیات

اس آیت میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جس طرح موسیٰ فرعون پر غالب آئے تھے اس طرح ہمارا رسول مشرکین پر غالب آنے والا ہے۔ جہاں ہمارا رسول، فرعون جیسی بڑی طاقت پر غالب آیا ہے، تم پر غالب آنا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔

رَسُوۡلًا: ہمارے رسول جس طرح غالب آ کر دنیا میں تمہیں شکست دیں گے، آخرت میں تمہارے جرائم کے گواہ بن کر تمہیں رسوا کریں گے۔

فَکَیۡفَ تَتَّقُوۡنَ اِنۡ کَفَرۡتُمۡ یَوۡمًا یَّجۡعَلُ الۡوِلۡدَانَ شِیۡبَۨا ﴿۱۷﴾

۱۷۔ اگر تم نے انکار کیا تو اس دن سے کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا بنا دے گا؟

تفسیر آیات

جب فرعون جیسی بڑی طاقت اپنے آپ کو نہیں بچا سکی تو تم بے حیثیت لوگ اپنے آپ کو قیامت کے دن کے عذاب سے کیسے بچا سکو گے۔ وہ دن جو بچوں کو ایک دن میں بوڑھا بنا دے گا۔ یعنی قیامت کی ہولناکی کی یہ صورت ہوگی کہ ایک دن میں بچہ بوڑھا ہو جائے گا۔

السَّمَآءُ مُنۡفَطِرٌۢ بِہٖ ؕ کَانَ وَعۡدُہٗ مَفۡعُوۡلًا ﴿۱۸﴾

۱۸۔ اور (اس دن) آسمان اس سے پھٹ جائے گا، اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔

تفسیر آیات

اس دن کی شدت اور ہولناکی کا یہ عالم ہوگا کہ اس سے آسمان بھی پھٹ جائے گا اور یہ نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اس طرح اللہ نے جس دن کا وعدہ کیا ہے وہ آ کر رہے گا۔

اِنَّ ہٰذِہٖ تَذۡکِرَۃٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیۡلًا ﴿۱۹﴾ ع

۱۹۔ یہ ایک نصیحت ہے، پس جو چاہے اپنے رب کی طرف جانے کا راستہ اختیار کر لے۔

تفسیر آیات

۱۔ اِنَّ ہٰذِہٖ: یہ اشارہ گزشتہ ان آیات کی طرف ہے جن میں فرعون جیسے طاغوتوں کے انجام بد، قیامت کی آمد اور اس کی ہولناکیوں کا تذکرہ ہے۔ یہ باتیں نصیحت ہیں ان لوگوں کے لیے جو باتوں سے

نصیحت لینا چاہتے ہیں۔

۲۔ فَمَنۡ شَآءَ: راستہ دکھایا گیا ہے۔ اس کے بعد انتخاب و اختیار بندے کے پاس ہے کہ اگر وہ چاہے تو اللہ کی قربت اور خوشنودی کا راستہ اختیار کرنا ممکن ہے۔

اِنَّ رَبَّکَ یَعۡلَمُ اَنَّکَ تَقُوۡمُ اَدۡنٰی مِنۡ ثُلُثَیِ الَّیۡلِ وَ نِصۡفَہٗ وَ ثُلُثَہٗ وَ طَآئِفَۃٌ مِّنَ الَّذِیۡنَ مَعَکَ ؕ وَ اللّٰہُ یُقَدِّرُ الَّیۡلَ وَ النَّہَارَ ؕ عَلِمَ اَنۡ لَّنۡ تُحۡصُوۡہُ فَتَابَ عَلَیۡکُمۡ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنۡ سَیَکُوۡنُ مِنۡکُمۡ مَّرۡضٰی ۙ وَ اٰخَرُوۡنَ یَضۡرِبُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ یَبۡتَغُوۡنَ مِنۡ فَضۡلِ اللّٰہِ ۙ وَ اٰخَرُوۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ۫ۖ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَیَسَّرَ مِنۡہُ ۙ وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ اَقۡرِضُوا اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا ؕ وَ مَا تُقَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِکُمۡ مِّنۡ خَیۡرٍ تَجِدُوۡہُ عِنۡدَ اللّٰہِ ہُوَ خَیۡرًا وَّ اَعۡظَمَ اَجۡرًا ؕ وَ اسۡتَغۡفِرُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۲۰﴾ ع ۲/۱۴

۲۰۔ آپ کا پروردگار جانتا ہے کہ آپ دو تہائی رات کے قریب یا آدھی رات یا ایک تہائی رات (تہجد کے لیے) کھڑے رہتے ہیں اور آپ کے ساتھ ایک جماعت بھی (کھڑی رہتی ہے) اور اللہ رات اور دن کا اندازہ رکھتا ہے، اسے علم ہے کہ تم احاطہ نہیں کر سکتے ہو پس اللہ نے تم پر مہربانی کی لہٰذا تم جتنا آسانی سے قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو، اسے علم ہے کہ عنقریب تم میں سے کچھ لوگ مریض ہوں گے اور کچھ لوگ زمین میں اللہ کے فضل (روزی) کی تلاش میں سفر کرتے ہیں اور کچھ راہ خدا میں لڑتے ہیں، لہٰذا آسانی سے جتنا قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ کو قرض حسنہ دو اور جو نیکی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں بہتر اور ثواب میں عظیم تر پاؤ گے اور اللہ سے مغفرت طلب کرو، اللہ یقیناً بڑا بخشنے والا، رحیم ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ رَبَّکَ یَعۡلَمُ: شروع میں آدھی رات یا اس سے کمتر یا بیشتر تہجد کا حکم تھا۔ اس آیت میں اصل

حکم منسوخ کیے بغیر تہجد کے بارے میں تخفیف کر دی گئی۔ تخفیف کا حکم ممکن ہے مدینہ میں نازل ہوا ہو کیونکہ اس آیت میں زکوۃ اور قتال کا ذکر ہے اور ابتدائے دعوت مکہ میں نہ زکوۃ کا حکم نازل ہوا تھا، نہ قتال کا۔ لہٰذا زیادہ امکان یہ ہے کہ اس سورہ کا آخری حصہ مدینہ میں نازل ہوا ہے۔ ھکذا قیل۔

لیکن رسول اللہ ﷺ پر تہجد فرض ہونے کا جو حکم اس سورہ کی ابتدا میں بیان ہوا ہے، ان آیات میں اس سے مختلف کوئی حکم تخفیفی یا تنسیخی نہیں ہے۔ ابتدا میں فرمایا: قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا ۔ **رات کو اٹھا کیجیے مگر کم۔** کم سے مراد نِصۡفَہٗۤ ہے۔ اس آیت میں نِصۡفَہٗۤ آدھی رات کا ذکر ہے اَوِ انۡقُصۡ مِنۡہُ یا نصف سے کم۔ اس آیت میں نصف سے کم کا ذکر ہے۔ وَ ثُلُثَہٗ ایک تہائی رات اور اَوۡ زِدۡ عَلَیۡہِ یا نصف سے زیادہ۔ اس آیت میں نصف سے زیادہ کا ذکر ہے اَدۡنٰی مِنۡ ثُلُثَیِ الَّیۡلِ رات کے دو تہائی کے نزدیک۔

یعنی ابتدائے سورہ میں جس طرح رسول اللہ ﷺ کو تین صورتوں میں سے ایک صورت اختیار کرنے کا حکم دیا تھا اس آیت میں اس کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے عمل کا ذکر ہے۔

۲۔ وَ طَآئِفَۃٌ مِّنَ الَّذِیۡنَ مَعَکَ: اور آپ کے ساتھ ایک جماعت بھی رات کو تہجد کے لیے کھڑی رہتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی معیت کا شرف جن لوگوں کو حاصل ہے ان میں سے ایک گروہ رات کو تہجد کے لیے اٹھتا ہے۔

علامہ حسکانی نے اپنی تفسیر شواھد التنزیل ۲: ۳۸۷ میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ اس گروہ سے مراد علی علیہ السلام اور ابوذر رضی اللہ عنہ ہیں۔

شواھد التنزیل کے اسی صفحہ پر حضرت ابن عباس سے یہ روایت بھی مذکور ہے۔

فاول من صلی مع رسو اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم علی بن ابی طالب و اول من قام اللیل معہ علی۔۔۔۔

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سب سے پہلے جس نے نماز پڑھی وہ علی بن ابی طالب (علیہ السلام) ہیں اور سب سے پہلے آپ کے ساتھ رات کو نماز تہجد کے لیے کھڑے رہے وہ علی (علیہ السلام) ہیں۔

۳۔ وَ اللّٰہُ یُقَدِّرُ الَّیۡلَ وَ النَّہَارَ: اللہ ہی رات اور دن کا اندازہ رکھتا ہے۔ اسی لیے اللہ کو علم ہے رات کا جو حصہ حالت نماز میں تم گزارتے وہ کتنا ہے۔ نصف ہے، دو تہائی کے قریب ہے یا ایک تہائی ہے۔ جو بھی ہے اللہ کو قبول ہے۔

۴۔ عَلِمَ اَنۡ لَّنۡ تُحۡصُوۡہُ: اللہ کو علم ہے کہ تم اسے شمار نہیں کر سکتے ہو۔ ’’اسے‘‘ سے مراد ہے کہ رات کے قیام کو شمار نہیں کر سکتے یا مقدار کو شمار نہیں کر سکتے ہو۔ کبھی رات چھوٹی، کبھی بڑی ہوتی ہے اور انسان کے حالات بھی مختلف ہوتے ہیں۔ کبھی وقت پر سونے کا موقع ملتا ہے، کبھی دیر سے۔ کبھی طبیعت سازگار ہے، کبھی سازگار نہیں ہے۔

۵۔ فَتَابَ عَلَیۡکُمۡ: پس اللہ نے تم پر مہربانی کی۔ اس جگہ تاب کا مطلب مہربانی ہے جیسے:

لَقَدْ تَّابَ اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ وَالْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ فِیْ سَاعَۃِ الْعُسْرَۃِ ۔۔۔[1] تحقیق اللہ نے نبی پر اور ان مہاجرین و انصار پر مہربانی فرمائی جنہوں نے مشکل گھڑی میں نبی کا ساتھ دیا تھا۔

میں لفظ تَّابَ مہربانی کے معنوں میں ہے چونکہ ان دونوں مقامات میں اللہ کی خوشنودی کے مطابق اعمال کا ذکر ہے۔ پھر لفظ تَّابَ آیا ہے۔

۶۔ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ: لہٰذا تم جتنا آسانی سے قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو۔ قرائۃ القرآن سے مراد نماز ہے۔ کیا نماز کو قرآن کہا ہے؟ جیسے فرمایا:

وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْھُوْدًا ۝[2] اور فجر کی نماز بھی کیونکہ فجر کی نماز (ملائکہ کے) حضور کا وقت ہے۔

اس آیت میں صبح کی نماز کو قرآن کہا ہے یا نماز تہجد میں قرآن پڑھنا مستحب ہے اس میں آسانی دی گئی ہے یا تہجد میں قرآن کی مقدار میں آسانی دی گئی ہے یا نماز کے علاوہ قرآن پڑھنے کے لیے فرمایا ہے۔ چند ایک نظریات ہیں۔

ہمارے نزدیک نماز میں قرآن پڑھنے کے لیے فرمایا ہے کہ نماز شب میں رات کی مقدار کا تعین تم نہیں کر سکتے ہو لہٰذا تم نماز تہجد میں جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہو، پڑھ لیا کرو۔ چنانچہ بہت سے نوافل کے بارے میں احادیث میں فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ کا فرمان ملتا ہے۔

۷۔ عَلِمَ اَنْ سَیَکُوْنُ مِنْکُمْ مَّرْضٰی: نماز شب میں عام مومنین کے لیے تخفیف کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: اللہ کے علم میں ہے کہ تم کو کبھی بیماری لاحق ہوتی ہے، کبھی کسب و کار کے لیے سفر پر نکلنا پڑتا ہے اور کبھی راہ خدا میں جہاد کے لیے نکلنا ہوتا ہے ان حالات میں رات کا نصف، دو تہائی اور ایک تہائی نماز کے لیے کھڑا رہنا یا تو ممکن نہیں ہوتا یا دشوار ہو جاتا ہے لہٰذا جتنا ہو سکے قرآن کی تلاوت پر مشتمل نماز سے، نفل ادا ہو جاتے ہیں چونکہ قرآن کی تلاوت کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ چنانچہ سورہ فاتحہ قرآن ہے اور سورہ ہائے قرآن جو نماز میں پڑھی جاتی ہیں قرآن ہیں۔

۸۔ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ: یہاں نماز سے مراد یومیہ نماز ہو سکتی ہے۔ اگر آیت مکی ہے تو مکی دور کی نماز مراد ہو سکتی ہے۔ اگر مدنی ہے تو پانچ وقت کی نماز ہو سکتی ہے۔ اسی طرح زکوۃ بھی۔ اگر آیت مکی ہے تو زکوۃ سے مراد مطلق خرچ کرنا ہے اور مدنی ہے تو زکوۃ واجبہ مراد ہے۔

۹۔ وَاَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا: اور اللہ کو قرض حسنہ دو۔ اس فقرے کی تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ بقرہ آیت ۲۴۵۔

۱۰۔ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْہُ عِنْدَ اللّٰہِ: جو نیکی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے

---

[1] ۹ توبۃ: ۱۱۷ [2] ۱۷ بنی اسرائیل: ۷۸

اسے اللہ کے ہاں بہتر اور ثواب میں عظیم تر پاؤ گے۔

یعنی تم اپنی زندگی میں جو عمل خیر اپنی آخرت کی زندگی کے لیے پیشگی بھیجو گے وہ ضائع ہونے والا نہیں ہے۔ تم اپنا عمل موجود پاؤ گے۔ خود عمل موجود پاؤ گے، اس کا ثواب تو تمہارے عمل کا تقاضا ہے۔ اس آیت کے ظہور سے یہی مطلب سامنے آتا ہے کہ انسان کا عمل مٹنے والا نہیں ہے۔ اگر اچھا عمل ہے تو وہ انسان کا ساتھ نہیں چھوڑتا اور برا عمل ہے تو وہ انسان کی جان نہیں چھوڑتا مگر یہ کہ حبط یا مغفرت ہو جائے۔

۱۱۔ وَاسۡتَغۡفِرُوا اللّٰہَ: مذکورہ اعمال خیر بجا لانے پر اترانا نہیں چاہیے کہ میں نے اچھے اعمال بجا لائے ہیں۔ یہ بندگی کے منافی ہے۔ بندگی یہ ہے کہ اللہ کی بقدر استطاعت اطاعت کرنے کے بعد اپنی کوتاہی کا اعتراف کرے اور مغفرت طلب کرے۔

سُوْرَةُ الْمُدَّثِّر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اس سورۃ مبارکہ کا نام ابتدائی آیت میں مذکور یَاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ سے ماخوذ ہے۔

یہ سورۃ مکی ہے۔ آیات کی تعداد کوفی قرائت کے مطابق ۵۶ ہے۔

ابتدائے سورۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے چند ایک ہدایات کا ذکر ہے۔ ان میں ایک شخص کی طرف اشارے ہیں جس نے کہا تھا قرآن جادو ہے۔ روایات کے مطابق وہ شخص ولید بن مغیرہ تھا جو سن رسیدہ تجربہ کار شخص تھا۔ اس نے قرآن سننے کے بعد پریشانی کی حالت میں آ کر کہا: اس کلام کو سحر ہی کہا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں یہ سورۃ نازل ہوئی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	بنام خدائے رحمن رحیم
یٰۤاَیُّہَا الۡمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾	۱۔ اے چادر اوڑھنے والے،
قُمۡ فَاَنۡذِرۡ ۪ۙ﴿۲﴾	۲۔ اٹھیے اور تنبیہ کیجیے،
وَ رَبَّکَ فَکَبِّرۡ ۪ۙ﴿۳﴾	۳۔ اور اپنے رب کی کبریائی کا اعلان کیجیے
وَ ثِیَابَکَ فَطَہِّرۡ ۪ۙ﴿۴﴾	۴۔ اور اپنے لباس کو پاک رکھیے
وَ الرُّجۡزَ فَاہۡجُرۡ ۪ۙ﴿۵﴾	۵۔ اور ناپاکی سے دور رہیے

تفسیر آیات

۱۔ یٰۤاَیُّہَا الۡمُدَّثِّرُ: اے چادر اوڑھنے والے۔ چادر سے مراد کیا واقعی چادر ہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی اضطراب اور پریشانی کی وجہ سے چادر اوڑھ کر بستر پر سونا چاہتے تھے؟ یا کسی اور مطلب کی طرف اشارہ ہے؟

بعض روایات کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرشتۂ وحی کو دیکھ کر مضطرب ہوئے اور گھر آ کر فرمایا:

دثرونی، دثرونی۔ مجھے اوڑھاؤ، مجھے اوڑھاؤ۔

دوسری روایت میں آیا ہے۔قریش کے بڑوں نے مل کر اس بات پر اتفاق کیا کہ موسم حج میں دیگر علاقوں سے لوگ یہاں آئیں تو ہم سب یہ کہیں کہ محمد ساحر ہے۔ یہ واقعہ سن کر آپ ﷺ فکرمند ہوئے اور ایک چادر اوڑھ کر لیٹ گئے۔ اس حالت میں وحی نازل ہوئی: اے چادر اوڑھنے والے۔

بعض حضرات معنی ظاہر چھوڑ کر اس بات کی طرف اشارہ تصور کرتے ہیں: اے نبوت و رسالت کے لباس میں ملبوس۔ بعض کہتے ہیں اشارہ ہے اس بات کی طرف: اے عزت اور خاموشی کے چادر اوڑھنے والے! اٹھ! اب قیام کا وقت آ گیا ہے۔

لیکن معنی ظاہر چھوڑ کر ان معانی کی طرف بلا ضرورت جانا درست نہ ہو گا۔

۲۔ قُمۡ : اٹھ! بارِ رسالت لے کر قیام کر۔ چادر اوڑھ کر آرام کرنے کا دور ختم ہو گیا۔ اب قیام کا دور آیا ہے۔ شرک و کفر کے خلاف، ظلم و جہالت کے خلاف، تاریکی اور بربریت کے خلاف اٹھ۔ اب انسانیت کو تمدن اور تہذیب دینے کا دور آیا ہے۔

انسان کو انسانیت کا مفہوم سمجھانے کا دور آیا ہے۔ انسانوں کی گردنوں سے غلامی کا طوق اتارنے کا دور آیا ہے۔ ان باتوں کو انجام دینے کے لیے ٹھوس قدم اٹھانے کی ضرورت ہو گی۔

۳۔ فَاَنۡذِرۡ : وہ پہلا اور بنیادی قدم اِنذار یعنی تنبیہ ہے۔ اگرچہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بشارت دہندہ اور تنبیہ کنندہ کے طور پر مبعوث فرمایا ہے:

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاہِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیۡرًا ۝ [۱]　ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، بشارت دینے والا اور تنبیہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

لیکن تنبیہ کا مرحلہ پہلے آتا ہے اور بشارت کا مرحلہ بعد میں آتا ہے۔ کفر و شرک کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے لوگوں کو نجات کے ساحل پر لانے کے طویل اور دشوار ترین مراحل طے کرنا پڑتے ہیں اس کے بعد ان میں سے صرف چند لوگ نجات کے ساحل پر آتے اور بشارت کے قابل بنتے ہیں۔ اس لیے نذارت کا دائرہ بہت وسیع ہے اور بشارت کا دائرہ محدود ہے۔ قرآن مجید میں اسی تناسب سے نذارت کا ذکر وسیع پیمانے پر ہے اور بشارت کا ذکر محدود ہے:

وَ اِنۡ مِّنۡ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیۡہَا نَذِیۡرٌ ۝ [۲]　اور کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں کوئی متنبہ کرنے والا نہ آیا ہو۔

۴۔ وَ رَبَّکَ فَکَبِّرۡ : اور اپنے رب کی کبریائی کا اعلان کریں۔ اللہ کی کبریائی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی کبریائی کا کسی چیز سے موازنہ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اللّٰہ اکبر کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اللہ سب سے

---

۱ ۴۸ فتح: ۸　　۲ ۳۵ فاطر: ۲۴

بڑا ہے یعنی سب چیزوں سے بڑا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کا موازنہ چیزوں کے ساتھ کیا گیا ہے جو درست نہیں ہے۔
ہمارے ائمہ علیہم السلام نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ اللّٰہ اکبر کا کیا مطلب ہے؟ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے راوی سے فرمایا:

اَیُّ شَیْءٍ اللّٰہُ اَکْبَرُ؟ فَقُلْتُ اللّٰہُ اَکْبَرُ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ۔ فَقَالَ: وَ کَانَ ثَمَّ شَیْءٌ فَیَکُونُ اَکْبَرَ مِنْہُ؟ فَقُلْتُ: وَ مَا ھُوَ؟ قَالَ: اللّٰہُ اَکْبَرُ مِنْ اَنْ یُوصَفَ۔[1]

کس چیز سے اللہ بڑا ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ سب چیزوں سے بڑا ہے۔ فرمایا: کیا یہاں کوئی ایسی چیز ہے جس سے اللہ بڑا ہو۔ میں نے عرض کیا۔ پھر کیا ہے؟ فرمایا: اللہ وصف و بیان سے بڑا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ ان تمام وصف و بیان سے بھی بڑا ہے جو ہم بیان کرتے ہیں اور کر سکتے ہیں۔ یہ ہے اسلام کا تصور توحید جس کی تعلیم ہمارے ائمہ علیہم السلام نے ہمیں دی ہے۔ چونکہ ہم جن الفاظ میں اللہ کا وصف بیان کرتے ہیں ان کا مفہوم محدود ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اوصاف محدود نہیں ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا کماحقہ وصف و بیان نہیں ہو سکتا۔

۵۔ وَثِیَابَکَ فَطَہِّرۡ: اور اپنے لباس کو پاک رکھیے۔ کیا یہ حکم، نماز کے لیے لباس کا پاک ہونا شرط ہے کی طرف اشارہ ہے یا لباس سے مراد نفس کی طہارت ہے؟ چنانچہ کہا جاتا ہے: فلاں کا دامن صاف ہے۔ نفس کی طہارت ضروری ہے جب تبلیغ ارشاد کے لیے ایک ناپاک ماحول میں ناپاک لوگوں سے واسطہ پڑتا ہو۔ لباس کی طہارت شرط ہے کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے اور ساتھ یہ بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ لباس کو ظاہری طور پر بھی صاف ستھرا رکھو۔ میل کچیل سے دوری اختیار کرو۔ کیونکہ انسان طبیعتاً صاف ستھرا لباس پسند کرتا ہے اور لباس میں شائستگی سے شخصیت کے وقار پر مثبت اثر پڑتا ہے۔
نفس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پاکیزگی کے اس درجے پر فائز ہے جس سے زیادہ پاک رکھنے کی بات نہیں ہو سکتی۔

۶۔ وَالرُّجۡزَ فَاہۡجُرۡ: رجز بکسر راء اضطراب اور بضم رانجاست یا بت کو کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے یہ حکم کہ نجاست یا بت سے دوری اختیار کریں، اس لحاظ سے ہو سکتا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے امت کو سمجھایا جائے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا:

وَ اِذۡ بَوَّاۡنَا لِاِبۡرٰہِیۡمَ مَکَانَ الۡبَیۡتِ اَنۡ لَّا تُشۡرِکۡ بِیۡ شَیۡئًا ...۔[2]

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے ابراہیم کے لیے خانہ کعبہ کو مستقر بنایا (اور آگاہ کیا) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ۔

ایک قول کے مطابق الرُّجۡزَ دنیا ہے یعنی دنیا سے دوری اختیار کریں۔ دنیا سب سے زیادہ پلید ہے۔ حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

---

[1] الکافی ۱: ۱۱۸ [2] ۲۲ حج: ۲۶

وَ اللّٰہِ الدُّنْیَا کُمْ ھٰذِہٖ اَھْوَنُ فِی عَیْنِی مِنْ عِرَاقِ خِنْزِیرٍ فِی یَدِ مَجْذُومٍ۔[1] خدا کی قسم تمہاری یہ دنیا میری نظروں میں سور کی ان انتڑیوں سے بھی زیادہ ذلیل ہے جو کسی کوڑھی کے ہاتھ میں ہوں۔

وَلَا تَمۡنُنۡ تَسۡتَکۡثِرُ ۪ۙ﴿۶﴾ ۶۔ اور احسان نہ جتلائیں کہ (اپنے عمل کو) بہت سمجھنے لگ جائیں،

وَ لِرَبِّکَ فَاصۡبِرۡ ؕ﴿۷﴾ ۷۔ اور اپنے رب کی خاطر صبر کیجیے،

تفسیر آیات

۱۔ وَلَا تَمۡنُنۡ تَسۡتَکۡثِرُ: اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ احکام الٰہی پر عمل کر کے احسان نہ جتلاؤ کہ اگر ان پر عمل کر کے اللہ پر احسان جتلایا گیا تو اس کا مطلب یہ ہو گا تَسۡتَکۡثِرُ اپنے اعمال کو بہت زیادہ سمجھنے لگ جاؤ گے اور یہ آداب بندگی کے خلاف ہے۔ اپنے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے خطاب کر کے بندوں کو بندگی کے آداب سکھلائے جا رہے ہیں۔ آداب بندگی یہ ہیں کہ اپنے تواں سے زیادہ عبادت کرنے کے بعد اس عبادت کو خالق کی عظمت و نعمت کے مقابلے میں حقیر سمجھا جائے اور عبادت کا حق ادا نہ ہونے پر استغفار کی جائے۔

اپنے عمل کو زیادہ سمجھنا خود پسندی ہے جو بندگی کے بالکل منافی ہے۔ شیعہ مصادر میں حدیث ہے:

اَلْمَنُّ یَھْدِمُ الصَّنِیعَۃَ۔[2] احسان جتلانے سے نیکی برباد ہو جاتی ہے۔

دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے: لَا تَمۡنُنۡ کا مطلب عطا ہے کہ کسی کو کچھ دے کر احسان نہ جتلاؤ۔ جیسے لَا تُبۡطِلُوۡا صَدَقٰتِکُمۡ بِالۡمَنِّ وَ الۡاَذٰی ۔[3] میں بیان ہوا ہے لیکن پہلی تفسیر سیاق کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے۔

۲۔ وَ لِرَبِّکَ فَاصۡبِرۡ: جب رب کی خاطر صبر کیا جائے تو صبر آسان ہو جائے گا۔ آنے والے حالات نہایت سنگین ہیں اور توحید کی اس تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے مشکلات کے انبوہ سے ٹکر لینا ہو گی۔ نہایت بے سر و سامانی میں قریش سمیت عرب قبائل کے ساتھ نبرد آزما ہونا ہو گا۔ ان حالات میں آپؐ کا بہترین اسلحہ صبر ہے اور صبر کا سرچشمہ لِرَبِّکَ ہے۔

فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوۡرِ ۙ﴿۸﴾ ۸۔ اور جب صور میں پھونک ماری جائے گی،

فَذٰلِکَ یَوۡمَئِذٍ یَّوۡمٌ عَسِیۡرٌ ۙ﴿۹﴾ ۹۔ تو وہ دن ایک مشکل دن ہو گا۔

---

[1] نہج البلاغۃ کلمات قصار: ۲۳۶ [2] الکافی ۴: ۲۲ باب المن [3] بقرۃ: ۲۶۴

عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ⑩ ۱۰۔ وہ کفار پر آسان نہ ہوگا۔

تشریح کلمات

نُقِرَ: (ن ق ر) النقر کسی چیز کو کھٹکھٹانا حتیٰ کہ اس میں سوراخ ہو جائے۔ النَّاقُوْرِ کے معنی صور کے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ: جب قیامت کے دن صور میں پھونک ماری جائے گی اور سب کو میدان حساب میں حاضر کیا جائے گا، وہ دن کوئی آسانی سے گزر جانے والا نہ ہوگا بلکہ یوم عسیر ہوگا چونکہ حساب دینے، اپنے اعمال کا نتیجہ دیکھنے کا دن سب کے لیے مشکل ہوگا۔ اس دن سے اللہ کے خاص بندے بھی خوف سے کانپتے ہیں۔

۲۔ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ: لیکن کافروں کے لیے آسان نہ ہوگا۔ پہلی آیت میں فرمایا: قیامت کا دن مشکل دن ہوگا لیکن یہ مشکل دن مومنوں کے لیے آسان ہو سکتا ہے۔ کافروں کے لیے کسی قسم کی آسانی کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ⑪ ۱۱۔ مجھے اور اس شخص کو (نمٹنے کے لیے) چھوڑ دو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا،

وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ⑫ ۱۲۔ اور میں نے اس کے لیے بہت سا مال دیا،

وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ⑬ ۱۳۔ اور حاضر رہنے والے بیٹے بھی،

وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ⑭ ۱۴۔ اور میں نے اس کے لیے (آسائش کی) راہ ہموار کر دی،

ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ⑮ ۱۵۔ پھر وہ طمع کرنے لگتا ہے کہ میں اور زیادہ دوں۔

تفسیر آیات

یہاں سے آگے آیات ۳۰ تک ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئیں:

جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی رسالت کا بھرپور انداز میں آغاز کیا اور قرآن مسلسل سنانا شروع فرمایا تو قریش میں بے چینی بڑھ گئی اور مخالفتیں بھی تیز تر ہو گئیں۔ جب حج

کا زمانہ آ گیا تو انہیں یہ پریشانی لاحق ہوگئی کہ محمدؐ حج کے مواقع سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اس لیے قریش کے سرداروں نے ایک اجتماع میں طے کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف ایک تحریک شروع کی جائے۔ ولید بن مغیرہ نے حاضرین سے کہا کہ ہمیں ایک بات پر اتفاق کرنا چاہیے ورنہ مختلف باتوں سے ہمارا اعتبار چلا جائے گا۔ کچھ لوگوں نے کہا ہم سب اتفاق کر کے انہیں کاہن کہیں گے۔ ولید نے کہا یہ کاہن نہیں ہیں، نہ ان کی باتیں کاہنوں سے ملتی ہیں۔ کچھ اور لوگوں نے کہا ہم انہیں مجنون کہیں گے۔ ولید نے کہا وہ مجنوں بھی نہیں ہیں۔ کچھ اور لوگوں نے کہا ہم انہیں شاعر کہیں گے۔ ولید نے کہا ہم شعر کو اچھی طرح جانتے ہیں، محمد کا کلام شعر بھی نہیں ہے۔ لہٰذا یہ بات بھی محمد پر چسپاں نہ ہوگی۔ کچھ نے کہا انہیں ساحر کہا جائے۔ ولید نے کہا یہ ساحر بھی نہیں ہیں۔ ساحروں کی کوئی بات ان میں نہیں ہے۔ اس شخص کے کلام میں بڑی شیرینی ہے اور اثر گہرا ہے۔ اس پر ابوجہل برہم ہوا اور کہا تمہاری قوم اس وقت تک تم سے راضی نہ ہوگی جب تک تم کوئی بات محمد پر چسپاں نہ کرو۔ اس پر ولید نے کہا مجھے سوچنے دو۔ اس نے دیر تک سوچ کر کہا قریب ترین بات یہ ہے کہ تم اسے ساحر کہو۔ اس پر سب نے اتفاق کیا اور حج کے موقع پر قریش کے لوگوں نے باہر سے آنے والوں میں یہ بات کہنا شروع کی کہ یہاں ایک جادوگر شخص کھڑا ہوا ہے جو خاندانوں میں تفریق ڈالتا ہے۔ اسی طرح خود کفار قریش نے رسول ﷺ کا نام سب لوگوں میں مشہور کر دیا۔

۱۔ ذَرۡنِیۡ: خطاب رسول ﷺ سے ہے کہ آپ مجھے اس شخص سے نبٹنے دیں جس نے قریش کو مشورہ دیا ہے کہ آپ کو ساحر کہا جائے۔ اسے مجھ پر چھوڑ دیں۔ اس کا معاملہ میرے ساتھ ہے اور میں ہی اسے قرار واقعی سزا دوں گا۔

۲۔ وَ مَنۡ خَلَقۡتُ وَحِیۡدًا: اس فقرے کی دو تشریحات ہیں۔ ایک کہ جسے میں نے پیدا کیا ہے یہ اس وقت تنہا تھا۔ اس کے پاس مال و اولاد میں سے کچھ نہ تھا۔ اب ان سب کو اس سے سلب کرنا میرے اختیار میں ہے۔ دوسری تشریح یہ ہے کہ اس شخص کا معاملہ مجھ پر چھوڑ جسے میں نے اکیلا خلق کیا ہے۔ اسے خلق کرنے میں میرے ساتھ کوئی شریک نہ تھا۔

۳۔ وَّ جَعَلۡتُ لَہٗ مَالًا مَّمۡدُوۡدًا: اور اس شخص یعنی ولید بن مغیرہ کو میں نے وسیع دولت دے رکھی ہے۔ کہتے ہیں یہ بڑا مالدار تھا۔ اس کے بہت سے اونٹ اور طائف میں باغات تھے۔ کہتے ہیں اس آیت کے نزول کے بعد اس کا مال تلف ہونا شروع ہوگیا اور وہ مر گیا۔

۴۔ وَّ بَنِیۡنَ شُہُوۡدًا: اور اسے حاضر رہنے والے بیٹے بھی دیے۔ کہتے ہیں ولید کے بارہ بیٹے تھے۔

ان میں سب سے زیادہ مشہور خالد بن ولید ہے۔ ان بیٹوں کے لیے شھود (حاضر) کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ وہ خدمت کے لیے یا محافل میں باپ کے ساتھ حاضر رہنے والے بیٹے ہیں جو اس شخص کے لیے باعث رونق تھے۔

۵۔ وَّمَهَّدۡتُّ لَهٗ تَمۡهِيۡدًا: اور میں نے اس کے لیے راہ ہموار کی۔ یعنی آسائش، جاہ و ریاست اور سرداری کی راہ ہموار کی لیکن وہ اس پر بھی راضی نہیں ہے اور مزید سرداری اور دولت کی طمع رکھتا ہے۔ اس طمع میں وہ اللہ کے رسول کی مخالفت میں پیش پیش ہے۔

كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيۡدًا ۝۱۶ ۱۶۔ ہرگز نہیں! وہ یقیناً ہماری آیات سے عناد رکھنے والا ہے۔

تفسیر آیات

ہرگز نہیں۔ یعنی اس کے مال و دولت میں اضافہ ہرگز نہ ہوگا۔ کہتے ہیں اس آیت کے نزول کے بعد اس کا مال تلف ہونا شروع ہو گیا۔ آخر میں یہ ولید ہلاک ہو گیا۔ مال و جاہ و سرداری میں اضافہ اس لیے نہ ہوگا چونکہ اسے ہماری آیات کے ساتھ عناد اور دشمنی ہے۔ یہ دشمنی ان آیات کی حقانیت کے ادراک کے بعد بھی اس نے جاری رکھی۔

سَاُرۡهِقُهٗ صَعُوۡدًا ۝۱۷ ۱۷۔ میں اسے کٹھن چڑھائی چڑھنے پر مجبور کروں گا۔

تفسیر آیات

۱۔ سَاُرۡهِقُهٗ صَعُوۡدًا: میں اسے کٹھن چڑھائی چڑھنے پر مجبور کروں گا۔ روایات میں آیا ہے: جہنم میں ایک پہاڑ ہے جس پر کافروں کو چڑھنے کا حکم دیا جائے گا۔ وہ چڑھیں گے، پھر گر جائیں گے، پھر چڑھیں اور گر جائیں گے۔

اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۝۱۸ ۱۸۔ اس نے یقیناً کچھ سوچا اسے (کچھ) سوجھا۔

فَقُتِلَ كَيۡفَ قَدَّرَ ۝۱۹ ۱۹۔ پس اس پر اللہ کی مار، اسے کیا سوجھی؟

ثُمَّ قُتِلَ كَيۡفَ قَدَّرَ ۝۲۰ ۲۰۔ پھر اس پر اللہ کی مار ہو، اسے کیا سوجھی؟

ثُمَّ نَظَرَ ۝۲۱ ۲۱۔ پھر اس نے نظر دوڑائی،

ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿۲۲﴾　۲۲۔ پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑ لیا،

ثُمَّ اَدۡبَرَ وَاسۡتَکۡبَرَ ﴿۲۳﴾　۲۳۔ پھر پلٹا اور تکبر کیا،

فَقَالَ اِنۡ ہٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ یُّؤۡثَرُ ﴿۲۴﴾　۲۴۔ پھر کہنے لگا: یہ جادو کے سوا کچھ نہیں ہے جو منقول ہو کر آیا۔

اِنۡ ہٰذَاۤ اِلَّا قَوۡلُ الۡبَشَرِ ﴿۲۵﴾　۲۵۔ یہ تو صرف بشر کا کلام ہے۔

تشریح کلمات

بَسَرَ :　(ب س ر) البسر کے معنی منہ بگاڑنے کے ہیں۔

عَبَسَ:　(ع ب س) العبوس کے معنی سینہ کی تنگی سے چہرے پر شکن پڑنے کے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ اِنَّہٗ فَکَّرَ : اس نے یعنی ولید بن مغیرہ نے سوچا کہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف مہم میں کیا نعرہ استعمال کیا جائے۔ کاہن کہا جائے یا مجنون، شاعر کہا جائے یا ساحر؟

۲۔ وَقَدَّرَ : اسے کچھ سوجھا، کچھ اندازہ کیا کہ ساحر کہا جائے تو چسپاں ہونے کا امکان ہے۔ اس طرح اس نے کوئی بات بنانے کی کوشش کی۔ قَدَّرَ بات کو ناپ تول کر کے دیکھ لینا کہ موثر ثابت ہو گی یا نہیں؟

۳۔ فَقُتِلَ کَیۡفَ قَدَّرَ : پھر اس پر اللہ کی مار، اس نے کس طرح بات بنانے کی کوشش کی۔ فَقُتِلَ بددعا ہے کہ یہ شخص حیات کے اہل نہیں ہے۔ پھر تعجب کا اظہار ہے کَیۡفَ قَدَّرَ۔ اس نے کس طرح بات کو ناپ تول کر دیکھا اور کوئی صورت نکالنے کی کوشش کی جو واقع سے کوسوں دور ہے۔ اگرچہ اس کی یہ کوشش ناکام رہے گی تاہم اس نے جو بات بنائی ہے اس کا کلام الٰہی سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ ۳۷۶

۴۔ ثُمَّ قُتِلَ کَیۡفَ قَدَّرَ : اس میں اس بددعا کی تاکید ہے اور جو بات اسے سوجھی ہے اس پر تعجب ہے کہ کلام الٰہی کا جادو سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔

۵۔ ثُمَّ نَظَرَ : پھر اس نے لوگوں کے چہروں کی طرف نگاہ کی کہ جو بات اس نے بنائی ہے اس کے بارے میں اس کی قوم راضی ہے؟ چونکہ جو بات اس نے بنائی ہے وہ اس کے اپنے عقیدے کے مطابق نہ تھی۔ اسے یقین تھا کہ رسول اللہ ﷺ ساحر نہیں ہیں بلکہ اس نے اپنی قوم کو مطمئن کرنے لیے یہ بات بنائی تھی۔ چنانچہ اس نے کہا:

لقد سمعت من محمد آنفا کلاماً ما　میں نے ابھی محمد سے ایک کلام سنا ہے جو نہ انسان

ھو من کلام الانس ولا من کلام الجن　کا کلام ہے، نہ جن کا۔ اس کلام میں بڑی حلاوت

ان له لحلاوة وان عليه لطلاوة وان اعلاه لمثمر وان اسفله لمغدق۔[1] | ہے اور اس پر ایک زیبائی چھائی ہوئی ہے اس کی ڈالیاں پھلدار اور اس کی جڑیں بڑی مضبوط ہیں۔

۶۔ ثُمَّ عَبَسَ وَ بَسَرَ: پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑ لیا چونکہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف ناشائستہ کلمات کہنے کا ارادہ کر لیا تھا اور اپنا عناد اور دشمنی جو دل میں موجزن تھی، نکالنا چاہ رہا تھا۔

۷۔ ثُمَّ اَدۡبَرَ وَ اسۡتَکۡبَرَ: پھر پلٹا اور حق کو پس پشت کیا، تکبر کا انداز اختیار کیا اور ان ناحق اور باطل کلمات کو اپنے ناپاک ذہن سے نکالنے کے لیے یہ ساری تمہیدیں باندھیں۔ بالآخر اس نے کہدیا:

۸۔ فَقَالَ اِنۡ ہٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ یُّؤۡثَرُ: یہ درآمد شدہ جادو کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ممکن ہے یہ اشارہ بابل کی طرف ہو کہ یہ جادو بابل سے درآمد کیا گیا ہے جو اس نے کسی سے سیکھ لیا ہے۔ بعض نے یُّؤۡثَرُ سے مراد ایثار لیا ہے کہ یہ ایک ایسا جادو ہے جسے دوسرے جادوؤں پر ترجیح اور فوقیت حاصل ہے۔

۹۔ اِنۡ ہٰذَاۤ اِلَّا قَوۡلُ الۡبَشَرِ: یہ صرف بشر کا کلام ہے۔ یہ فقرہ بھی پہلے فقرے کی تاکید ہے اور مطلب دونوں جملوں کا ایک ہے۔ صرف تعبیر میں فرق ہے۔

سَاُصۡلِیۡہِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾	۲۶۔ عنقریب میں اسے آگ (سقر) میں جھلسا دوں گا۔
وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾	۲۷۔ اور آپ کو کس چیز نے بتایا سقر کیا ہے؟
لَا تُبۡقِیۡ وَ لَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾	۲۸۔ وہ نہ باقی رکھتی ہے نہ چھوڑتی ہے۔
لَوَّاحَۃٌ لِّلۡبَشَرِ ﴿۲۹﴾	۲۹۔ آدمی کی کھال جھلسا دینے والی ہے۔
عَلَیۡہَا تِسۡعَۃَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾	۳۰۔ اس پر انیس (فرشتے) موکل ہیں۔

تشریح کلمات

سَاُصۡلِیۡہِ: (ص ل ی) الاصلاء آگ میں تپا دینے کے معنوں میں ہے۔ کہتے ہیں: صلیت الشاة میں نے بکری کو آگ پر بھون لیا۔

لَوَّاحَۃٌ: (ل و ح) لوّحه الحر اسے گرمی نے جھلس دیا۔ لَوَّاحَۃٌ جھلسا دینے والی۔

تفسیر آیات

۱۔ دنیا میں یہ اپنی عیاری دکھائے، آخرت میں اسے میں جہنم کی آگ میں جھلسا دوں گا۔

---

[1] الکشاف

۲۔ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ: آپ کیا جانیں یا آپ کو کس نے بتایا کہ سَقَرُ کیا چیز ہے۔ سَقَرُ جہنم کی ہولناکی بیان کرنے کے لیے یہ انداز کلام اختیار کیا جاتا ہے۔ مَآ اَدْرٰىكَ کے لفظ کی تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ حاقہ:۳

۳۔ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ: یہ آگ جہنمی کے لیے کسی چیز کو بھی نہیں رہنے دے گی۔ نہ زندگی ہے، نہ زندگی سے متعلق کوئی چیز۔ ہر چیز سلب کرنے کے باوجود بھی موت نہیں آئے گی۔ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ....[1]

۴۔ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ: یہ سقر کھال کو بھی جھلسا دینے والی ہے۔ اس کا ذکر خاص کر اس لیے آیا کہ کھال سے انسان کی شکل وصورت بنتی ہے، شناخت ہوتی ہے۔ جسم پر کھال نہ ہو اور تمام اندرونی شکل نمایاں ہو جائے تو شکل نہایت بدنما اور ڈراؤنی ہو جاتی ہے۔

۵۔ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ: اس پر انیس (فرشتے) موکل ہیں۔ اگرچہ اس آیت میں تصریح نہیں ہے کہ یہ موکل، فرشتے ہیں لیکن دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے یہ فرشتے ہیں:

عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ ....[2] اس پر تندخو اور سخت مزاج فرشتے مقرر ہیں۔

ابن عباس راوی ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ جہنم پر اُنیس فرشتے موکل ہیں تو ابوجہل نے قریش سے کہا: کیا تم میں سے دس افراد ایک داروغہ کو قابو نہیں کر سکیں گے۔ ان میں ایک طاقتور شخص ابو الاسد جمحی نے کہا: ان میں سے سترہ کو تو میں اکیلا قابو کر لوں گا۔ باقی دو کو تم قابو کر لو۔ اسی طرح ۱۹ کی تعداد تمسخر کا موضوع بن گئی اور کفار کے لیے آزمائش بھی۔

وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَ	۳۱۔ اور ہم نے جہنم کا عملہ صرف فرشتوں کو قرار دیا اور ان کی تعداد کو کفار کے لیے آزمائش بنایا تاکہ اہل کتاب کو یقین آ جائے اور ایمان لانے والوں کے ایمان میں اضافہ ہو جائے اور اہل کتاب اور مومنین شک میں نہ رہیں اور جن کے دلوں میں بیماری ہے نیز کفار یہی کہیں: اس بیان سے اللہ کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟ اس طرح اللہ جسے چاہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور تیرے رب کے

[1] ۲۰ طٰہ: ۷۴
[2] ۶۶ تحریم: ۶

يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ۭ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ؀ۧ

لشکروں کو خود اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور یہ (جہنم کا ذکر) انسانوں کے لیے ایک نصیحت ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَمَا جَعَلۡنَاۤ اَصۡحٰبَ النَّارِ: ہم نے جہنم کے مؤکلین کو انسان نہیں قرار دیا کہ یہ لوگ انہیں قابو کر سکیں بلکہ یہ فرشتے ہوں گے اور ان کی توانائی کا عالم یہ ہوگا کہ تمام جہنمیوں کے لیے صرف ۱۹ عدد فرشتے کافی ہوں گے۔ چنانچہ بعض روایات کے مطابق ان میں ایک کی طاقت تمام جن و انس کی طاقت سے زیادہ ہوگی۔

۲۔ وَّمَا جَعَلۡنَا عِدَّتَہُمۡ اِلَّا فِتۡنَۃً لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا: اس تعداد کا انیس بیان کرنے میں کافروں کی آزمائش ہے کہ وہ اسے بعید از قیاس سمجھیں گے اور استہزاء کریں گے۔ واضح رہے کہ حقائق کا بیان جس قدر واضح ہوگا اسی مقدار میں حجت پوری ہوتی ہے اور آزمائش میں کمی آتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر وضاحت مکمل ہو جاتی ہے تو پھر آزمائش اور مہلت کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ جہنم کے داروغوں کی تعداد اُنیس بتانے سے لوگوں کے لیے ایک حد تک ابہام رہ جاتا ہے جس میں آزمائش ہے۔ اہل ایمان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور کافر اور مریض دل والوں کے شکوک میں اضافہ ہوتا ہے۔ چنانچہ آیت کے اگلے فقروں میں بیان کیا گیا ہے:

۳۔ لِیَسۡتَیۡقِنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ: تاکہ اہل کتاب کو بھی یقین حاصل ہو جائے کہ قرآن کے بیان کردہ حقائق توریت و انجیل کے بیان کردہ حقائق کے مطابق ہیں۔

اگرچہ یہ حقیقت کہ جہنم کے داروغوں کی تعداد انیس ہے، موجودہ توریت و انجیل میں مذکور نہیں ہے تاہم موجودہ تحریف شدہ کتابوں میں موجود نہ ہونا اصل میں موجود نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

۴۔ وَّیَزۡدَادَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِیۡمَانًا: اہل کتاب کو قرآن پر یقین آنے سے اہل ایمان کے ایمانوں میں اضافہ ہونا ایک قدرتی بات ہے۔ چنانچہ اہل کتاب اور اہل ایمان دونوں کے دلوں میں کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہیں رہتا۔

۵۔ وَلِیَقُوۡلَ الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ: البتہ مریض دل اور کافروں کے لیے اس میں ایک آزمائش ہے جس پر وہ پورے نہیں اتریں گے اور وہ کہیں گے: اتنی بڑی مخلوق کے لیے صرف انیس داروغے؟ اس فقرے سے معلوم ہوتا ہے کہ نفاق مکہ میں بھی موجود تھا۔ ممکن ہے اہل کتاب کے ذرائع سے اسلام کے تابناک مستقبل کا علم ہوا ہو اور طمع میں اسلام کا اظہار ہوا ہو۔ کما ورد فی بعض الروایات۔

۶۔ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنۡ يَّشَآءُ : اس تعداد سے بعض لوگ کفر اختیار کرتے اور انکار کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے قابل ہدایت نہ ہونے کی وجہ سے اللہ انہیں ہدایت سے نہیں نوازتا۔ چونکہ یہ ہدایت قبول نہیں کرتے تو بھی ہدایت دی جائے تو یہ جبر ہو گا۔ اللہ جبری ہدایت کو ہدایت نہیں سمجھتا۔ لہٰذا انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیتا ہے جس سے یہ گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اضلال کا مطلب یہی ہے۔

۷۔ وَمَا يَعۡلَمُ جُنُوۡدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ : انیس کی تعداد جہنم کے داروغوں کی ہے لیکن اللہ کے لشکروں کی تعداد اور ان کی طاقت وقوت اس قدر کثیر اور عظیم ہے کہ خود اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان پر کوئی احاطۂ علمی نہیں رکھتا۔

۸۔ وَمَا هِىَ اِلَّا ذِكۡرٰى لِلۡبَشَرِ : جہنم کے داروغوں کا انیس ہونا یا خود جہنم کا موجود ہونا یا اللہ کے لشکروں کا سوائے اللہ کے کسی کے علم میں آنا ممکن نہ ہونا، خوابیدہ انسانوں کو بیدار کرنے کے لیے ایک نصیحت ہے۔

كَلَّا وَالۡقَمَرِ ﴿۳۲﴾

۳۲۔ (ایسا) ہرگز نہیں! (جیسا تم سوچتے ہو) قسم ہے چاند کی،

وَالَّيۡلِ اِذۡ اَدۡبَرَ ﴿۳۳﴾

۳۳۔ اور رات کی جب وہ پلٹنے لگتی ہے،

وَالصُّبۡحِ اِذَاۤ اَسۡفَرَ ﴿۳۴﴾

۳۴۔ اور صبح کی جب وہ روشن ہو جاتی ہے،

اِنَّهَا لَاِحۡدَى الۡكُبَرِ ﴿۳۵﴾

۳۵۔ بلاشبہ یہ (آگ) بڑی آفتوں میں سے ایک ہے۔

نَذِيۡرًا لِّلۡبَشَرِ ﴿۳۶﴾

۳۶۔ (اس میں) انسانوں کے لیے تنبیہ ہے،

تفسیر آیات

كَلَّا وَالۡقَمَرِ : ایسا ہرگز نہیں کہ قرآن آخرت اور سقر کی جو بات کرتا ہے وہ شاعرانہ بات ہو اور انسان کی ساختہ و بافتہ ہو (لہٰذا كَلَّا رد ہے اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ کی) بلکہ قسم ہے چاند کی اور رات اور صبح کی جس نے ان چیزوں کو خلق کیا ہے۔ اسی ذات نے جہنم کو پیدا کیا ہے؟ یہ جہنم بڑی آفتوں میں سے ایک عظیم آفت ہے یا یہ عظیم ہولناکیوں میں سے ایک ہولناک چیز ہے۔

نَذِيۡرًا لِّلۡبَشَرِ : درحالیکہ یہ جہنم انسانوں کے لیے تنبیہ ہے کہ جرم کے ارتکاب کی صورت میں جہنم کی سزا مل سکتی ہے۔

لِمَنۡ شَآءَ مِنۡكُمۡ اَنۡ يَّتَقَدَّمَ اَوۡ

۳۷۔ تم میں سے ہر اس شخص کے لیے جو آگے

يَّتَاَخَّرَ ﴿۳۷﴾ بڑھنا یا پیچھے رہ جانا چاہے۔

تفسیر آیات

یہ جہنم تنبیہ ہے اس شخص کے لیے جو حق کی اتباع میں آگے جانا چاہتا ہے تا کہ اس جہنم سے بچ جائے یا حق کی اتباع چھوڑ کر پیچھے رہ جانا چاہتا ہے کہ جہنم کا سزاوار بن جائے۔ شیعہ مصادر میں آیا ہے:

مَنْ تَقَدَّمَ اِلَى وَ لَايَتِنَا اُخِّرَ عَنْ سَقَرَ وَ مَنْ تَاَخَّرَ عَنَّا تَقَدَّمَ اِلَى سَقَرَ...[1] جو ہماری ولایت سے نزدیک ہوگا وہ جہنم سے دور ہوگا اور جو ہم سے دور ہوگا وہ جہنم کے نزدیک ہوگا۔

كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿۳۸﴾ ۳۸۔ ہر شخص اپنے عمل کا گروی ہے۔

تفسیر آیات

جس طرح طب کا کہنا ہے کہ انسان صحت کے اعتبار سے وہی ہے جو وہ کھاتا ہے۔ اسی طرح مذہب اور دین کا یہ کہنا ہے کہ انسان وہی ہے جو وہ کرتا ہے۔ لہٰذا عمل، قرض ہے اور نفس اس کا گروی ہے۔ عمل برا ہونے کی صورت میں نفس اپنے عمل کی گرفت میں ہوگا اور عمل صحیح ہونے کی صورت میں اس نے قرض ادا کر دیا ہوگا، وہ گروی نہ ہوگا۔ اسی لیے اصحاب یمین کا استثنا ہوگیا۔

اِلَّاۤ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿۳۹﴾ ۳۹۔ سوائے دائیں والوں کے،

تفسیر آیات

اصحاب یمین وہ لوگ ہوئے جو اپنے عمل کی گرفت میں نہیں ہیں چونکہ ان لوگوں نے اپنے نفس کو نیک اعمال کے ذریعے آزاد کرا لیا اور قرض چکا دیا۔ اصحاب یمین وہ لوگ ہو سکتے ہیں جن کے نامہ اعمال میں قابل گرفت گناہ نہیں ہیں یا وہ ایسے گناہوں کے مرتکب نہیں ہوئے یا ان کے حسنات کی وجہ سے گناہ مٹ گئے یا ان کی توبہ و استغفار کی وجہ سے گناہ معاف ہو گئے۔

اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ...[2] نیکیاں بے شک برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔

قرطبی نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے ذیل لکھا ہے:

قال ابو جعفر الباقر: نحن و شیعتنا اصحاب الیمین و کل من ابغضنا (امام) ابو جعفر باقر (علیہ السلام) نے فرمایا: ہم اور ہمارے شیعہ اصحاب یمین ہیں اور جو ہم سے بغض

---

[1] الکافی ۱: ۴۳۴ [2] ۱۱ ہود: ۱۱۴

فهم المرتهنون۔ رکھتے ہیں وہ سب گروی ہوں گے۔

فِيْ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝٤٠ ۴۰۔ جو جنتوں میں پوچھ رہے ہوں گے،

عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝٤١ ۴۱۔ مجرمین سے۔

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ۝٤٢ ۴۲۔ کس چیز نے تمہیں جہنم میں پہنچایا؟

تفسیر آیات

۱۔ فِيْ جَنّٰتٍ: اصحاب یمین اپنی جنتوں میں بیٹھ کر مجرموں سے رابطہ کر سکیں گے چونکہ آخرت کا زمان و مکان اس طرح نہ ہوگا جیسا ہماری اس دنیا میں ہے۔ وہاں فاصلوں کا وہ تصور نہ ہوگا جو یہاں ہے۔ لہٰذا جنت اور جہنم میں فاصلہ اہل جنت کے اہل جہنم سے رابطے میں رکاوٹ نہ ہوگا۔ چنانچہ سورہ صافات آیت ۵۵ میں بھی ذکر ہو چکا ہے۔

۲۔ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ: اصحاب یمین اہل جہنم سے پوچھیں گے: تمہیں کون سی چیز جہنم کی طرف لے آئی؟ اگلی آیات میں مجرموں کے جوابات ہیں:

قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝٤٣ ۴۳۔ وہ کہیں گے: ہم نماز گزاروں میں سے نہ تھے،

وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۝٤٤ ۴۴۔ اور ہم مسکین کو کھلاتے نہیں تھے،

وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ۝٤٥ ۴۵۔ اور ہم بیہودہ بکنے والوں کے ساتھ بیہودہ گوئی کرتے تھے،

وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝٤٦ ۴۶۔ اور ہم روز جزا کو جھٹلاتے تھے۔

حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ۝٤٧ ۴۷۔ یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئی۔

تفسیر آیات

۱۔ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ: اہل جہنم نے اصحاب یمین کے جواب میں چار باتوں کا ذکر کیا ہے جن کی وجہ سے وہ جہنم میں مبتلائے عذاب ہیں:

پہلی بات: ہم نماز گزاروں میں سے نہ تھے۔ یعنی ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔

دوسری بات: ہم بھوکوں کو کھلاتے نہیں تھے۔ یعنی ترک نماز کی وجہ سے خالق سے دور اور ترک

اطعام کی وجہ سے مخلوق سے دور ہونے کی وجہ سے ہم جہنم کے نزدیک ہو گئے۔
تیسری بات: ہم دین، اسلام، قرآن، مذہبی تعلیمات کے خلاف بیہودگی کرنے والوں کی محافل میں بیٹھ کر دین اور دین داروں کا مذاق اڑاتے تھے۔ نمازیوں کا تحقیر آمیز لفظوں میں ذکر کرتے تھے۔ غریب پروری کو حماقت تصور کرتے تھے۔
چھوتھی بات: ہم روز جزا کو جھٹلاتے تھے۔ قیامت اور آخرت کو ایک واہمہ قرار دیتے تھے۔
۲۔ حَتّٰۤی اَتٰىنَا الۡیَقِیۡنُ: اسی اثنا میں ہمیں موت نے آ لیا اور موت آنے پر ہم پر یہ راز کھل گیا کہ آخرت برحق تھی اور ہم گمراہی میں تھے۔
ان آیات سے ایک تو یہ بات بظاہر سامنے آتی ہے کہ کافر آخرت میں صرف شرک اور انکار آخرت کے منکر ہونے، بالفاظ دیگر اصول ہی کے منکر ہونے پر جہنم نہیں جائیں گے بلکہ فروع دین پر عمل نہ کرنے پر بھی عذاب ہوگا چونکہ اس آیت میں نماز نہ پڑھنا عذاب کی وجہ بتائی ہے۔ اس کی ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جب اہل جہنم نماز اور غریبوں کو کھلانے کی وجہ سے اہل جنت کے درجات دیکھیں گے تو کہہ اٹھیں گے: ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور غریب پروری نہیں کرتے تھے۔
اس توجیہ سے اس بات کا جواب بھی آ گیا جو کہتے ہیں اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ زکوۃ مکہ میں واجب ہو گئی تھی۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ الحاقۃ آیت ۳۴

فَمَا تَنۡفَعُہُمۡ شَفَاعَۃُ الشّٰفِعِیۡنَ ﴿ؕ۴۸﴾ ۴۸۔ اب سفارش کرنے والوں کی سفارش انہیں کچھ فائدہ نہ دے گی۔

تفسیر آیات

اس آیت سے اس کا واضح ثبوت ملتا ہے کہ قیامت کے دن شفاعت کرنے والے بہت ہوں گے۔ ان مشرکین کو ان شفاعت کرنے والوں کی شفاعت فائدہ نہیں دے گی۔
شفاعت کے موضوع پر تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سورہ بقرہ آیت ۴۸۔

فَمَا لَہُمۡ عَنِ التَّذۡکِرَۃِ مُعۡرِضِیۡنَ ﴿ۙ۴۹﴾ ۴۹۔ انہیں کیا ہو گیا ہے کہ نصیحت سے منہ موڑ رہے ہیں؟
کَاَنَّہُمۡ حُمُرٌ مُّسۡتَنۡفِرَۃٌ ﴿ۙ۵۰﴾ ۵۰۔ گویا وہ بدکے ہوئے گدھے ہیں،
فَرَّتۡ مِنۡ قَسۡوَرَۃٍ ﴿ؕ۵۱﴾ ۵۱۔ جو شیر سے (ڈر کر) بھاگے ہوں۔

تفسیر آیات

یہ تمام حقائق واضح اور صریح لفظوں میں ایک معجزاتی کلام کے ذریعے بیان ہونے کے باوجود، تعجب کا مقام ہے کہ یہ مشرکین اس انسان ساز اور نجات دہندہ نصیحت سے منہ موڑ کر ایسے دور بھاگتے ہیں، یعنی وہ نجات سے اس طرح بھاگتے ہیں جیسے ہلاکت سے بھاگتے ہیں۔ جنگلی گدھے خطرہ محسوس ہوتے ہی بدحواس ہو کر ادھر اور اُدھر بھاگتے ہیں۔ گدھے جب بھاگ رہے ہوتے ہیں تو خطرے سے دور نہیں بھاگ پاتے۔ یہ لوگ خطرہ سے دور نہیں بلکہ خطرے کی طرف بھاگ رہے ہیں۔

بَلۡ یُرِیۡدُ کُلُّ امۡرِیًٔ مِّنۡہُمۡ اَنۡ یُّؤۡتٰی صُحُفًا مُّنَشَّرَۃً ﴿۵۲﴾

۵۲۔ بلکہ ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ (اس کے پاس) کھلی ہوئی کتابیں آ جائیں۔

تفسیر آیات

ان کا بھاگنا کسی اور وجہ سے نہیں ہے بلکہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ یہ کتاب، یہ قرآن محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی جگہ ان پر نازل ہو جائے یا ان پر بھی ایسی کتاب نازل ہو جائے جیسی رسولوں پر نازل ہوئی ہے:

لَنۡ نُّؤۡمِنَ حَتّٰی نُؤۡتٰی مِثۡلَ مَاۤ اُوۡتِیَ رُسُلُ اللّٰہِ ...[1]

ہم اس وقت تک ہرگز نہیں مانیں گے جب تک ہمیں بھی وہ چیز نہ دی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی گئی ہے.

یعنی ان مشرکین کا قرآن پر ایمان لانے سے راہ فرار اختیار کرنا، حق واضح نہ ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ ان مشرکین کے تکبر کی وجہ سے ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس مقام کے لائق سمجھتے ہیں۔

وہ ایک طرف کہتے ہیں: بشر رسول نہیں ہو سکتا۔ دوسری طرف یہ آرزو رکھتے ہیں کہ رسالت کا مقام ہمیں ملنا چاہیے۔

کَلَّا ؕ بَلۡ لَّا یَخَافُوۡنَ الۡاٰخِرَۃَ ﴿۵۳﴾

۵۳۔ ہرگز نہیں! بلکہ انہیں آخرت کا خوف ہی نہیں ہے۔

تفسیر آیات

ا۔ کَلَّا: ہرگز نہیں، یہ کتاب تمہارے ناپاک دلوں پر نازل ہو:

اَللّٰہُ اَعۡلَمُ حَیۡثُ یَجۡعَلُ رِسَالَتَہٗ ...[2]

اللہ (ہی) بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کہاں رکھے،

---

[1] ۶ انعام: ۱۲۴ [2] ۶ انعام: ۱۲۴

۲۔ بَلۡ لَّا یَخَافُوۡنَ الۡاٰخِرَۃَ: ان کافروں کو اندازہ ہے کہ ان کے ناپاک دلوں پر وحی نازل نہیں ہو سکتی۔ انکار کی وجہ ان پر وحی نازل نہ ہونا نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ یہ لوگ آخرت کا خوف دل میں نہیں رکھتے۔ چونکہ وہ آخرت کو مانتے نہیں ہیں اس لیے آخرت کا خوف نہیں آتا۔

کَلَّاۤ اِنَّہٗ تَذۡکِرَۃٌ ﴿۵۴﴾ ۵۴۔ ہرگز نہیں! یہ تو یقیناً ایک نصیحت ہے۔

فَمَنۡ شَآءَ ذَکَرَہٗ ﴿۵۵﴾ ۵۵۔ پس جو چاہے اسے یاد رکھے۔

تفسیر آیات

۱۔ کَلَّاۤ: دوبارہ تاکیداً ان کی بات مسترد کی جا رہی ہے کیونکہ یہ قرآن ایک نصیحت ہے۔ نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو ناپاکی سے دور رہنے اور پاکیزگی کو اختیار کرنے کے لیے کہا جائے۔ ایسی نصیحت ناپاک جگہ پر نہیں رکھی جاتی۔

۲۔ فَمَنۡ شَآءَ ذَکَرَہٗ: لہٰذا اس نصیحت سے وہ شخص فائدہ اٹھائے گا جو نصیحت کا خواہاں ہے۔ جو شخص نصیحت کا دشمن ہے اسے نہ نصیحت مل سکتی ہے، نہ ہی اس سے کسی کو نصیحت ملتی ہے۔

وَمَا یَذۡکُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ ؕ ہُوَ اَہۡلُ التَّقۡوٰی وَ اَہۡلُ الۡمَغۡفِرَۃِ ﴿۵۶﴾ ۵۶۔ وہ یاد اس وقت رکھیں گے جب اللہ چاہے گا، وہی اس لائق ہے کہ اس سے خوف کیا جائے اور وہی بخشنے کا اہل ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَمَا یَذۡکُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ: وہ اس نصیحت سے فائدہ اس وقت اٹھا سکتے ہیں جب اللہ کی مشیت میں آئے۔ اللہ کی مشیت یہ ہے کہ یہ خود اپنے ارادہ اختیار سے نصیحت حاصل کریں۔ اگر وہ اپنے اختیار سے نصیحت حاصل نہیں کرتے ہیں تو اللہ جبراً نصیحت مسلط نہیں فرماتا بلکہ اللہ اسے اپنے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ جبراً نصیحت دینا نہیں چاہتا۔ یہ ہے اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ کا مطلب۔

اس کا مطلب وہ نہیں جو بعض اہل قلم نے سمجھا ہے کہ ان پر انسان کے لیے مشیت تکوینی و تشریعی میں فرق واضح نہیں ہوا اور کہا ہے:

> اگر اس دنیا میں ہر انسان کو یہ قدرت حاصل ہوتی کہ جو کچھ وہ کرنا چاہے کر گزرے تو ساری دنیا کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ جو نظم اس جہاں میں قائم ہے وہ اسی وجہ سے ہے

اللہ کی مشیت ساری مشیتوں پر غالب ہے۔[1]

جب کہ ایسا تکوینیات میں ہے کہ انسان کو یہ قدرت حاصل نہیں ہے کہ نظام خلقت میں جو چاہے کرگزرے۔ آگے وہ تشریعیات میں بھی یہی بات کہتے ہیں:

> انسان کا محض خود ہدایت چاہنا اس کے لیے کافی نہیں ہے کہ اسے ہدایت مل جائے، بلکہ اسے ہدایت اس وقت ملتی ہے جب اللہ اس کی اس خواہش کو پورا کرنے کا فیصلہ فرما دیتا ہے۔

جب کہ انسان کی طرف سے ہدایت چاہنے پر اللہ کی طرف سے ہدایت ملنا ضروری ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ بندہ ہدایت کے لیے حاضر، آمادہ ہو، اللہ اسے ہدایت نہ دے۔ ایسا کرنا اللہ کی مشیت نہیں ہے۔ یہ بھی اللہ کی مشیت نہیں ہے کہ بندہ ہدایت کے لیے آمادہ نہ ہو، اس کے باوجود اللہ اس پر ہدایت جبراً مسلط کر دے۔ جو ہدایت کے لیے آمادہ ہوتا ہے اللہ اسے ہدایت کی توفیق دیتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے:

> اللہ کی مشیت یہ ہے کہ ہدایت کے بارے میں انسان خود مختار ہے۔ لہٰذا جو اپنے اختیار سے ہدایت لیتا ہے۔ یہ بھی اللہ کی مشیت کے مطابق ہے اور جو اپنے اختیار سے ہدایت نہیں لیتا جس کی وجہ سے اسے ہدایت نہیں ملتی، یہ بھی اللہ کی عدم جبر کی مشیت کے مطابق ہے۔

بندے کی طرف سے ہدایت چاہنے کی صورت میں اللہ کی مشیت ہدایت دینا ہے۔ لہٰذا اللہ کی مشیت ضرور متحقق ہو گی اور ہدایت مل جائے گی اور ہدایت نہ چاہنے کی صورت میں اللہ کی مشیت جبراً ہدایت نہ دینا ہے۔

۲۔ اَهۡلُ التَّقۡوٰی: اللہ کی ذات اس قابل ہے کہ اس کے غضب سے بچا جائے چونکہ وہی برحق معبود ہے۔ اسی نے انسان کو مکلّف بنایا ہے اور اسی کی بارگاہ میں حساب دینا ہے لہٰذا اس کی ناراضگی سے دور رہنا اور اس کی نافرمانی سے بچنا چاہیے۔

۳۔ وَ اَهۡلُ الۡمَغۡفِرَۃِ: لغزش اور کوتاہی کی صورت میں مغفرت اور درگزر کرنے کے قابل مہربان ذات بھی وہی ہے۔ لہٰذا بندے کو تقویٰ یعنی خوف اور مغفرت کی امید کے درمیان ہونا چاہیے۔ یہی طریقۂ بندگی ہے۔

[1] تفہیم القرآن ۶:۱۵۷

سُوۡرَةُ الۡقِيٰمَةِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اس سورۃ کا نام پہلی آیت لَاۤ اُقۡسِمُ بِیَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ سے ماخوذ ہے۔

ایسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورۃ اعلان رسالت کے بعد یعنی بعثت سے تین سال بعد نازل ہوئی ہے۔ آیات کی تعداد کوفی قرائت کے مطابق ۴۰ اور دوسری قرائتوں کے مطابق ۳۹ ہے۔ کوفی قرائت میں لَا تُحَرِّکۡ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعۡجَلَ بِہٖ ایک مستقل آیت ہے۔ دوسرے کے نزدیک اِنَّ عَلَیۡنَا جَمۡعَہٗ وَ قُرۡاٰنَہٗ تک ایک آیت ہے۔

سب سے پہلے قیامت اور اعادۂ حیات پر اللہ کی قدرت کا ذکر ہے۔ پھر قیام قیامت کی منظر کشی ہے۔ آخر میں ایک بار پھر قیام قیامت کے وقوع پذیر ہونے کا ذکر ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	بنام خدائے رحمن رحیم
لَاۤ اُقۡسِمُ بِیَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ ۙ﴿۱﴾	۱۔ قسم کھاتا ہوں روز قیامت کی۔
وَ لَاۤ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَۃِ ؕ﴿۲﴾	۲۔ قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس (زندہ ضمیر) کی،

تفسیر آیات

۱۔ لَاۤ: یہ لاخواہ زائدہ ہو یا لا قسمیہ ہو دونوں صورتوں میں قسم کے لیے تاکیدی لفظ ہے جیسے فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ....[۱] میں ہے۔

۱۔ ۴ نساء: ۶۵

۲۔ اُقۡسِمُ بِیَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ: ان دو آیتوں میں قیامت اور نفس لوامہ کی قسم ایک ساتھ کھائی ہے۔ لہٰذا قیامت اور نفس لوامہ (زندہ ضمیر) میں کوئی مناسبت ہونی چاہیے۔ ممکن ہے مناسبت یہ ہو کہ نفس لوامہ اور قیامت دونوں کی طرف سے انسان کا محاسبہ ہوتا ہے۔

نفس لوامہ ملامت اور سرزنش کرنے والا نفس ہے۔ جسے ہم ضمیر اور وجدان بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ کسی جرم کے ارتکاب کی صورت میں انسان کو اپنی ضمیر کی عدالت میں حاضر کیا جاتا ہے جہاں نہ کسی کی سفارش چلتی ہے، نہ کسی کا زور کیونکہ جرم کا ارتکاب اسی ضمیر کے سامنے ہوا ہے جس نے فیصلہ سنانا ہے۔ چنانچہ ضمیر کی یہ عدالت قیامت کے دن کی عدالت عظمی کا ایک چھوٹا سا نمونہ ہے۔ ممکن ہے اسی مناسبت سے قیامت کے ساتھ نفس لوامہ کی قسم کھائی ہو۔

اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَلَّنۡ نَّجۡمَعَ عِظَامَہٗ ؕ﴿۳﴾ ۳۔ کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہیں کریں گے؟

بَلٰی قٰدِرِیۡنَ عَلٰۤی اَنۡ نُّسَوِّیَ بَنَانَہٗ ﴿۴﴾ ۴۔ ہاں! (ضرور کریں گے) ہم تو اس کی انگلیوں کی پور بنانے پر بھی قادر ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ: کل کے ملحدوں اور آج کے نیچر پرستوں (مادہ پرستوں) کا یہ گمان ہے جب انسان کی ہڈیاں خاک میں مل جاتی ہیں تو کون انہیں دوبارہ زندہ کر سکتا ہے:

مَنۡ یُّحۡیِ الۡعِظَامَ وَ ہِیَ رَمِیۡمٌ ﴿﴾[1] ان ہڈیوں کو خاک ہونے کے بعد کون زندہ کرے گا؟

پھر یہ سوال بھی پیدا کرتے ہیں کہ جب ہڈیاں خاک بن کر دوسری ہڈیوں سے مل جائیں یا کسی جانور کی غذا بن کر اس کی ہڈیوں کا حصہ بن جائیں تو اللہ انہیں کیسے جدا کرے گا؟

بلکہ یہ سوال مزید آگے بڑھتا ہے کہ انسان کا جسم ہڈیوں سمیت ہمیشہ تحلیل ہوتا رہتا ہے اور انسان کے تحلیل شدہ عناصر کاربن کی شکل میں آ کر درختوں اور فصلوں کا حصہ بن جاتے ہیں۔ درختوں کے میووں اور فصلوں کو دیگر انسان اور جانور اپنی غذا کے طور پر کھا لیتے ہیں جس سے ایک انسان کے تحلیل شدہ عناصر دوسرے مسلم اور غیر مسلم انسانوں کے جسم کا حصہ بن جاتے ہیں۔ اس طرح ہم دنیا میں ایک دوسرے کو کھا رہے ہوتے ہیں تو اللہ انہیں کیسے جدا کرے گا؟

۲۔ بَلٰی قٰدِرِیۡنَ: جواب میں فرمایا: ہم انسان کی انگلیوں کی پوروں کو بنانے پر قادر ہیں۔

---

[1] ۳۶ یس: ۷۸

اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ پوروں کے بنانے اور منتشر ہڈیوں کے جمع کرنے پر قادر ہونے میں کوئی قدر مشترک موجود ہے۔ یعنی پوروں کے بنانے پر قادر ہونے میں ایک دلیل ہے کہ اللہ منتشر ہڈیوں کو یکجا کر سکتا ہے۔ وہ دلیل کیا ہے؟ جواب دیا گیا ہے کہ انسان کی انگلیوں کی ساخت اللہ کی حکیمانہ تخلیق کی ایک اہم نشانی ہے۔ انگلیوں کی ساخت، اس میں چیزوں کو اپنے گرفت لینے کے لیے بند کرنے اور کھولنے کی صلاحیت، پھر ان انگلیوں کے ساتھ انگوٹھے کا کردار وغیرہ، دلیل ہے کہ یہ ذات ہڈیوں کے منتشر اجزا یکجا کر سکتی ہے۔

دوسری دلیل یہ دی جاتی ہے کہ انسان کی پوروں میں موجود لکیریں ہر ایک کی مختلف ہوتی ہیں۔ کسی دو شخص کی آپس میں نہیں ملتیں لہٰذا جو ذات ہر ایک شخص کی شناخت دنیا میں پوروں کی لکیروں کے ذریعہ کروا سکتی ہے کیا وہ قیامت کے دن انسانوں کی ہڈیوں کی شناخت نہیں کر سکے گی۔

ہڈیوں کے ذرات جمع کرنے پر اللہ تعالیٰ کی ذات کا قادر ہونا آج کے طالب علم کے لیے کوئی معمہ نہیں رہا۔ ہمارا روز کا مشاہدہ ہے کہ دانہ جب خاک میں جاتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ نے یہ سمجھ دی ہے کہ زمین کے بیسوں عناصر میں سے کس عنصر کو جذب کرنا ہے۔ اگر دانہ گندم کا ہے تو اس دانے کو پتہ ہے کہ کن عناصر کو جذب کر کے جوڑ دوں تو گندم بن جائے گی۔ اگر یہ دانہ مکئی کا ہے تو اسے علم ہے کہ مکئی اگانے کے لیے کن عناصر کو ملانا ہے۔ اسی طرح دنیا میں وجود میں آنے والے لاکھوں دانوں اور پودوں کا مختلف ہونا عناصر ترکیب کے مختلف کی وجہ سے ہے۔

یہ حقیقت کل کے سطحی لوگوں کے لیے دلیل ہے اور آج کے دانشوروں کے لیے بھی:

وَاللّٰهُ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیۡرُ سَحَابًا	اور اللہ ہی ہواؤں کو بھیجتا ہے تو وہ بادل کو اٹھاتی ہیں
فَسُقۡنٰهُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحۡیَیۡنَا بِهِ	پھر ہم اسے ایک اجاڑ شہر کی طرف لے جاتے ہیں
الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوۡرُ ۝ [1]	پھر ہم اس سے زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتے ہیں، اسی طرح (قیامت کو) اٹھنا ہوگا۔
وَیُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ وَكَذٰلِكَ تُخۡرَجُوۡنَ ۝ [2]	اور زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے اور اسی طرح تم بھی نکالے جاؤ گے۔

یعنی جس طرح خاک میں موجود عناصر جمع کر کے ہم سبزہ نکالنے پر قادر ہیں اسی طرح تمہارے ذرات جمع کر کے تمہیں زمین سے نکالنے پر قادر ہیں۔ دوسرے لفظوں میں جہاں دانہ اپنے مطلوبہ عناصر پہچان لیتا ہے وہاں کیا اللہ تعالیٰ انسان کے منتشر ذرات نہیں پہچان لے گا؟ فَمَا لَكُمۡ ۟ كَیۡفَ تَحۡكُمُوۡنَ ۔ [3]

بَلۡ یُرِیۡدُ الۡاِنۡسَانُ لِیَفۡجُرَ ۵۔ بلکہ انسان چاہتا ہے کہ مستقبل میں (عمر بھر)

[1] ۳۵ فاطر: ۹ [2] ۳۰ روم: ۱۹ [3] ۱۰ یونس: ۳۵

اَمَامَهٗ ۝۵ برائی کرتا جائے۔

تشریح کلمات

لِيَفْجُرَ: (ف ج ر) الفجر کے معنی کسی چیز کو وسیع طور پر پھاڑنے اور شق کرنے کے ہیں۔ الفجور کے معنی دین کی پردہ دری یعنی نافرمانی کرنے کے ہیں۔

تفسیر آیات

بَلۡ يُرِيۡدُ الۡاِنۡسَانُ: تکذیب قیامت کا اصل محرک یہ ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور اس کا حساب دینے کی نوبت نہ آئے۔ عمر بھر فسق و فجور کرتا رہے، پھر اس کا کوئی محاسبہ نہ ہو۔

يَسۡـَٔلُ اَيَّانَ يَوۡمُ الۡقِيٰمَةِ ۝۶ ۶۔ وہ پوچھتا ہے: قیامت کا دن کب آئے گا۔

تفسیر آیات

وہ انکار و تکذیب کے لہجے میں سوال اٹھاتا ہے کہ قیامت کب آئے گی؟ یعنی کوئی قیامت آنے والی نہیں ہے۔

فَاِذَا بَرِقَ الۡبَصَرُ ۝۷ ۷۔ پس جب آنکھیں پتھرا جائیں گی،

وَخَسَفَ الۡقَمَرُ ۝۸ ۸۔ اور چاند بے نور ہو جائے گا،

وَجُمِعَ الشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ ۝۹ ۹۔ اور سورج اور چاند ملا دیئے جائیں گے،

يَقُوۡلُ الۡاِنۡسَانُ يَوۡمَئِذٍ اَيۡنَ الۡمَفَرُّ ۝۱۰ ۱۰۔ تو انسان اس دن کہے گا: بھاگ کر کہاں جاؤں؟

تفسیر آیات

۱۔ فَاِذَا بَرِقَ الۡبَصَرُ: اس آیت میں قیامت کے عظیم حادثے کا ذکر ہے کہ جب قیامت برپا ہونے والی ہوگی تو اس کائنات کو درہم برہم ہوتے دیکھ کر آنکھیں پتھرا جائیں گی۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا:

خَاشِعَةً اَبۡصَارُهُمۡ تَرۡهَقُهُمۡ ذِلَّةٌ ...[1] ان کی نگاہیں نیچی ہوں گی ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی۔

۲۔ وَخَسَفَ الۡقَمَرُ: اور چاند بے نور ہو جائے گا۔ چاند کا نور سورج سے ہے اور سورج کے

---

[1] ۶۸ قلم: ۴۳

موجود ہونے کی صورت میں چاند بے نور نہیں ہو سکتا لہٰذا ہو سکتا ہے کہ سورج بے نور ہونے کی بات ہے جیسے فرمایا:

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ [1] جب سورج لپیٹ دیا جائے گا۔

عین ممکن ہے سورج لپیٹ لینے کا مطلب یہ ہو کہ اس کی روشنی ختم ہو جائے گی۔

۳۔ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ: اس آیت کی تفسیر میں متعدد اقوال بیان ہوئے ہیں اور جمع کے معانی بیان کیے گئے ہیں جن کے ذکر کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

البتہ ممکن ہے چونکہ قیامت کے دن موجودہ نظام درہم برہم ہو جائے گا تو کرات ساوی کشش سے نکل جائیں اور باہم ٹکرا جائیں یا اس کی کوئی اور صورت ہو جو ہماری فہم سے دور ہے۔

۴۔ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ: اس وقت قیامت کے بارے میں تمسخر کرنے والا یہ انسان پریشانی کے عالم میں پوچھے گا: ہے کوئی جائے فرار؟ یعنی وہ سمجھ جائے گا کہ اب بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

كَلَّا لَا وَزَرَ ۝ ۱۱۔ نہیں! اب کوئی پناہ گاہ نہیں۔

اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ الْمُسْتَقَرُّ ۝ ۱۲۔ اس روز ٹھکانا تو صرف تیرے رب کے پاس ہوگا۔

تشریح کلمات

وَزَرَ: (و ز ر) الوَذَر پہاڑ میں جائے پناہ اور الوِزْرُ بارگراں کے معنوں میں ہے اور یہ معنی وَزَرَ سے لیا گیا ہے جس کے یعنی پہاڑ میں جائے پناہ کے ہیں اور جس طرح مجازاً اس کے معنی بوجھ کے آئے ہیں اسی طرح وِزْرٌ بمعنی گناہ بھی آتا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ روز قیامت، منکر قیامت اس سے بچنے کے لیے راہ فرار ضرور سوچے گا تو اسے جواب ملے گا: اب یہ یوم الحساب ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی براہ راست حکومت ہے۔ یہاں لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ آج کس کی بادشاہت ہے؟ کا جواب تک دینے والا کوئی نہ ہوگا۔ ندا آئے گی: لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ [2] آج اللہ واحد قہار کی حکومت اور بادشاہت ہے۔ اللہ کی حکومت سے فرار ممکن نہیں اور نہ اللہ سے بھاگ کر کسی جائے پناہ کی طرف جایا جا سکتا ہے۔

۲۔ اِلٰى رَبِّكَ: اس دن اگر کوئی ٹھکانہ ہے تو وہ تیرے رب کی ذات ہے۔ اسی کے پاس جانا ہے جہاں تمہارا محاسبہ ہوگا، عدل ہوگا، عدل و انصاف کے مطابق تیرا فیصلہ ہوگا، تیری ابدی اور دائمی قسمت کا

[1] ۸۱ تکویر: ۱ [2] ۴۰ غافر: ۱۶

فیصلہ ہوگا۔

يُنَبَّؤُا الۡاِنۡسَانُ يَوۡمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ ۝١٣ | ۱۳۔ اس دن انسان کو وہ سب کچھ بتا دیا جائے گا جو وہ آگے بھیج چکا اور پیچھے چھوڑ آیا ہوگا۔

تفسیر آیات

اس دن ہونے والے فیصلے کا مضمون خود انسان کے پاس ہوگا جسے اس نے اپنی پوری زندگی میں تیار کیا ہے۔ اس مضمون کے دو حصے ہوں گے جو اس کو سنائے جائیں گے:

حصہ اول قَدَّمَ: وہ اعمال جو اس نے اپنی زندگی میں انجام دیے۔ چنانچہ سورہ یٰسٓ آیت ۱۲ میں فرمایا:

وَنَكۡتُبُ مَا قَدَّمُوۡا وَاٰثَارَهُمۡ ....[۱] | جو کچھ وہ آگے بھیج چکے ہیں اور جو آثار پیچھے چھوڑ جاتے ہیں سب کو ہم لکھتے ہیں۔

اس آیت میں مَا قَدَّمُوۡا وہ اعمال خیر و بد ہیں جو انسان اپنی زندگی میں آگے بھیج چکا ہے۔ اسی طرح ہے:

وَلۡتَنۡظُرۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٍ ....[۲] | اور ہر شخص کو یہ دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل (روز قیامت) کے لیے کیا بھیجا ہے۔

حصہ دوم وَ اَخَّرَ: وہ اعمال جو وہ پیچھے چھوڑ آیا ہے یعنی اس نے اپنی زندگی میں کچھ ایسے عمل انجام دیے جس کے آثار اس کی زندگی کے بعد جاری و ساری رہتے ہیں۔ اس کا بھی حساب دینا ہوگا۔ حدیث ہے:

من سن سنة حسنة فله اجرها و اجر من عمل بها من بعده من غير ان ينقص من اجورهم شيئا، و من سن سنة سيئة كان عليه وزرها و وزر من عمل بها من بعده لا ينقص من اوزارهم شيئا۔[۳]

جو کسی اچھی روایت کو رواج دے تو اس کے لیے اس کو رواج دینے کا ثواب ہے اور جو اس پر اس کے بعد عمل کرے گا ان سب کے عمل کا بھی اس کے لیے ثواب ہے، اس پر عمل کرنے والوں کے عمل کے ثواب میں کسی کمی کے بغیر اور جو کسی بری روایت کو رواج دے گا تو اسے رواج دینے کا وبال بھی اس کے سر ہوگا اور اس پر عمل کرنے والوں کا وبال بھی اس کے سر ہوگا بغیر اس کے کہ اس کے وبال میں کوئی کمی ہو۔

---

[۱] ۳۶ یٰسٓ: ۱۲ [۲] ۵۹ حشر: ۱۸ [۳] وسائل الشیعہ ۱۵: ۲۴ باب اقامۃ السنن۔ الفاظ صحیح مسلم کے ہیں

بَلِ الۡاِنۡسَانُ عَلٰی نَفۡسِہٖ بَصِیۡرَۃٌ ﴿۱۴﴾ ۱۴۔ بلکہ انسان اپنے آپ سے خوب آگاہ ہے،
وَّ لَوۡ اَلۡقٰی مَعَاذِیۡرَہٗ ﴿۱۵﴾ ۱۵۔ اور خواہ وہ اپنی معذرتیں پیش کرے۔

تفسیر آیات

۱۔ انسان اپنے اعمال سے خوب واقف ہے۔ اس کے اعضاء و جوارح تک ان اعمال سے آگاہ ہیں، کل یہ تمام اعضاء گواہی دیں گے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ نہایت قریب سے اس کے اعمال سے واقف ہے۔

فَلَا تُزَکُّوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ؕ ہُوَ اَعۡلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی ۝ ۱ پس اپنے نفس کی پاکیزگی نہ جتاؤ، اللہ پرہیزگار کو خوب جانتا ہے۔

حدیث میں آیا ہے:

اِنَّ السَّرِیرَۃَ اِذَا صَحَّتۡ قَوِیَتِ الۡعَلَانِیَۃُ۔ ۲ انسان کا باطن اگر درست ہو جائے تو ظاہر بھی مضبوط رہتا ہے۔

بَصِیۡرَۃٌ میں تاء یا تو تانیث کے لیے ہے، محذوف حجۃ کی صفت کے طور پر یعنی حجۃ بصیرۃ یا یہ تاء مبالغہ کے لیے ہے جیسے علامۃ اور نسابۃ میں ہے یعنی انسان اپنے آپ کو خوب جانتا ہے۔

۲۔ وَّ لَوۡ اَلۡقٰی مَعَاذِیۡرَہٗ: خواہ وہ لاکھ معذرتیں پیش کرے۔ مَعَاذِیۡرَ ایک قول کے مطابق معذرۃ کی نہیں معذار کی جمع ہے جو پردے کو کہتے ہیں۔ بنا برایں ترجمہ اس طرح ہو گا: خواہ وہ پردہ ڈالے رکھے یعنی ایک خیانت کار مجرم اپنی خیانت اور جرم کے ارتکاب کی لاکھ توجیہ اور عذر تراشے یا اس پر پردہ ڈالنے کی پوری کوشش کرے، اس کا ضمیر خوب جانتا ہے کہ اس نے اس جرم کا ارتکاب کس محرک کے تحت کیا ہے۔ وہ اپنے ضمیر کو نہ دھوکہ دے سکتا ہے، نہ اس سے چھپا سکتا ہے۔

لَا تُحَرِّکۡ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعۡجَلَ بِہٖ ﴿ؕ۱۶﴾ ۱۶۔ (اے نبی) آپ وحی کو جلدی (حفظ) کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں۔
اِنَّ عَلَیۡنَا جَمۡعَہٗ وَ قُرۡاٰنَہٗ ﴿ۚۖ۱۷﴾ ۱۷۔ اس کا جمع کرنا اور پڑھوانا یقیناً ہمارے ذمے ہے۔
فَاِذَا قَرَاۡنٰہُ فَاتَّبِعۡ قُرۡاٰنَہٗ ﴿ۚ۱۸﴾ ۱۸۔ پس جب ہم اسے پڑھ چکیں تو پھر آپ (بھی) اسی طرح پڑھا کریں۔
ثُمَّ اِنَّ عَلَیۡنَا بَیَانَہٗ ﴿ؕ۱۹﴾ ۱۹۔ پھر اس کی وضاحت ہمارے ذمے ہے

---

۱ ۵۳ نجم: ۳۲ ۲ الکافی ۲: ۲۹۵۔ باب الریاء

تفسیر آیات

قیامت کے دن مومنین اور کافروں کے احوال بیان کرتے ہوئے درمیان میں چار آیتوں پر مشتمل جملہ معترضہ آ گیا جو وحی وصول کرنے کے طریقے پر مشتمل ہے۔ اس جملہ معترضہ کو دوران وحی ہی بیان کیا جا سکتا تھا جہاں رسول اللہ ﷺ اوائل وحی میں قرآن کو وحی کے دوران ساتھ ساتھ پڑھتے تھے کہ کوئی لفظ رہ نہ جائے۔ فرمایا:

۱۔ لَا تُحَرِّكۡ بِهٖ لِسَانَكَ: اپنی زبان کو اس غرض سے حرکت نہ دیں کہ وحی مکمل ہونے سے پہلے عجلت میں قرآن کو حفظ کر لیا جائے بلکہ وحی مکمل ہونے کے بعد قرآن کو پڑھا کریں۔ جیسے فرمایا:

وَلَا تَعۡجَلۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يُّقۡضٰۤى اِلَيۡكَ وَحۡيُهٗ ...[1] اور آپ پر ہونے والی اس کی وحی کی تکمیل سے پہلے قرآن پڑھنے میں عجلت نہ کریں۔

۲۔ اِنَّ عَلَيۡنَا جَمۡعَهٗ: یہ بات ہمارے ذمے ہے کہ قرآن کو ذہن سے منتشر ہونے سے بچا کر صفحۂ وجود میں مجتمع کر کے محفوظ کیا جائے جیسے فرمایا:

سَنُقۡرِئُكَ فَلَا تَنۡسٰۤى ۝[2] (عنقریب) ہم آپ کو پڑھائیں گے پھر آپ نہیں بھولیں گے۔

چونکہ قرآن رسول اللہ ﷺ کو حواس کے ذریعہ نہیں پڑھایا جاتا بلکہ آپ ﷺ کے وجود میں اتارا جاتا ہے جس میں فراموشی کے لیے گنجائش نہیں ہے۔

۳۔ وَقُرۡاٰنَهٗ: اور قرآن آپ کی زبان پر جاری کرنا بھی ہمارے ذمے ہے۔ لہٰذا وحی وصول کرنے کے بعد آپ کے قلب میں قرآن محفوظ کرنا، پھر اسے آپ کی زبان پر جاری کرنا ہمارے ذمے ہے۔ محفوظ کرنے میں خلل آنے کا امکان ہے اور نہ پڑھنے میں کسی قسم کا خلل ممکن ہے۔ قُرۡاٰنَهٗ میں قرآن بمعنی مصدر ہے۔ یعنی اس کا پڑھانا ہمارے ذمے ہے۔

۴۔ فَاِذَا قَرَاۡنٰهُ: جب ہم پڑھ چکیں یعنی ہماری طرف سے جبرئیل وحی پڑھ چکیں تو اس کے بعد آپ اسی طرح پڑھیں۔ جبرئیل کا پڑھنا اللہ تعالیٰ نے اپنا پڑھنا قرار دیا ہے چونکہ فرشتوں کا عمل خود اللہ تعالیٰ کا عمل ہے، فرشتے اپنے اختیار و انتخاب کے مالک نہیں ہیں، امر خدا کے نفاذ کے لیے آلہ کار کی مانند ہیں جیسے بندوں کو رزق دینے میں پانی کا کردار ہے۔ اسی قسم کا کردار فرشتوں کا ہے۔

۵۔ فَاتَّبِعۡ قُرۡاٰنَهٗ: یہاں بھی قرآن بمعنی مصدر ہے۔ یعنی جب ہم اس قرآن کو بذریعہ وحی پڑھ چکیں تو اس کے بعد آپ پیروی کریں، قرآن کو اسی طرح پڑھنے میں جس طرح آپ پر وحی ہوئی ہے۔ فَاتَّبِعۡ

---

[1] ۲۰ طٰہٰ: ۱۱۴ [2] ۸۷ اعلی: ۶

امر ہے کہ قرآن کو اسی طرح پڑھو۔ یہ حکم اس صورت میں درست ہے، جب رسول اللہ ﷺ کے لیے اسی طرح پڑھنا ممکن ہو یعنی فراموشی کا امکان نہ ہو۔ اس فقرے سے بھی فَلَا تَنۡسٰۤی عدم فراموشی ثابت ہو جاتی ہے۔

۶۔ ثُمَّ اِنَّ عَلَیۡنَا بَیَانَہٗ: پھر اس قرآن کی وضاحت ہمارے ذمے ہے۔ اس آیت سے یہ واضح ہو گیا کہ قرآن کے علاوہ قرآن کی وضاحت بھی ہے۔ ایک قرآن ہے اور ایک بیانِ قرآن۔ قرآن اللہ تعالیٰ کا معجزاتی کلام ہے اور بیان قرآن سنت رسول ﷺ ہے۔ دونوں کا تعلق وحی سے ہے تاہم وحی اگر بطور معجزہ نازل ہوئی ہے تو قرآن ہے اور وحی اگر بطور وضاحت قرآن نازل ہوئی تو سنت و حدیث ہے۔ لہٰذا قرآن و حدیث ناقابل تفریق ہیں۔

دوسرے لفظوں میں قرآن کو بیان قرآن سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ قرآن کو بیان قرآن سے جدا کرنا ہے تو بقول بعض اہل قلم ایسا ہے جیسے ناخدا کو کشتی سے جدا کرنا۔

یہ بات امت مسلمہ کے نزدیک مسلمات میں سے ہے کہ قرآن اصول وکلیات بیان فرماتا ہے جیسے:

وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ ....[1] — اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔

نماز کس طرح قائم کرنی اور زکوۃ کس طرح ادا کرنی ہے؟ یہ بتانا حدیث کے ذمے ہے۔ آج امت مسلمہ کے لیے ایک جامع ترین نظام حیات میسر ہے جو بیان قرآن بمعنی حدیث کے طفیل ہے۔

لیکن تاریخ شاہد ہے لوگوں نے حدیث کی تدوین پر پابندی لگا دی اور قرآنی حقائق اس ہستی کی زبان سے واضح ہونے نہیں دیے جس کے سینے پر یہ قرآن نازل ہوا ہے۔ اس پابندی سے امت مسلمہ کو ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑا۔ چنانچہ رشید رضا تفسیر المنار میں لکھتے ہیں:

ونحن نجزم باننا نسینا و اضعنا من حدیث نبینا حظا عظیماً لعدم کتابة علماء الصحابة کلما سمعوه۔ — ہمیں یقین ہے کہ ہم نے اپنے نبی (ﷺ) کی حدیث میں سے بہت بڑے حصے کو فراموش اور ضائع کر دیا چونکہ علماء صحابہ نے جو کچھ سنا تھا اس کی کتابت نہیں کی۔

واضح رہے کہ مکتب اہل بیت تدوین حدیث پر پابندی سے متاثر نہیں ہوا چونکہ ہمارے ہاں حدیث عصر رسولؐ میں باملاء من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وآله وسلم وبخط علی علیه السلام تدوین ہو گئی تھی جو کتاب علی کے نام ائمہ علیہم السلام سے تواتراً ثابت ہے۔

قرآن اور بیان قرآن ناقابل تفریق ہونے پر آیات:

وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡہَوٰی ؕ﴿۳﴾ اِنۡ ہُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ۙ﴿۴﴾[2] — وہ خواہش سے نہیں بولتا۔ یہ تو صرف وحی ہوتی ہے جو (اس پر) نازل کی جاتی ہے۔

---

[1] ۲ بقرہ: ۴۳ [2] ۵۳ نجم: ۳۔۴

بلا استثنا رسول ﷺ نے جس حال میں بھی نطق کیا وہ وحی الٰہی ہے۔

وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمۡ عَنۡهُ فَانۡتَهُوۡا ...[1] اور رسول جو تمہیں دے دیں وہ لے لو اور جس سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔

سے بھی نہایت واضح ہے رسول ﷺ کا بیان، مثل قرآن وحی رحمٰن ہے۔

کَلَّا بَلۡ تُحِبُّوۡنَ الۡعَاجِلَۃَ ﴿۲۰﴾ وَ تَذَرُوۡنَ الۡاٰخِرَۃَ ﴿۲۱﴾

۲۰۔ (کیا یہ انکار اس لیے ہے کہ قیامت نا قابل فہم ہے؟) ہرگز نہیں! یہ اس لیے ہے کہ تم دنیا کو پسند کرتے ہو،

۲۱۔ اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو۔

تفسیر آیات

جملۂ معترضہ یہاں پر ختم ہوتا ہے اور سلسلہ کلام اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَلَّنۡ نَّجۡمَعَ عِظَامَہٗ کے ساتھ جڑ جاتا ہے کہ مشرک روز حساب اور جزا سزا کے منکر اس لیے ہیں کہ انہیں حب دنیا نے اندھا کر دیا ہے ورنہ قیامت پر دلائل قابل تردید نہیں ہیں۔

وُجُوۡہٌ یَّوۡمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰی رَبِّہَا نَاظِرَۃٌ ﴿۲۳﴾

۲۲۔ بہت سے چہرے اس روز شاداب ہوں گے،

۲۳۔ وہ اپنے رب (کی رحمت) کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

تفسیر آیات

۱۔ یَوۡمَئِذٍ: ''اس دن'' سے مراد حساب چکانے کے بعد جنت میں داخل ہونے کا زمانہ ہو سکتا ہے کہ اہل جنت کے چہروں پر جنت کی نعمتوں کی وجہ سے شادابی نظر آئے گی:

تَعۡرِفُ فِیۡ وُجُوۡہِہِمۡ نَضۡرَۃَ النَّعِیۡمِ ۞[2] ان کے چہروں سے آپ نعمتوں کی شادابی محسوس کریں گے۔

۲۔ اِلٰی رَبِّہَا نَاظِرَۃٌ: اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کو آخرت کے دن بالکل اسی طرح دیکھنا جس طرح ہم دنیا میں چیزوں کو دیکھتے ہیں ناممکن

---

[1] ۵۹ حشر: ۷ [2] ۸۳ مطففین: ۲۴

ہے۔ دنیا میں کسی چیز کو کسی خاص جہت، شکل اور رنگ میں دیکھ سکتے ہیں جب وہ ہمارے سامنے ہو۔ زیادہ دور بھی نہ ہو، آنکھوں کے زیادہ نزدیک بھی نہ ہو۔ روشنی کی شعاعیں اس چیز سے منعکس ہو کر آنکھ پر پڑیں۔ رویت کی یہ شکل نہ دنیا میں ممکن ہے، نہ آخرت میں۔

صحیحین کی ابو سعید خدری اور ابو ہریرہ کی روایات کے ظاہری معنی کہ تم آخرت میں اپنے رب کو بالکل اسی طرح دیکھو گے جیسے تم دنیا میں سورج اور چاند کو دیکھتے ہو، قرآن کی صراحت لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ ...[۱] کے خلاف ہے۔

اگر ہم رویت کے اس دنیاوی تصور سے ہٹ کر جائزہ لیں تو بات قابل فہم ہو سکتی ہے کہ آخرت کی رؤیت وہ نہ ہو گی جو دنیا میں ہے بلکہ آخرت کی رویت کی نوعیت اس رویت کے قریب اور مشابہ ہو گی جو دنیا میں اس کے خاص بندوں کی ہوتی ہے۔

چنانچہ ابی عبد اللہ علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب حبرؑ حضرت علی علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا: یا امیر المومنین!

هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ حِينَ عَبَدْتَهُ قَالَ فقال: وَيْلَكَ مَا كُنْتُ أَعْبُدُ رَبّاً لَمْ أَرَهُ قَالَ وَ كَيْفَ رَأَيْتَهُ قَالَ وَيْلَكَ لَا تُدْرِكُهُ الْعُيُونُ فِي مُشَاهَدَةِ الْأَبْصَارِ وَلَكِنْ رَأَتْهُ الْقُلُوبُ بِحَقَائِقِ الْإِيْمَانِ...[۲]

جب آپ اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں تو کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ فرمایا: میں ایسے رب کی عبادت نہیں کرتا جسے میں نے دیکھا نہ ہو۔ عرض کیا: کیسے دیکھا ہے؟ فرمایا: اللہ کو بصارت کے ذریعے آنکھوں نے نہیں دیکھا بلکہ ایمانی حقائق کے ذریعے دلوں نے دیکھا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:

اَبْيَنُ مِمَّا تَرَى الْعُيُونُ...[۳]

وہ ان چیزوں سے بھی زیادہ (اپنے مقام پر) ثابت و آشکار ہے کہ جنہیں آنکھیں دیکھتی ہیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام سے مروی ہے:

عمیت عین لا تراك۔[۴]

اندھی ہو وہ آنکھ جو تجھے دیکھ نہ سکے۔

سورہ انعام آیت ۱۰۳ اور اعراف آیت ۱۴۳ کے ذیل میں ہم نے ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ادراک نگاہوں کے ذریعے ممکن نہیں ہے۔ لہٰذا اِلٰی رَبِّہَا نَاظِرَۃٌ کا مطلب یا تو الی رحمة ربها ہے یا نظر کی نوعیت قلبی اور معرفتی ہے۔

بعض مفسرین نے نَاظِرَۃٌ کا معنی انتظار سے کیا ہے۔ یعنی اپنے رب کی رحمت کے انتظار میں ہوں گے اور استعمالات عرب سے اس کی شاہد مثال پیش کی ہے۔ اس جگہ بھی اِلٰی کے ساتھ مذکور ہے ہو سکتا ہے

---

[۱] ۴۲ شوریٰ: ۱۱ [۲] الکافی ۱: ۹۷ باب ابطال الرویة [۳] نہج البلاغہ خ ۱۵۵ [۴] بحار الانوار ۶۴: ۱۴۲

معنی یہ ہوں: منتظرة لثواب ربها۔ یہ چہرے اپنے رب کی طرف سے ثواب کے منتظر ہوں گے۔

مجمع البیان میں آیا ہے کہ یہی موقف مجاهد، حسن، سعید بن جبیر اور ضحاک نے اختیار کیا ہے اور حضرت علی علیہ السلام سے بھی یہی روایت ہے۔

وَ وُجُوۡہٌ یَّوۡمَئِذٍۭ بَاسِرَۃٌ ﴿۲۴﴾

تَظُنُّ اَنۡ یُّفۡعَلَ بِہَا فَاقِرَۃٌ ﴿۲۵﴾

۲۴۔ اور بہت سے چہرے اس دن بگڑے ہوئے ہوں گے،

۲۵۔ جو گمان کریں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ معاملہ ہونے والا ہے۔

تشریح کلمات

بَاسِرَۃٌ: (ب س ر) البسر منہ بگاڑنے کے معنوں میں ہے۔

فَاقِرَۃٌ: (ف ق ر) الفقیر اصل میں اسے کہتے ہیں جس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹی ہوئی ہو۔ کہتے ہیں: فقرته الفاقرة۔ مصیبت نے اس کی کمر توڑ دی۔

تفسیر آیات

۱۔ وُجُوۡہٌ: اور بہت سے چہرے قیامت کی ہولناک صورت حال کو دیکھ کر بگڑ رہے ہوں گے۔ یعنی ان کے چہروں سے ان کی پریشانی ظاہر ہو رہی ہوگی۔

۲۔ تَظُنُّ: اس گمان کی وجہ سے، بلکہ یہاں "گمان" یقین کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اس یقین کی وجہ سے کہ ان پر ایسی مصیبت آنے والی ہے جو کمر شکن ہوگی۔ مصیبت کی شدت کی طرف اشارہ ہے۔

۴۰۰

کَلَّاۤ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ ﴿۲۶﴾

وَ قِیۡلَ مَنۡ ٜ رَاقٍ ﴿۲۷﴾

وَّ ظَنَّ اَنَّہُ الۡفِرَاقُ ﴿۲۸﴾

وَ الۡتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾

اِلٰی رَبِّکَ یَوۡمَئِذِۣ الۡمَسَاقُ ﴿۳۰﴾ ع

۲۶۔ (کیا تم اس دنیا میں ہمیشہ رہو گے؟) ہرگز نہیں! جب جان حلق تک پہنچ جائے گی،

۲۷۔ اور کہا جائے گا: کون ہے (بچانے والا) معالج؟

۲۸۔ اور وہ سمجھ جائے گا کہ اس کی جدائی کا لمحہ آ گیا ہے،

۲۹۔ اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی،

۳۰۔ تو وہ آپ کے رب کی طرف چلنے کا دن ہوگا۔

تفسیر آیات

۱۔ كَلَّا : ہرگز نہیں۔ یعنی یہ مشرکین قیامت کو ہرگز تسلیم نہیں کریں گے یا یہ جملہ سوالیہ کا جواب ہو گا: کیا تم اس دنیا میں ہمیشہ رہو گے؟ كَلَّا ہرگز نہیں۔ تمہاری جان جب حلق تک پہنچ جائے گی اور حالت نزع تم پر طاری ہو گی تو اس وقت کہا جائے گا: کون ہے اس مرنے والے جاں بلب کو شفا دینے والا؟ فرشتوں میں یہ سوال اٹھے گا کہ اس مرنے والے کی روح کو اٹھانے والے فرشتہ ہائے رحمت ہوں گے یا فرشتہ ہائے عذاب۔

۲۔ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ : یہاں بھی ظن، یقین کے معنوں میں ہے کہ جب جان حلق تک پہنچ چکی ہو گی تو اس وقت اس کی موت یقینی طور پر سامنے آئے گی اور سمجھ جائے گا اب جدائی کا وقت آ گیا ہے۔ مال و اولاد، دنیا کی زندگی سے جدائی کا وقت آ گیا ہے۔

۳۔ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ : اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی۔ یہ تعبیر اپنے لغوی ظہور کے مطابق لی جائے تو معنی یہ ہوئے کہ حالت نزع میں انسان کی پنڈلی حرکت میں نہ ہو گی۔ ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے ہو گی یا اس بات کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے کہ میت کو جب کفن دیا جاتا ہے تو دونوں پنڈلیوں کو لپیٹ لیا جاتا ہے۔

اگر عربی محاورے کی طرف رجوع کیا جائے تو الساق نامساعد حالت اور مصیبت کو کہتے ہیں۔ اس صورت میں آیت کے معنی یہ ہوں گے: وہ وقت، مصیبت بالائے مصیبت کا وقت ہو گا۔ دنیا سے جدائی کی مصیبت، آخرت کے عذاب میں داخل ہونے کی مصیبت۔

البتہ لغت کے اعتبار سے سوق نزع کی حالت کو بھی کہتے ہیں۔ روایت ہے:

دخل سعيد على عثمان وهو فى السوق۔ [1]	سعید، عثمان کے پاس اس وقت داخل ہوئے جب وہ حالت نزع میں تھے۔

گویا اس کی روح کو چلایا گیا کہ بدن سے نکل جائے۔

۴۔ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ِالْمَسَاقُ : اے رسول! یہ وہ وقت ہو گا جب مجرموں کو اللہ کی بارگاہ کی طرف چلایا جائے گا۔ الْمَسَاقُ چلانے کو کہتے ہیں۔ اس میں چلانے والا خود اللہ تعالیٰ ہے۔ منزل بھی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ جہاں مجرم کو حساب دینا اور اپنے عمل کا نتیجہ بھگتنا ہے۔

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾	۳۱۔ پس اس نے نہ تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی

---

[1] لسان العرب

وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝۳۲ ۳۲۔ بلکہ تکذیب کی اور روگردانی کی۔

ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ۝۳۳ ۳۳۔ پھر اکڑتا ہوا اپنے گھر والوں کی طرف چل دیا۔

تشریح کلمات

يَتَمَطّٰى: (م ط ی) اس کے اصل معنی المطا پیٹھ کو بڑھانے اور لمبا کرنے کے ہیں جیسا کہ انگڑائی لیتے وقت انسان کرتا ہے اور کنایہ کے طور پر اکڑ کر چلنے کے معنی میں آتا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ بعض روایات کے مطابق ان جملوں کا اشارہ ابوجہل کی طرف ہے۔ بعض مفسرین کے مطابق ان جملوں کا اشارہ اس شخص کی طرف ہے جس کا ذکر اس آیت میں آیا: اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ۔[1]

بہرحال اس شخص نے نہ ان باتوں کی تصدیق کی جن کی تصدیق پر دلیل قائم تھی جیسے رسالت، وحی، قرآن اور قیامت، نہ اللہ کی بندگی سے مربوط کوئی عمل کیا جیسے نماز بلکہ تصدیق و عمل کی جگہ تکذیب اور روگردانی کی۔

آیت سے اس بات کا علم ہو جاتا ہے کہ تصدیق و ایمان کا لازمی نتیجہ بندگی اور عمل ہے اور عمل میں سب سے پہلے نماز کا درجہ آتا ہے۔ تصدیق و ایمان کی نفی کے بعد ہر عمل کی نفی ہو ہی جاتی لیکن وَلَا صَلّٰى نہ نماز پڑھی فرما کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا: کفر کی ایک علامت نماز نہ پڑھنا ہے۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام روایت میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَا بَيْنَ الْكُفْرِ وَ الْاِيْمَانِ اِلَّا تَرْكُ الصَّلَاةِ۔[2] کفر اور ایمان کے درمیان صرف ترک نماز کا فاصلہ ہے۔

۲۔ ثُمَّ ذَهَبَ: سورہ قیامت کی ان آیات کو سن کر اس نے اس میں مذکورہ تمام حقائق کو جھٹلا کر تکبر اور نخوت کے انداز میں اپنے اہل و عیال کا رخ کیا۔ ایسا شخص اللہ کے غضب کا سزاوار ہے۔

اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝۳۴ ۳۴۔ تیرے لیے تباہی پر تباہی ہے۔

ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝۳۵ ۳۵۔ پھر تیرے لیے تباہی پر تباہی ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اَوْلٰى لَكَ: اَوْلٰى صیغہ افعل تفضیل ہے اَلْوَلْيُ سے یعنی عذاب تیرے لیے اولیٰ ہے۔ کہتے ہیں

---

[1] ۷۵ قیامت: ۳ [2] الوسائل ۴: ۴۳

اصل میں اولاك الله ما تكرهه ہے۔ اللہ تجھے ایسی بلا سے دوچار کرے جو تجھے پسند نہ ہو یا یہ ہے النار اولی لك آتش جہنم ہی تیرے لیے سزاوار تر ہے۔ محاورۃً یہ ترکیب بد دعا کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ جیسے ویل لك ہے۔

اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَنۡ یُّتۡرَکَ سُدًی ﴿۳۶﴾	۳۶۔ کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اسے یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟
اَلَمۡ یَکُ نُطۡفَۃً مِّنۡ مَّنِیٍّ یُّمۡنٰی ﴿۳۷﴾	۳۷۔ کیا وہ (رحم میں) ٹپکایا جانے والا منی کا ایک نطفہ نہ تھا؟
ثُمَّ کَانَ عَلَقَۃً فَخَلَقَ فَسَوّٰی ﴿۳۸﴾	۳۸۔ پھر لوتھڑا بنا پھر (اللہ نے) اسے خلق کیا پھر اسے معتدل بنایا۔
فَجَعَلَ مِنۡہُ الزَّوۡجَیۡنِ الذَّکَرَ وَ الۡاُنۡثٰی ﴿۳۹﴾	۳۹۔ پھر اس سے مرد اور عورت کا جوڑا بنایا۔
اَلَیۡسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یُّحۡیِ َ الۡمَوۡتٰی ﴿۴۰﴾ ع ۲ / ۱۸	۴۰۔ کیا اس ذات کو یہ قدرت حاصل نہیں کہ مرنے والوں کو زندہ کرے؟

تشریح کلمات

سُدًی: (س د د) مہمل چھوڑنا۔ شتر بے مہار کو اھل سدی کہتے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ: کیا اس منکر قیامت انسان کا یہ گمان ہے کہ ہم اسے یونہی چھوڑ دیں گے کہ اس کے اعمال کا کوئی مثبت اور منفی نتیجہ نہ ہو گا۔ ایک ظالم اپنا ہاتھ بے گناہ لوگوں کے خون سے رنگین کرتا ہے، دوسرا لوگوں کا مال غصب کر کے کھاتا ہے۔ تیسرا شخص لوگوں کو سہارا دیتا ہے۔ ان پر احسان کرتا ہے۔ کیا ان دونوں کرداروں کا کوئی نتیجہ نہیں ہے۔ انسان اس دنیا میں بیہودہ پیدا ہوا ہے:

اَفَحَسِبۡتُمۡ اَنَّمَا خَلَقۡنٰکُمۡ عَبَثًا وَّ اَنَّکُمۡ اِلَیۡنَا لَا تُرۡجَعُوۡنَ ۝ [1]	کیا تم نے یہ خیال کیا تھا کہ ہم نے تمہیں عبث خلق کیا ہے اور تم ہماری طرف پلٹائے نہیں جاؤ گے؟

کہ ظالم اپنا ہاتھ مظلوموں کے خون سے رنگین کرے اور مظلوم ظلم سہ کر جان دے دے۔ دونوں کا ایک جیسا

[1] ۲۳ مومنون: ۱۱۵

انجام ہو گا؟ انسان زمین پر بے مقصد نہیں آیا۔ وہ نیچر (طبیعت) کے ہاتھوں کھلونا نہیں ہے کہ بلا مقصد دکھ درد سہ کر نابود ہو جائے۔

۲۔ اَلَمۡ یَکُ نُطۡفَۃً: جو لوگ موت کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کو ناممکن تصور کرتے ہیں ان کے لیے فرمایا: جس ذات نے اس بوند سے انسان بنایا جو موجود نہ تھی۔ اس کے لیے ایک موجود ہڈی سے انسان بنانا کیا مشکل ہے جب کہ ہڈی کے ذرات میں انسان کی مکمل خاصیت محفوظ رہتی ہے۔ تفصیل کے لیے سورہ ق آیت ۴ وَعِنۡدَنَا کِتٰبٌ حَفِیۡظٌ ۔ ملاحظہ فرمائیں۔

۳۔ ثُمَّ کَانَ عَلَقَۃً: ایک بوند سے گوشت کے لوتھڑے میں تمہیں بدل دیا۔ فَسَوّٰی پھر اس سے تمہاری تخلیق ہوئی۔ تفصیل کے لیے سورہ مومنون آیت ۱۴ ملاحظہ فرمائیں۔

۴۔ فَجَعَلَ مِنۡہُ الزَّوۡجَیۡنِ: پھر بقائے نسل انسانی کے لیے انسان کو مرد و زن پر مشتمل بنا دیا۔

۵۔ اَلَیۡسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ: کیا یہ رب جس نے ایک بوند سے انسان پیدا کیا، وہ اس ہڈی کے ذرات سے انسان کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا۔ دوسرے لفظوں میں جو ذات پہلی بار حیات، عدم سے وجود میں لائی ہے، کیا وہ اسی قدرت سے اعادہ حیات پر قادر نہیں ہے؟ سائنسی تجربات کی روشنی میں بھی حیات باقی رہتی ہے خواہ اسے سینکڑوں بلکہ ہزاروں درجہ حرارت سے گزارا جائے اور حالات اور فضا سازگار ہونے پر اس کا اعادہ ہو جاتا ہے۔

سُورَةُ الْاِنْسَان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اس سورۃ مبارکہ کو آیت هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ.... میں مذکور لفظ انسان سے سورۃ الْاِنْسَانِ کہتے ہیں اور حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ میں مذکور لفظ الدَّهْر سے سورۃ الدَّهْر بھی کہتے ہیں۔

یہ سورہ جمہور کے نزدیک مدنی ہے۔ اگرچہ حضرت ابن عباس کی ایک روایت میں ہے کہ یہ مکی ہے لیکن یہ روایت معارض ہے اس روایت کے جو خود ابن عباس سے منقول ہے جسے ابن ضریس، ابن مردویہ اور بیہقی نے نقل کیا ہے۔ اس میں صریحاً مذکور ہے کہ یہ سورہ مدنی ہے۔

پھر قابل توجہ یہ ہے کہ اس سورۃ میں اسیر کو کھانا کھلانے کا ذکر ہے۔ یہ دلیل ہے کہ سورۃ مدنی ہے چونکہ اسیر بنانے کا عمل ہجرت کے بعد وجود میں آیا ہے۔

چنانچہ تفسیر بیضاوی نے لکھا ہے:

وَّاَسِيْرًا یعنی اسراء الکفار فانه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یوتی لاسیر فیدفعه الی بعض المسلمین فیقول احسن الیه۔

وَّاَسِيْرًا سے مراد کفار کے اسیر ہیں چونکہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب کوئی اسیر لایا جاتا تو اسے کسی مسلمان کے حوالے کر دیتے اور فرماتے اس پر احسان کرو۔

ابن کثیر نے ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں:

کان اسراء هم یومئذ مشرکین و یشهد لهذا ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم امر اصحابه یوم بدر ان یکرموا الاساری۔

ان دنوں اسیر، مشرکین ہوتے تھے۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے دن اصحاب کو حکم دیا اسیروں پر احسان کرو۔

تفسیر مظہری میں آیا ہے:

بل نفس الایة یقتضی کونها مدنیّة	خود آیت یہ تقاضا کرتی ہے کہ یہ مدنی ہے کیونکہ اسیر تو
لان الاساری لم تکن الا بالمدینة	صرف مدینہ میں ہوتے تھے۔ مکہ میں تو نہ جہاد تھا، نہ
لم یکن بمکة جهادا ولا اسراً۔	اسیر۔

اس لیے اکثر مفسرین نے کہا ہے یہاں اسیر سے مراد مشرک اسیر ہے اور یہ بات نہایت واضح ہے کہ مکہ میں مسلمانوں کے ہاتھوں میں مشرک اسیر نہ تھے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بنام خدائے رحمٰن رحیم

هَلۡ اَتٰی عَلَی الۡاِنۡسَانِ حِیۡنٌ مِّنَ الدَّهۡرِ لَمۡ یَکُنۡ شَیۡـًٔا مَّذۡکُوۡرًا ①

ا۔ کیا زمانے میں انسان پر ایسا وقت آیا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا؟

تفسیر آیات

کیا روئے زمین پر موجود اس انسان پر ایسا وقت نہیں آیا کہ وہ لَمۡ یَکُنۡ یعنی عدم کے مرحلے میں تھا۔ اس کے وجود کے آثار میں سے کوئی اثر موجود نہ تھا۔ درست ہے کہ جسم انسان جن ارضی عناصر سے وجود میں آیا ہے وہ عناصر کرۂ ارض کے اطراف میں منتشر تھے لیکن سوال ان عناصر پر بھی آتا ہے کہ یہ عناصر بھی کسی زمانے میں عدم کی تاریکی میں معدوم اور لَمۡ یَکُنۡ کے مرحلے میں تھے۔ پھر انسان، جسم و روح دونوں سے مرکب ہے۔ روح خاکی نہیں ہے یہ بھی لَمۡ یَکُنۡ شَیۡـًٔا کے تحت وجود کی روشنی سے ناآشنا تھی۔

حدیث میں آیا ہے:

کان اللّٰہ و لم یکن معه شیء ...[1] اللہ اس وقت بھی تھا جب اللہ کے ساتھ کوئی شے موجود نہ تھی۔

بتانا یہ مقصود ہے کہ انسان عدم سے وجود میں لایا گیا ہے۔ یہ سمجھانے کے لیے کہ یہ انسان جب عدم سے وجود میں آیا ہے تو اس کا اعادۂ وجود ممکن ہے۔

---

[1] بحار الانوار ۵۴: ۲۳۳

اِنَّا خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ اَمۡشَاجٍ ٭ۖ نَّبۡتَلِیۡہِ فَجَعَلۡنٰہُ سَمِیۡعًۢا بَصِیۡرًا ﴿۲﴾

۲۔ ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا کہ اسے آزمائیں، پس ہم نے اسے سننے والا، دیکھنے والا بنایا۔

تشریح کلمات

اَمۡشَاجٍ: (م ش ج) دو چیزوں کے باہم مخلوط ہونے کو کہتے ہیں۔ اَمۡشَاجٍ جمع ہے مشج کی۔ اہل لغت کہتے ہیں اس کا مفرد استعمال میں نہیں ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ اَمۡشَاجٍ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا ہے۔ نُّطۡفَۃٍ اَمۡشَاجٍ کے بارے میں ہم نے مقدمہ تفسیر صفحہ ۸۸ میں تفصیل بیان کی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے:

> سیل (Cell) کی دو قسمیں ہیں: جسمانی اور جنسی۔ جسمانی سیل کا مرکزہ ۴۶ کرموزومز پر مشتمل ہوتا ہے جب کہ جنسی سیل کا مرکزہ صرف ۲۳ کرموزومز پر مشتمل ہے یعنی جسمانی سیل کا نصف۔ چنانچہ انسانی تخلیق کے لیے ایک مکمل سیل کی تشکیل کے لیے مرد وزن میں سے ہر ایک ۲۳ کروموزومز فراہم کرتے ہیں جن سے ایک مکمل سیل بہ اصطلاح قرآن نُّطۡفَۃٍ اَمۡشَاجٍ مخلوط نطفہ وجود میں آتا ہے۔ یعنی مرد کا جرثومہ اور عورت کا تخم دونوں مل کر ایک مکمل سیل تشکیل دیتے ہیں۔

۲۔ نَّبۡتَلِیۡہِ: اس فقرے کی دو تفسیریں ہیں: ایک یہ کہ ہم نے اس انسان کو نُّطۡفَۃٍ اَمۡشَاجٍ (مخلوط نطفہ) سے مختلف حالتوں میں بدل کر سمیع و بصیر ہونے کے قابل بنا دیا۔ اس تفسیر کے مطابق نَّبۡتَلِیۡہِ تبدل کے معنوں میں ہے۔ دوسری تفسیر میں نَّبۡتَلِیۡہِ کے معنی آزمائش اور امتحان کے ہیں۔ یعنی ہم نے انسان کو نُّطۡفَۃٍ اَمۡشَاجٍ سے قابل آزمائش و امتحان بنا دیا۔ ۴۱۰

پہلی تفسیر زیادہ قرین واقع معلوم ہوتی ہے چونکہ سمیع و بصیر کو فاء تفریع (بیان نتیجہ) کے طور پر ذکر فرمایا ہے کہ نطفہ سے لوتھڑے، پھر بوٹی، پھر ہڈی بننے، پھر ہڈی پر گوشت چڑھانے کے مراحل میں تبدیل ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلق آخر یعنی سمیع و بصیر انسان بن گیا۔

اِنَّا ہَدَیۡنٰہُ السَّبِیۡلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّ اِمَّا کَفُوۡرًا ﴿۳﴾

۳۔ ہم نے اسے راستے کی ہدایت کر دی خواہ شکر گزار بنے اور خواہ ناشکرا۔

تفسیر آیات

۱۔ اِنَّا ہَدَیۡنٰہُ السَّبِیۡلَ: انسان کی تخلیق کے بعد اسے اپنے حال پر نہیں چھوڑا بلکہ اسے منزل مقصود اور غرض تخلیق کی سمجھ دے دی۔ السَّبِیۡلَ سے مراد یہی غرض تخلیق ہے۔ جیسے فرمایا:

قَالَ رَبُّنَا الَّذِیۡۤ اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَہٗ ثُمَّ ہَدٰی ۝[۱] ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی خلقت بخشی پھر ہدایت دی۔

اور ہدایت سے مراد تشریعی اور تکوینی دونوں ہوسکتی ہیں۔ لہٰذا آیت سے مطلب اخذ ہوسکتا ہے:

الف ہَدَیۡنٰہُ: ہدایت اس کی فطرت میں ودیعت فرمائی:

فَاَلۡہَمَہَا فُجُوۡرَہَا وَ تَقۡوٰىہَا ۝[۲] پھر اس نفس کو اس کی بدکاری اور اس سے بچنے کی سمجھ دی،

اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے ذریعے بھی ہدایات کا سامان فراہم فرمایا:

وَ اِنۡ مِّنۡ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیۡہَا نَذِیۡرٌ ۝[۳] اور کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں کوئی متنبہ کرنے والا نہ آیا ہو۔

ب السَّبِیۡلَ: سے مراد وہ راستہ ہے جس پر چل کر انسان اس منزل تک پہنچ جاتا ہے جس کے لیے انسان کی تخلیق ہوئی ہے۔ جیسے فرمایا:

ثُمَّ السَّبِیۡلَ یَسَّرَہٗ ۝[۴] پھر اس کے لیے راستہ آسان بنا دیا۔

۲۔ اِمَّا شَاکِرًا وَّ اِمَّا کَفُوۡرًا یہ ہدایت، راستہ دکھانے کا کام انجام دیتی ہے۔ منزل تک ہر صورت میں پہنچانا اس ہدایت کی ذمہ داری نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس ہدایت کی ذمہ داری یہ ہے کہ انسان کے منزل پر پہنچنے کے لیے ضروری سامان فراہم کرے۔ آگے اس کا ہاتھ پکڑ کر جبراً منزل تک پہنچانا اس ہدایت کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ اس ہدایت کے آنے کے بعد انسان دوراہے پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ ان دونوں میں سے ایک کا انتخاب اس کے اختیار میں ہے: اِمَّا شَاکِرًا یا تو وہ شکرگزار بن جائے۔ شکرگزار بننے کی صورت یہ ہو گی کہ اس ہدایت سے فائدہ اٹھائے اور اس سبیل پر رواں دواں ہو جائے جس سے وہ اس منزل تک پہنچ پائے جو اس کی غرض تخلیق ہے۔ اس طرح اس نعمت ہدایت کا شکر ادا ہو جائے گا۔

وَّ اِمَّا کَفُوۡرًا یا ناشکرا بن جائے۔ ناشکری کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ اس ہدایت سے فائدہ نہیں اٹھاتا، ہدایت کی اس نعمت کو پس پشت ڈال دیتا ہے اور اس سبیل پر نہیں چلتا جو اسے منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے دکھائی گئی ہے۔

---

[۱] ۲۰ طٰہٰ: ۵۰ [۲] ۹۱ شمس: ۸ [۳] ۳۵ فاطر: ۲۴ [۴] ۸۰ عبس: ۲۰

انسان ان دونوں راستوں میں کس راستے کا انتخاب کرتا ہے؟ وہ اس کے اختیار میں ہے۔ وہ چاہے تو شاکر بن جائے اور چاہے تو کافر بن جائے۔

اس آیت سے یہ بات پوری وضاحت سے ثابت ہو جاتی ہے کہ انسان اپنے ارادے میں خود مختار ہے۔ کسی عمل کے انجام دینے کے اوزار اور طاقت اللہ کی طرف سے ہے لیکن اللہ کی طرف سے حاصل ہونے والی طاقت عمل سے وہ کسی کام کے انجام دینے پر مجبور نہیں ہوتا ہے اور نہ ترک کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ یہ دونوں باتیں انسان کے سامنے ہیں۔ ان دونوں میں سے ایک کا انتخاب انسان کے ہاتھ میں ہے ورنہ جبر کی صورت میں آزمائش قابل تصور نہیں ہے۔

اِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا لِلۡکٰفِرِیۡنَ سَلٰسِلَاۡ وَ اَغۡلٰلًا وَّ سَعِیۡرًا ﴿۴﴾

۴۔ ہم نے کفار کے لیے زنجیریں اور طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔

تفسیر آیات

اس آیت میں کفران نعمت کرنے اور ہدایت الٰہی سے فائدہ نہ اٹھانے والوں کی عاقبت کا ذکر ہے۔

فرمایا: ہم نے کافروں کے لیے تین چیزیں تیار کر رکھی ہیں:

i۔ سلاسل: زنجیریں جن سے ان کافروں کو کھینچ کر لے جائیں گے۔

ii۔ اغلال: طوق جس میں انہیں قید و بند رکھا جائے گا۔

iii۔ سَعِیۡرًا: جس میں انہیں جلایا جائے گا۔

اِنَّ الۡاَبۡرَارَ یَشۡرَبُوۡنَ مِنۡ کَاۡسٍ کَانَ مِزَاجُهَا کَافُوۡرًا ﴿۵﴾

۵۔ نیکی کے مرتبے پر فائز لوگ ایسا مشروب پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی۔

شان نزول: اس آیت سے آیت نمبر ۲۲ تک آیات اہل بیت رسول ﷺ کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔

زمخشری نے الکشاف ذیل آیہ میں تحریر کیا ہے:

> ابن عباس سے روایت ہے کہ حسن و حسین (علیہما السلام) مریض ہوئے تو رسول اللہ ﷺ چند لوگوں کے ہمراہ عیادت کے لیے آئے۔ لوگوں نے کہا: اے ابوالحسن! اپنے بیٹوں کی خاطر نذر مان لیں۔ چنانچہ علیؑ فاطمہؑ اور ان کی کنیز فضہ نے نذر مانی کہ اگر حسنین (علیہما السلام) شفایاب ہو جائیں تو تین دن روزہ رکھیں گے۔ چنانچہ حسنین (علیہما السلام)

شفایاب ہوئے لیکن ان کے گھر میں کچھ نہیں تھا۔ چنانچہ علی (ع) نے شمعون خیبری یہودی سے تین صاع جو قرض لیا۔ چنانچہ فاطمہ (س) نے ایک صاع جو پیس لیا اور پانچ روٹیاں پکائیں اور ان کے سامنے افطار کے لیے رکھ دیں تو ایک سائل ان کے دروازے پر کھڑا ہوا اور کہا: السلام علیکم اہل بیت محمد! میں مسلمانوں کے مساکین میں سے ایک مسکین ہوں مجھے کچھ کھلائیں۔ اللہ آپ کو جنت کے دسترخوان سے اطعام کرے۔ چنانچہ سب نے اس مسکین کو ترجیح دی اور صرف پانی پر افطار کیا اور دوسرے دن روزہ رکھا۔ دوسرے دن بھی جب افطار کے لیے بیٹھ گئے تو ایک یتیم نے سوال کیا تو سارا کھانا اس یتیم کو دیا۔ تیسرے دن ایک اسیر نے سوال کیا تو سارا کھانا اس اسیر کو دیا۔ چنانچہ علی رضی اللہ عنہ حسن اور حسین (علیہما السلام) کے ہاتھ پکڑ کر رسول صلی اللہ علیہ و آلہ کی خدمت میں لے گئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ و آلہ نے انہیں گرسنگی کی وجہ سے چوزے کی طرح لرزتے دیکھا تو فرمایا: جو حال تمہارا میں دیکھ رہا ہوں اس سے میں شدید متاثر ہوا ہوں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ ان کے ہمراہ گئے تو دیکھا حضرت فاطمہ (سلام اللہ علیہا) محراب عبادت میں گرسنگی کی حالت میں اور آنکھیں دھنسی ہوئی ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ و آلہ اس سے متاثر ہوئے۔ پس جبرئیل نازل ہوئے اور کہا یہ لیجیے اپنے اہل بیت کے بارے میں آپ کو مبارک ہو۔ پھر یہ سورہ پڑھ کر سنایا۔

اس روایت کے طرق درج ذیل ہیں:

i۔ حضرت علی علیہ السلام ۔ ملاحظہ ہو شواھد التنزیل ۲: ۴۹۳۔ غایة المرام ص۳۶۸۔ تفسیر فرات ص۱۹۶۔ امالی صدوق حدیث ۱۱ مجلس ۴۴۔

ii۔ ابن عباس۔ حضرت ابن عباس سے یہ روایت چند ایک طرق سے منقول ہے:

الف۔ مجاہد

ب۔ ابو صالح

ج۔ عطاء سے

iii۔ زید بن ارقم۔ یہ روایت ابن عباس کی روایت سے اگرچہ مختلف عبارت میں ہے لیکن تین سائلوں کے اطعام کے بارے میں ان آیات کے نزول پر اتفاق ہے۔

iv۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ۔ یہ روایت چند ایک طرق سے منقول ہے:

الف۔ مسلمہ بن جابر

ب۔ روح بن عبد اللّٰہ

ج۔ ابن عمار

د۔ میمون القداح۔

چنانچہ اس روایت کو ائمہ حدیث و تفسیر البرھان نے بیان کیا ہے۔ ان میں ابو جعفر اسکانی متوفی ۲۴۰ ھ، محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ، حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ ھ، ثعلبی متوفی ۴۲۷ ھ، حافظ ابن مردویہ متوفی ۴۱۶ ھ، واحدی نیشاپوری متوفی ۴۶۸ ھ، زمخشری متوفی ۵۳۸ ھ وغیرھم قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ ۲۷ مصادر و منابع کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو الغدیر ۳: ۱۰۷۔

ان میں سبط ابن الجوزی کا بھی ذکر آتا ہے جنہوں نے اپنے جد ابن الجوزی کو رد کیا ہے کہ اس روایت کو موضوعات میں شامل کیا ہے اور تعجب کا اظہار کیا ہے۔ الغدیر ۳: ۱۱۰ میں مذکور ہے: نظام الدین نیشاپوری نے اپنی تفسیر جو تفسیر طبری کے حاشیہ میں طبع ہے، لکھا ہے: یہ بھی روایت ہے کہ یہ سائل جبرئیل تھے جو باذن خدا اہل بیت کا امتحان کرنا چاہتے تھے۔

حضرت ابن عباس سے قرآن کی ترتیب نزولی کے بارے میں کئی طرق سے روایات موجود ہیں:

پہلی روایت: عن عثمان بن عطاء عن ابیه عن ابن عباس۔ قال اول ما نزل بمکة اقرأ باسم ربك ثم ن و القلم... پھر ۸۵ سورتوں کا ذکر کرتے ہیں جو مکہ میں نازل ہوئیں۔ ثم انزلت بالمدینة البقرة ثم... ثم الرحمن ثم هل اتی ثم الطلاق۔ اس میں سورہ ھل اتی کو مدنی سورتوں میں، سورۃ الرحمٰن اور سورہ طلاق کے درمیان ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو بیھقی کتاب دلائل النبوۃ۔ شواھد التنزیل، مجمع البیان اور الاتقان ۱: ۱۶۔

دوسری روایت: عن مجاھد عن ابن عباس انه قال: اول ما نزل علی نبیه من القرآن اقرأ باسم ربك....۔

سابقہ حدیث کی طرح مدنی سورتوں میں سورۃ الانسان کو سورہ الرحمٰن اور سورہ طلاق کے درمیان ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو شواھد التنزیل، الاتقان ۱: ۱۵۔ النحاس الناسخ و المنسوخ میں ابو حاتم سے روایت کرتے ہیں۔

تیسری روایت: عن ابی صالح عن ابن عباس۔ اس روایت میں بھی سورہ انسان کو مدنی سورتوں میں ذکر کیا ہے۔ رجوع فرمائیں شواھد التنزیل۔

سب سے اہم یہ ہے کہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ سورہ مدنی ہے۔ لہٰذا اس سورہ مبارکہ کو مکی صرف وہ لوگ کہتے ہیں جو فضائل اہل بیت علیہم السلام کے منکر ہیں۔ وَ اِنَّا لَنَعۡلَمُ اَنَّ مِنۡکُمۡ مُّکَذِّبِیۡنَ۔

جن لوگوں کو اس سورہ مبارکہ کے مکی ہونے کے ساتھ دلچسپی ہے وہ اپنی تسلی کے لیے کہتے ہیں: جنت کی نعمتوں کا مفصل ذکر کرنا اور ساتھ عذاب کا بھی ذکر کرنا اور فَاصۡبِرۡ لِحُکۡمِ رَبِّکَ وَ لَا تُطِعۡ مِنۡهُمۡ

اٰثِمًا اَوْكَفُوْرًا کا حکم بتاتا ہے کہ سورہ مکی ہے۔

جواب یہ ہے: مذکورہ باتیں مکی سورتوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں۔ سورہ رحمٰن اور سورہ حج دونوں مدنی ہیں اور سورہ ھل اتی سے زیادہ ان دونوں سورتوں میں نعمتوں اور عذاب کا ذکر ہے اور صبر کا حکم صرف مکی سورتوں میں نہیں ہے۔ اس سورہ کے مدنی ہونے پر کافی روایات موجود ہیں۔ سورہ کہف آیت ۲۸ دیکھیے۔ اس میں صبر کا حکم ان الفاظ میں آتا ہے:

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا ....

اور (اے رسول) اپنے آپ کو ان لوگوں کی معیت میں محفوظ رکھیں جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اپنی نگاہیں ان سے نہ پھیریں، کیا آپ دنیاوی زندگی کی آرائش کے خواہشمند ہیں؟ اور آپ اس شخص کی اطاعت نہ کریں جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے۔

نیز ایک قول یہ ہے کہ یہ سورہ آیت ۲۲ تک جو فضائل اہل بیت علیہم السلام پر مشتمل ہے، مدنی ہے، باقی مکی ہے۔ لہٰذا اس قول کی بنا پر فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ کی آیت مکی ہو جاتی ہے۔

بعض اہل قلم کو اس پر اعتراض ہے اور لکھتے ہیں:

> یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ ایک مسکین، ایک یتیم اور ایک قیدی اگر آ کر کھانا مانگتا ہے تو گھر کے پانچوں افراد کا پورا کھانا اسے دے دینے کی کیا معقول وجہ ہو سکتی ہے؟[1]

اس عظیم ایثار کی معقولیت کا سوال ان لوگوں سے ہو گا جن سے کہا جائے گا: وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ۔[2]

نیز یہ سوال قرآن کی تعبیر میں يُطْعِمُوْنَ کے صیغۂ جمع اور مسکین کے صیغۂ مفرد پر بھی جائے گا۔ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس کے علاوہ قیدیوں کے معاملے میں یہ طریقہ اسلامی حکومت کے دور میں کبھی نہیں رہا کہ انہیں بھیک مانگنے کے لیے چھوڑ دیا جائے۔ اس کا جواب من فمك ادينك وہ آیت نمبر ۸ کے ذیل میں خود اپنی بات رد کرتے ہیں:

> اس آیت میں قیدی سے مراد وہ شخص ہے جو قید میں ہو خواہ وہ کافر ہو یا مسلمان، خواہ جنگی قیدی ہو یا کسی اور جرم میں قید کیا گیا ہو نیز خواہ اسے قید کی حالت میں کھانا دیا جاتا ہو یا اس سے بھیک منگوائی جاتی ہو۔ (تفہیم القرآن)

---

[1] تفہیم القرآن ۶:۷۶ [2] ۸۹ فجر: ۱۸

تاریخ اسلام کا ایک ادنیٰ طالب بھی جانتا ہے کہ عہد رسالت ﷺ میں کوئی قید خانہ نہیں ہوا کرتا تھا بلکہ اسیروں کو رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کے حوالے کرتے تھے کہ دو یا تین دن تک اپنے ہاں رکھ لیں اور کبھی اسیروں کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے ان کا سنبھالنے میں دشواری پیش آتی تھی اور بھیک مانگنے کی نوبت آتی تھی۔ ملاحظہ ہو الکشاف ۴: ۶۶۸

قیدی کا مسئلہ خود ایک دلیل ہے کہ یہ سورہ مدنی ہے چونکہ مکہ میں کسی قیدی کا مسئلہ درپیش نہ تھا۔

سورہ هل اتی عربی ادب میں: امام شافعی کہتے:

الام ألام و حتی متی	اعاتب فی حب هذا الفتی
و هل زوجت فاطم غیره	أو فی غیره هل اتی هل اتی

کسی اور شاعر نے کہا:

انا مولی الفتی انزل فیه هل اتی	الی متی أكتمه، أكتمه الی متی

کسی شاعر نے کہا:

و هل اتی هل اتی الا الی اسد	ففی الکتائب طود الحلم فی المحن
هل فیهم سابق فی السابقین الی	حق الیقین وما صلی الی وثن

تفسیر آیات

۱۔ اِنَّ الۡاَبۡرَارَ: یہ لفظ بر کی جمع ہے۔ اطاعت گزار کے معنوں میں ہے۔ لہٰذا وہ ہستیاں جنہوں نے اپنے خالق کی اطاعت کا حق ادا کیا ہے انہیں ابرار کہتے ہیں۔

آگے آنے والی آیات سے بھی الۡاَبۡرَارَ کی تعریف نکل آتی ہے۔ خوف خدا دل میں رکھتے ہیں۔ صرف اللہ کی رضا جوئی کے لیے لوگوں پر احسان کرتے ہیں۔ لوگوں سے کسی قسم کے معاوضے اور تعریف کی توقع نہیں رکھتے۔ یعنی ایثار کی اعلیٰ منزل پر فائز ہیں۔

۲۔ یَشۡرَبُوۡنَ مِنۡ کَاۡسٍ: کَاۡسٍ شراب کے پیالے یعنی جام کو کہتے ہیں۔ وہ جنت میں ایسے جام میں مشروب نوش کریں گے جس میں کَافُوۡرًا کی آمیزش ہو گی۔ کَافُوۡرًا سے مراد ممکن ہے کہ اس جام کے معطر اور خوشبو والے ہونے کی طرف اشارہ ہو جیسا کہ جنت کی نعمتوں کا کماحقہ وصف و بیان انسان کے لیے قابل فہم نہیں ہے۔

عَیۡنًا یَّشۡرَبُ بِہَا عِبَادُ اللّٰہِ یُفَجِّرُوۡنَہَا تَفۡجِیۡرًا ﴿۶﴾	۶۔ یہ ایسا چشمہ ہے جس سے اللہ کے (خاص) بندے پئیں گے اور خود اسے (جیسے چاہیں) جاری کر دیں گے۔

تفسیر آیات

ا۔عَیۡنًا: ایک خاص چشمہ ہو گا جس سے اللہ کے خاص بندے نوش فرمائیں گے۔ اس چشمے کی نوعیت کچھ اس طرح ہو گی کہ وہ پہلے سے موجود چشمہ نہ ہو گا بلکہ یہ عباد اللہ اپنے ارادے سے اس چشمے کو جاری کریں گے کہ جونہی ارادہ کیا یہ چشمہ ابل پڑے گا۔

یُفَجِّرُوۡنَهَا: اس چشمے کو خود اہل جنت شگافتہ کریں گے۔صرف ارادے سے پھوٹ پڑے گا۔ واضح رہے دنیا میں ہم نعمتیں علل و اسباب کے ذرائع سے حاصل کرتے ہیں۔علل و اسباب کم اور سادہ ہیں تو وہ کام آسان ہو جاتا ہے، زیادہ ہیں تو مشکل ہو جاتا ہے۔ جنت میں ایسا نہ ہو گا وہاں صرف ارادہ کرنا کافی ہو گا۔ چنانچہ فرمایا:

لَهُمۡ مَّا یَشَآءُوۡنَ فِیۡهَا ...[1] وہاں ان کے لیے جو وہ چاہیں گے حاضر ہے۔

یُوۡفُوۡنَ بِالنَّذۡرِ وَ یَخَافُوۡنَ یَوۡمًا کَانَ شَرُّهٗ مُسۡتَطِیۡرًا ﴿۷﴾

۷۔ جو نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی ہر طرف پھیلی ہوئی ہو گی۔

تفسیر آیات

ا۔یُوۡفُوۡنَ بِالنَّذۡرِ: یہ عباد اللہ ایسے ہیں جو نذر پوری کرتے ہیں۔ النذر میں الف لام عہد کے لیے ہو سکتا ہے کہ ایک خاص نذر کی طرف اشارہ ہے جو اپنی نوعیت اور اخلاص کے اعتبار سے ایک خاص اور منفرد نذر ہے۔ جیسے وَ یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَ هُمۡ رٰکِعُوۡنَ ۔[2] میں بھی الزَّکٰوۃَ ایک خاص اور منفرد زکوۃ کی طرف اشارہ ہے۔ دونوں جگہ سائل کو رد نہ کرنے کے اصل محرک کی وجہ سے اہمیت حاصل ہوئی ہے۔ زکوۃ حالت رکوع میں ہونے کی وجہ سے اور وفا بہ نذر حالت خوف خدا میں ہونے کی وجہ سے کہ اگر سائل پر اپنی ذات کو ترجیح دی جائے تو یہ رضائے رب کے منافی ہو گی۔ اللہ کی رضا جوئی ہاتھ سے جانے کے خوف نے اس نذر کو قیمت بخشی۔ وہ رضا اور خوشنودی جس کے اثرات قیامت کے ہولناک لمحوں میں نمایاں ہونا ہیں۔ ۴۱۷

وَ یُطۡعِمُوۡنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسۡکِیۡنًا وَّ یَتِیۡمًا وَّ اَسِیۡرًا ﴿۸﴾

۸۔ اور اپنی خواہش کے باوجود مسکین، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں۔

تفسیر آیات

وَ یُطۡعِمُوۡنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ: وفا بہ نذر کی نوعیت کی طرف اشارہ ہے کہ نذر کو پورا اس

---

[1] ۵۰ ق:۳۵ [2] ۵ مائدہ: ۵۵

حالت میں کر رہے ہیں کہ وہ کھانا کھلاتے ہیں۔ یہ کھانا کھلانا بھی دو باتوں کی وجہ سے منفرد تھا:

الف: عَلٰی حُبِّہٖ: اپنی ذاتی شدید خواہش کے باوجود یہ اطعام عمل میں آیا۔ اس قسم کا ایثار عام حالت میں وقوع پذیر نہیں ہوتا بلکہ ایک طاقتور محرک درکار ہوتا ہے۔ وہ عشق خدا اور اخلاص در عمل کی طاقت ہے جو اہل بیت اطہار علیہم السلام ہی کے وجود میں پائی جا سکتی ہے۔

عَلٰی حُبِّہٖ کی ضمیر طعام کی طرف ہے کہ طعام کی خواہش کے باوجود ایثار کی وجہ سے اسے فضیلت ملی گئی۔ جیسے لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ۔[1] کے تحت درجہ اس انفاق کو ملتا ہے جس میں اپنی پسند کی چیز دے دی جائے۔

ب: یہ ایثار مسکین، یتیم اور اسیر کے لیے عمل میں آیا جن کا تعلق معاشرے کے محروم ترین طبقے سے ہے اور ایثار کا محرک عشق الٰہی کے ساتھ سائل کا مسکین، یتیم اور اسیر ہونا ہے۔ یہ ضرورت مند اور محتاج ترین ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کے لیے قابل توجہ ہیں جو الٰہی قدروں کے حامل ہیں۔ ورنہ یہ لوگ معاشرے میں نظر انداز ہوتے ہیں اور ان کا تعلق نا قابل اعتنا طبقہ سے ہوتا ہے۔

اِنَّمَا نُطۡعِمُکُمۡ لِوَجۡہِ اللّٰہِ لَا نُرِیۡدُ مِنۡکُمۡ جَزَآءً وَّ لَا شُکُوۡرًا ﴿۹﴾

۹۔ (وہ ان سے کہتے ہیں) ہم تمہیں صرف اللہ (کی رضا) کے لیے کھلا رہے ہیں، ہم تم سے نہ تو کوئی معاوضہ چاہتے ہیں اور نہ ہی شکرگزاری۔

تفسیر آیات

۱۔ نُطۡعِمُکُمۡ: اس نذر اور اس اطعام کی اللہ کے ہاں قدر و قیمت زیادہ ہونے کا سبب بیان ہو رہا ہے اور وہ سبب اس طرح اللہ کی طرف سے بیان ہو رہا ہے جیسے اہل بیت علیہم السلام اپنی زبان سے اس جملے کو جاری فرما رہے ہوں۔ یعنی اللہ تعالیٰ اہل بیت اطہار علیہم السلام کی نیتوں کو الفاظ میں بیان فرما رہا ہے۔ نیت و اخلاص اہل بیت اطہار علیہم السلام کی طرف سے ہے اور اس کا اظہار اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو رہا ہے۔ یہ بہت بڑی فضیلت اور انسانی تصور سے زیادہ درجہ ہے جو اہل بیت اطہار علیہم السلام کو حاصل ہے کہ ان کا اخلاص اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف سے اپنے الفاظ میں بیان فرمایا:

۲۔ لِوَجۡہِ اللّٰہِ: ہم یہ ایثار و قربانی کی لازوال مثال صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے کر رہے ہیں چونکہ اہل بیت اطہار علیہم السلام کو یہ معرفت سب سے زیادہ حاصل ہے کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا بہترین موقع یہی ہے کہ اپنی احتیاج بھی شدید ہو اور سائل کی محتاجی بھی شدید۔ اس موقع پر ایثار و قربانی سے

[1] ۳ آل عمران: ۹۲

کام لیا جائے اور ترجیح سائل کو دی جائے۔

۳۔ لَا نُرِیۡدُ مِنۡکُمۡ جَزَآءً وَّ لَا شُکُوۡرًا: ان کے ایثار و قربانی کے پیچھے محرک صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی ہے۔ سائلین سے کسی قدردانی کی توقع نہیں ہے۔ ان کی نظر میں سائلین کی محتاجی ہے۔ ان کے کسی ردعمل پر نہیں ہے کہ وہ جزا کے طور پر اس احسان کا کوئی جواب دیں گے یا شکر گزاری کے طور پر زبانی اظہار کریں گے یا اس احسان کے بدلے وہ کوئی احسان کریں گے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

مَنْ اَطْعَمَ مؤْمِناً حَتّٰی یُشْبِعَهُ لَمْ یَدْرِ اَحَدٌ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ مَا لَهُ مِنَ الْاَجْرِ فِی الْآخِرَةِ لَا مَلَكٌ مَقَرَّبٌ وَ لَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِینَ...۔[1]

جو کسی مومن کو سیر ہونے تک کھانا کھلائے تو جو آخرت میں اس کا ثواب ہے اسے نہ کوئی مقرب فرشتہ سمجھ سکے گا نہ نبی مرسل سوائے اللہ رب العالمین۔

حدیث نبوی ہے:

خَیْرُکُمْ مَنْ اَطْعَمَ الطَّعَامَ وَ اَفْشَی السَّلَامَ وَ صَلّٰی وَ النَّاسُ نِیَامٌ۔[2]

تم میں بہتر وہ شخص ہے جو کھانا کھلائے، سلام کو عام کرے اور اس وقت نمازیں پڑھے جب لوگ سو رہے ہوں۔

اِنَّا نَخَافُ مِنۡ رَّبِّنَا یَوۡمًا عَبُوۡسًا قَمۡطَرِیۡرًا ﴿۱۰﴾

۱۰۔ ہمیں تو اپنے رب سے اس دن کا خوف ہے جو شدید بدمنظر ہوگا۔

تشریح کلمات

العبوس: (ع ب س) کے معنی سینہ کی تنگی سے چہرے پر شکن آنے کے ہیں۔ یوم عبوس یعنی سخت اور بھیانک دن۔

قَمۡطَرِیۡرًا: (ق م ط ر) کے معنی سخت کے ہیں۔

تفسیر آیات

اس آیت میں بھی اہل بیت اطہار علیہم السلام کی قلبی حالت الفاظ کی تعبیر میں لائی جا رہی ہے کہ اہل بیت علیہم السلام ان محروم سائلین کو اپنی حالت زار پر ترجیح اس لیے دے رہے ہیں کہ انہیں روز قیامت کی سختیوں کا اندازہ

[1] الکافی۔۲: ۲۰۱ [2] الکافی ۴: ۵۰

ہے۔ اس دن محروموں کی کمک فائدہ دے گی۔
ان آیات سے اچھی طرح اندازہ ہوتا ہے کہ محروموں کی کمک قیامت کی ہولناکیوں کے لیے ایک مضبوط ڈھال ہے۔

فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الۡيَوۡمِ وَلَقّٰىهُمۡ نَضۡرَةً وَّسُرُوۡرًا ۝۱۱
۱۱۔ پس اللہ انہیں اس دن کے شر سے محفوظ رکھے گا اور انہیں شادابی اور مسرت عنایت فرمائے گا۔

تشریح کلمات

نَضۡرَةً: (ن ض ر) شادابی اور رونق۔

تفسیر آیات

۱۔ فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ: چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان ہستیوں کو قیامت کے دن کی ہولناکیوں سے محفوظ رکھنے کی ضمانت فرمائی۔ چونکہ قرآنی وعدہ ہے اور اللہ کا وعدہ ایک ضمانت ہے۔

۲۔ وَلَقّٰىهُمۡ نَضۡرَةً: اور جس دن لوگوں کے چہروں پر شکن ہو گی، ان ہستیوں کے چہروں پر شادابی ہو گی اور رونق۔ روز محشر کی وحشت ناک حالت میں چہروں پر شادابی بہت بڑی کامیابی ہو گی۔

۳۔ وَّسُرُوۡرًا: اپنی کامیابی پر مسرت اور خوشی کے عالم میں ہوں گے۔ چنانچہ سورہ انشقاق آیت ۹ میں ان لوگوں کے حال کا ذکر ہے جن کے نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے پھر ان کا ایک آسان سا حساب ہوگا:

وَّيَنۡقَلِبُ اِلٰۤى اَهۡلِهٖ مَسۡرُوۡرًا ۝ اور وہ اپنے گھر والوں کی طرف خوشی سے پلٹے گا۔

وَجَزٰىهُمۡ بِمَا صَبَرُوۡا جَنَّةً وَّحَرِيۡرًا ۝۱۲
۱۲۔ اور ان کے صبر کے عوض انہیں جنت اور ریشمی لباس عنایت فرمائے گا۔

تفسیر آیات

۱۔ جس صبر و تحمل کا مظاہرہ ہوا ہے انہیں اس کے صلے میں ایک جنت مل جائے گی۔ اس جگہ جَنَّةً کو نکرہ کے طور پر ذکر کرنے سے اس جنت کی عظمت بیان کرنا مقصود ہے جو ان ہستیوں کو اس صبر کے صلے میں ملے گی۔ چنانچہ اسی جنت کو آگے آیت ۲۰ میں مُلۡكًا كَبِيۡرًا عظیم سلطنت کہا گیا ہے۔

۲۔ وَّحَرِيْرًا: یہ بھی لباس جنت کی ایک تعبیر ہے ورنہ دنیاوی ریشمی لباس کا اس کے ساتھ کوئی موازنہ نہ ہوگا۔

مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآٮِٕكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ﴿۱۳﴾

۱۳۔ وہ اس (جنت) میں مسندوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے جس میں نہ دھوپ کی گرمی دیکھنے کا اتفاق ہوگا اور نہ سردی کی شدت۔

تفسیر آیات

۱۔ مسندوں پر تکیہ لگائے بیٹھنے کی تعبیر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جنت کی زندگی آرام اور آسائش کی زندگی ہوگی۔ دنیا کی زندگی کی طرح کسی مسئلہ کے حل کے لیے دوڑ دھوپ کرنا نہیں پڑے گی۔

لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا: جنت کے موسم کا ذکر ہے کہ ایک معتدل ہوا ہوگی۔ نہ گرمی کی اذیت ہوگی، نہ سردی کی۔ اس آیت کے ذیل میں تفسیر روح المعانی میں آلوسی نے ذکر کیا ہے۔ ابن عباس سے روایت ہے:

بینا اهل الجنة فی الجنة اذ رأوا ضوءً کظوء الشمس وقد اشرقت الجنان به، فیقول اهل الجنة: یا رضوان ما هذا؟ و قد قال ربنا: لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا فیقول لهم رضوان لیس هذا بشمس ولا قمر ولکن علی و فاطمة رضی اللّٰه عنهما ضحکا فاشرقت الجنان من نور ثغریهما۔

اہل جنت، جنت میں ہوں گے۔ اس اثنا میں وہ سورج کی روشنی کی طرح کی ایک روشنی دیکھیں گے جس سے جنت روشن ہوگئی ہوگی، اہل جنت رضوان سے پوچھیں گے: اے رضوان! یہ روشنی کیا ہے؟ ہمارے پروردگار نے تو فرمایا تھا: نہ دھوپ کی گرمی دیکھنے کا اتفاق ہوگا اور نہ سردی کی شدت تو رضوان ان سے کہے گا: یہ سورج کی روشنی نہیں ہے، نہ چاند کی روشنی ہے بلکہ علی اور فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما مسکرائے ہیں ان کے دانتوں کی روشنی سے جنت روشن ہوگئی ہے۔

وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿۱۴﴾

۱۴۔ اور درخت ان پر سایہ فگن ہوں گے اور پھلوں (کے گچھے) ان کی دسترس میں ہوں گے۔

تشریح کلمات

قطوف: (ق ط ف) کے معنی پھل چننے کے ہیں۔ توڑے ہوئے پھل کو قطف کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع قطوف آتی ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَدَانِيَةً عَلَيۡهِمۡ : جنت میں درخت سایہ فگن ہوں گے اور ساتھ ان درختوں کے پھل دسترس میں ہوں گے۔ یعنی پھل توڑنے کی بھی زحمت اٹھانا نہیں پڑے گی۔ اس بات کی طرف پھر اشارہ کروں کہ جنت کی زندگی میں اہل جنت کا ارادہ نافذ ہوگا۔ چنانچہ پھل کھانے کا ارادہ کرتے ہی پھل ان کی دسترس میں ہوگا۔

وَيُطَافُ عَلَيۡهِمۡ بِاٰنِيَةٍ مِّنۡ فِضَّةٍ وَّاَكۡوَابٍ كَانَتۡ قَوَارِيۡرَا۠ ﴿۱۵﴾

۱۵۔ اور ان کے لیے چاندی کے برتنوں اور بلوریں پیالوں کے دور چلیں گے۔

قَوَارِيۡرَا۠ مِنۡ فِضَّةٍ قَدَّرُوۡهَا تَقۡدِيۡرًا ﴿۱۶﴾

۱۶۔ شیشے بھی چاندی کے ہوں گے جنہیں (ساقی نے) ایک مناسب مقدار میں بھرا ہوگا۔

تفسیر آیات

۱۔ وَيُطَافُ عَلَيۡهِمۡ : ان کی محفلوں کی تصویر کشی ہے کہ ان میں ایسے پیالوں کے دور چلیں گے جو چاندی کے بنے ہوئے ہوں گے اور شیشے کے پیالے ہوں گے اور شیشے چاندی کے ہوں گے۔ ہماری دنیا کے تصور کے مطابق شیشہ شفاف اور چاندی سفید غیر شفاف ہوتی ہے۔ اس آیت میں چاندی کے شیشے کہنے کا مطلب یہ ہوسکتا ہے چاندی کے رنگ کے سفید شیشے ہوں گے۔ بات پھر وہی ہے کہ جنت کی نعمتوں کا کماحقہ تصور ہمارے لیے ممکن نہیں ہے چونکہ ہم اس دنیا میں ان چیزوں کا تصور کر سکتے ہیں جنہیں ہم نے دیکھا بھی ہے۔ ہم نے یہاں چاندی کا شفاف شیشہ نہیں دیکھا ہے۔

۲۔ قَدَّرُوۡهَا تَقۡدِيۡرًا: جنت کے خادم بھی ایسے ہوں گے جنہیں اہل جنت کی خواہش اور اس خواہش کی مقدار کا علم ہوگا۔ اسی کے اندازے کے مطابق ان پیالوں کو بھریں گے۔ نہ خواہش سے زیادہ، نہ کم۔ یہ بات اس امر پر شاہد ہے کہ اہل جنت کے نہ صرف ارادے نافذ ہوں گے بلکہ ان میں موجود

خواہشات بھی نافذ العمل ہوں گی۔

وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنجَبِيلًا ﴿١٧﴾
۱۷۔ اور وہاں انہیں ایک ایسا جام پلایا جائے گا جس میں زنجبیل (سونٹھ) کی آمیزش ہو گی۔

عَيْنًا فِيهَا تُسَمَّىٰ سَلْسَبِيلًا ﴿١٨﴾
۱۸۔ جنت میں ایک ایسے چشمے سے جسے سلسبیل کہا جاتا ہے۔

تشریح کلمات

زنجبیل: سونٹھ کو کہتے ہیں۔ کہتے ہیں عرب اپنی شراب میں زنجبیل ملا کر پینا پسند کرتے تھے۔

تفسیر آیات

۱۔ پیالے میں جب شراب موجود ہو تو اسے کاس (جام) کہتے ہیں۔ زنجبیل کی آمیزش سے شراب میں کیا لذت اور خاصیت آتی ہو گی، جنت کی باقی نعمتوں کی نوعیت کی طرح یہ بھی ہمیں کاملاً معلوم نہیں ہے۔

۲۔ عَيْنًا فِيهَا: یہ شراب ایک ایسے چشمے سے ہو گی جسے سلسبیل کہتے ہیں۔ سلسبیل لذیذ شراب کو کہتے ہیں۔ صحاح میں آیا ہے: تسلسل الماء فی الحلق۔ پانی آسانی سے حلق میں اترا۔ یعنی شیرینی کی وجہ سے حلق میں آسانی سے اترنے والی شراب کو سلسبیل کہتے ہیں۔

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا ﴿١٩﴾
۱۹۔ اور (خدمت کے لیے) ان کے گرد ایسے لڑکے پھر رہے ہوں گے جو ہمیشہ رہنے والے ہیں، آپ انہیں دیکھیں تو بکھرے ہوئے موتی خیال کریں گے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ: ان کے گرد خدمت گزاری کے لیے ایسے نوعمر لڑکے پھر رہے ہوں گے جو مخلّد ہوں گے۔ یعنی ہمیشہ نوعمر رہیں گے۔ ان میں سن و سال کی وجہ سے کسی قسم کی تبدیلی نہیں آئے گی۔ بعض کہتے ہیں مُّخَلَّدُونَ کا مطلب یہ ہے کہ یہ نوعمر خدمت گزار ہمیشہ رہیں گے۔ انہیں بھی موت نہیں

آئے گی۔ بعض اس کے معنی مزین کے کرتے ہیں اور کہتے التحلید، تحلیہ یعنی مزین کو کہتے ہیں۔

۲۔ انہیں آپ دیکھیں گے تو بکھرے ہوئے موتی خیال کریں گے۔ یعنی یہ نوعمر لڑکے محفل میں ہر جگہ خدمت گزاری میں موجود پائیں گے اس لیے وہ بکھرے ہوئے ہوں گے اور حسن و جمال، صفائی اور چمک میں موتی کی طرح ہوں گے۔

وَ اِذَا رَاَیۡتَ ثَمَّ رَاَیۡتَ نَعِیۡمًا وَّ مُلۡکًا کَبِیۡرًا ﴿۲۰﴾

۲۰۔ اور آپ جہاں بھی نگاہ ڈالیں گے بڑی نعمت اور عظیم سلطنت نظر آئے گی۔

تفسیر آیات

اور آپ جہاں بھی نظر دوڑائیں گے وہاں نعمت ہی نعمت نظر آئے گی۔ دنیا کی طرح نہیں ہے کہ ایک جگہ نعمت پائی جاتی ہے، دوسری جگہ نہیں پائی جاتی۔ پھر نَعِیۡمًا کا ذکر نکرہ کے ساتھ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ نعمت بھی عظیم ہو گی۔

۲۔ مُلۡکًا کَبِیۡرًا: اور عظیم سلطنت کا مشاہدہ کرو گے۔ روایات کے مطابق عام جنتی کو بھی ایک سلطنت مل جائے گی۔ چنانچہ روایت میں ہے:

و ان ادناھم منزلۃ ینظر فی ملکہ من الف عام یری اقصاہ کما یری ادناہ...۔[1]

جنت کے کمترین درجہ والا اپنی سلطنت کو ایک ہزار سال کی مسافت کے فاصلے سے دیکھ لے گا اور دور ترین نقطے کو اس طرح دیکھے گا جس طرح نزدیک ترین نقطہ ہے۔

دوسری حدیث میں ہے:

ان ادنی اھل الجنۃ منزلا من لہ ثمانون الف خادم و اثنتان و تسعون درجۃ...۔[2]

جنت کے کمترین درجہ والے کے لیے جنت میں اسی ہزار خادم ہوں گے اور بیانوے درجات پر فائز ہو گا۔

یہ عام اور معمول کی جنت ہے۔ اس آیت میں اہل بیت اطہار علیہم السلام کے لیے جس سلطنت کا ذکر ہے وہ جنت کے اعتبار سے عظیم سلطنت ہو گی۔ جس جنت کا ''معمول'' ہمارے لیے قابل اندازہ نہیں ہے، اس کا ''عظیم'' ہمارے لیے کیسے قابل تصور ہوگا اور جس سلطنت کو اللہ تعالیٰ عظیم فرمائے اس کی عظمت کا ہم کیسے اندازہ لگا سکتے ہیں۔

---

[1] بحار الانوار ۸: ۱۱۱ [2] روضۃ الواعظین ۲: ۵۰۵

عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ ۫ وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿٢١﴾

۲۱۔ ان کے اوپر سبز دیباج اور اطلس کے کپڑے ہوں گے، انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا پروردگار انہیں پاکیزہ مشروب پلائے گا۔

تشریح کلمات

سُنْدُسٍ: دیباج کا کپڑا۔ کہتے ہیں سندس ریشم کا وہ کپڑا ہے جو نہایت باریک ہوتا ہے۔

اِسْتَبْرَقٌ: اطلس۔

تفسیر آیات

جنت والوں کی شاہانہ زندگی کا ذکر ہے کہ ان کے تن پر دیباج و اطلس کے نرم و نازک کپڑے ہوں گے اور ہاتھوں میں چاندی کے کنگن پہنے ہوئے ہوں گے۔ یہ اشارہ ہے شاہانہ زندگی کی طرف چونکہ اس دنیا میں جو لوگ شاہانہ زندگی گزارتے ہیں وہ اس طرح کی چیزوں سے اپنی شاہانہ زندگی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں فرمایا: میں اللہ رب العالمین کا فرستادہ ہوں تو فرعون نے کہا تھا:

فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ ...[1] (اگر یہ اللہ کا نمائندہ ہے تو) اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں اتارے گئے۔

لہٰذا کنگن سے مراد وہ زیورات نہیں ہیں جو عورتیں پہنتی ہیں۔

۲۔ وَسَقٰىهُمْ: یہ مشروب، اس سے پہلے مذکور دو مشروبوں سے مختلف، ایک پاکیزہ قسم کا ہوگا جس میں ایسی کوئی خاصیت نہ ہوگی جو انسان کے ذکر خدا سے تساہل برتنے کا سبب بنے بلکہ اس کے پینے سے ہر قسم کی غیر مطلوب چیزیں ختم ہو جائیں گی: یطھرھم عن کل شیء سوی اللّٰہ۔[2] مشروب اہل جنت کو اللہ کے سوا سب چیزوں سے پاک کر دے گا۔

اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿٢٢﴾ ع ۲۲ / ۱۹

۲۲۔ یقیناً یہ تمہارے لیے جزا ہے اور تمہاری یہ محنت قابل قدر ہے۔

---

[1] ۴۳ زخرف: ۵۳ [2] مجمع البیان

تفسیر آیات

۱۔ اِنَّ هٰذَا: یہ اشارہ جنت کی ان نعمتوں کی طرف ہے جن کا ذکر گزشتہ آیات میں آیا ہے۔

۲۔ كَانَ لَكُمۡ جَزَآءً: پھر ان پاکیزہ ذوات سے خطاب کر کے فرمایا: یہ سب تمہارے لیے جزا اور ثواب کے طور پر ہے۔

۳۔ وَّ كَانَ سَعۡیُكُمۡ مَّشۡكُوۡرًا: یہ سب کچھ بلا استحقاق نہیں ملا کرتا بلکہ تمہاری ان محنتوں کے صلے میں ہے جنہیں تم نے دنیا میں تحمل کیا ہے اور اور یہ اجر، یہ ثواب ان زحمتوں کی قدردانی کے طور پر ہے جو رضائے رب کے لیے تم نے دنیا میں تحمل کی ہیں۔

ایک اہم اور قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ قرآن مجید جب بھی جنت کی نعمتوں کا ذکر کرتا ہے ان کے ساتھ حور العین کا ذکر کرتا ہے۔ اس سورہ مبارکہ میں تمام نعمتوں کا ذکر آیا ہے، نوعمر خادموں کا بھی ذکر آیا ہے لیکن جنت کی ایک اہم ترین نعمت، حور العین کا ذکر نہیں آیا۔ جناب آلوسی کو بھی روح المعانی میں اس بات کا ذکر کرنا ہی پڑا کہ یہ آیات اہل البیت (علیہم السلام) کی شان میں نازل ہونے کے بقول ان میں حور العین کا ذکر نہیں آیا جب کہ ان میں نوعمر خادموں تک کا ذکر آیا ہے: رعایۃ لحرمۃ البتول و قرۃ عین الرسول۔ رسول ﷺ کی آنکھوں ٹھنڈک حضرت بتول (س) کی حرمت کا لحاظ کرتے ہوئے حور العین کا ذکر نہیں کیا گیا۔

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا عَلَیۡكَ الۡقُرۡاٰنَ تَنۡزِیۡلًا ﴿۲۳﴾

۲۳۔ یقیناً ہم نے ہی آپ پر قرآن نازل کیا ہے جیسا کہ نازل کرنے کا حق ہے۔

فَاصۡبِرۡ لِحُكۡمِ رَبِّكَ وَ لَا تُطِعۡ مِنۡهُمۡ اٰثِمًا اَوۡ كَفُوۡرًا ﴿۲۴﴾

۲۴۔ لہٰذا آپ اپنے رب کے حکم پر صبر کریں اور ان میں سے کسی گنہگار یا کافر کی بات نہ مانیں۔

تفسیر آیات

۱۔ اس قرآن کو چونکہ ہم نے آپ پر نازل کیا ہے اور نازل بھی اس شان سے کیا ہے کہ یہ آپ کے لیے ایک عظیم معجزہ ہے

۲۔ فَاصۡبِرۡ لِحُكۡمِ رَبِّكَ: تو اس کا قدرتی لازمہ یہ ہونا چاہیے کہ آپ اپنے رب کے حکم پر صبر و استقامت دکھائیں چونکہ اگر یہ حکم کسی غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو انسان تردد کا شکار ہو سکتا ہے کہ نہ معلوم اس حکم کا انجام کیا ہوگا لیکن جب یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو اللہ ایسا حکم نازل نہیں فرمائے گا جس کا کوئی انجام نہ ہو۔

۳۔ وَلَا تُطِعۡ مِنۡهُمۡ اٰثِمًا: آپ معاشرے میں موجود گنہگار اور کافر کی باتوں میں نہ آئیں۔ یہ لوگ آپ کے خلاف کچھ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں کہ ان کی باتیں نہ ماننے کی صورت میں آپ کے لیے کوئی خطرہ ہو۔

وَاذۡکُرِ اسۡمَ رَبِّکَ بُکۡرَۃً وَّ اَصِیۡلًا ﴿۲۵﴾

۲۵۔ اور صبح و شام اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کریں۔

وَ مِنَ الَّیۡلِ فَاسۡجُدۡ لَہٗ وَ سَبِّحۡہُ لَیۡلًا طَوِیۡلًا ﴿۲۶﴾

۲۶۔ اور رات کے ایک حصے میں اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جایا کریں اور رات کو دیر تک تسبیح کرتے رہا کریں۔

تفسیر آیات

بُکۡرَۃً: دن کے ابتدائی حصے کو کہتے ہیں۔ اصیل دن کے آخری حصے، عصر اور مغرب تک کے اوقات کو کہتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ بُکۡرَۃً سے دن کی ابتدا کی نماز، صبح کی نماز مراد ہے۔ اَصِیۡلًا سے دن کے آخری حصے کی نماز ظہر اور عصر مراد ہے۔ وَ مِنَ الَّیۡلِ سے رات کی نماز مغرب اور عشا مراد ہے اور لَیۡلًا طَوِیۡلًا سے مراد تہجد کی نماز ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر فرض تھی۔ ابن عباس کے مطابق کل تسبیح فی القرآن فھو صلاۃ۔ قرآن میں جہاں بھی تسبیح کا ذکر ہے اس سے نماز مراد ہے۔

صبر کے حکم کے بعد ذکر و تسبیح کا حکم اس لیے ہے کہ اللہ کے ذکر سے انسان روحانی طور پر طاقتور ہو جاتا ہے اور اسی لیے اللہ تعالیٰ ہمیشہ مشکلات کے مقابلے کے لیے عبادت سے سہارا لینے کا حکم دیا کرتا ہے۔

اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ یُحِبُّوۡنَ الۡعَاجِلَۃَ وَ یَذَرُوۡنَ وَرَآءَهُمۡ یَوۡمًا ثَقِیۡلًا ﴿۲۷﴾

۲۷۔ یہ لوگ یقیناً عجلت (دنیا) پسند ہیں اور اپنے پیچھے ایک بہت سنگین دن کو نظر انداز کیے بیٹھے ہیں۔

تفسیر آیات

یہ اٰثِمًا عصیان گر، کافر و دنیا پرست ہوتے ہیں اور آخرت کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ دنیا پرست انسان اس قابل نہیں ہوتا کہ اس کی بات سنی جائے، نہ ہی حب دنیا رکھنے والے صائب نظر ہوتے ہیں۔ آخرت نظرانداز کرنے والے سے خیر کی امید نہیں کی جا سکتی چونکہ اس کی ساری افکار نفی آخرت، نفی

عدالت، نفی حساب پر مبنی ہوں گی۔ سطحی سوچ رکھنے والے صرف سامنے کی باتوں کو سمجھ سکتے ہیں اور اپنا مستقبل تاریک سے تاریک تر کر دیتے ہیں۔

نَحۡنُ خَلَقۡنٰہُمۡ وَ شَدَدۡنَاۤ اَسۡرَہُمۡ ۚ وَ اِذَا شِئۡنَا بَدَّلۡنَاۤ اَمۡثَالَہُمۡ تَبۡدِیۡلًا ﴿۲۸﴾

۲۸۔ ہم نے انہیں پیدا کیا اور ان کے جوڑ مضبوط کیے اور جب ہم چاہیں ان کے بدلے ان جیسے اور لوگ لے آئیں۔

تشریح کلمات

اَسۡرَہُمۡ: (ا س ر) الاسر کے معنی قید میں جکڑ لینے کے ہیں۔ یہ اسرت القتب سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں: میں نے پالان مضبوطی سے باندھا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ نَحۡنُ خَلَقۡنٰہُمۡ: ہم نے انسانوں کی تخلیق کچھ اس طرح کی ہے کہ اس کے اعضا اور جسم کے چھوٹے بڑے پرزوں کو اعصاب کی مضبوط رسی کے ذریعے باندھ دیا ہے کہ جسم میں لچک بھی ہو اور طاقت بھی تاکہ مختلف کاموں کو انجام دینے کا قابل ہوں۔ انسان اعضا کو پھلا سکتا ہے، جمع کر سکتا ہے، جھک سکتا ہے، سیدھا ہو سکتا ہے، چیزوں کو پکڑ سکتا ہے، اٹھا سکتا ہے وغیرہ۔

۲۔ وَ اِذَا شِئۡنَا بَدَّلۡنَاۤ: اگر اللہ چاہے تو ان منکروں کو ختم کر کے ان کی جگہ دوسری قوم اور نسل لا سکتا ہے۔ جیسے فرمایا:

وَ اِنۡ تَتَوَلَّوۡا یَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَیۡرَکُمۡ ۙ ثُمَّ لَا یَکُوۡنُوۡۤا اَمۡثَالَکُمۡ ○ [1]

اور اگر تم نے منہ پھیر لیا تو اللہ تمہارے بدلے اور لوگوں کو لے آئے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔

ایک تفسیر یہ کی جاتی ہے کہ تبدیل امثال سے مراد قیامت کے دن دوبارہ تخلیق ہے لیکن یہ تفسیر ظاہراً اِذَا شِئۡنَا ''جب ہم چاہیں'' کے مطابق نہیں ہے۔

اِنَّ ہٰذِہٖ تَذۡکِرَۃٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیۡلًا ﴿۲۹﴾

۲۹۔ یہ ایک نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے رب کی طرف جانے کا راستہ اختیار کرے۔

اس آیت کی تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ مزمل آیت ۱۹

[1] ۴۷ محمد: ۳۸

وَ مَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ﴿٭ۖ۳۰﴾

۳۰۔ اور تم نہیں چاہتے ہو مگر وہ جو اللہ چاہتا ہے، یقیناً اللہ بڑا علم والا، حکمت والا ہے۔

تفسیر آیات

سورہ مدثر آیت ۵۶ کے ذیل میں اس مطلب کی تشریح ہو گئی کہ انسان کی مشیت، اللہ کی مشیت کے تابع ہے۔ اللہ کی مشیت یہ ہے کہ انسان جو بھی عمل انجام دے اپنے اختیار و ارادے سے انجام دے۔ لہٰذا انسان کا ارادہ نہ ہو، پھر بھی عمل انجام پائے یہ اللہ کی مشیت نہیں ہے۔ اللہ کی مشیت یہ ہے:

فَمَنۡ شَآءَ فَلۡیُؤۡمِنۡ وَّ مَنۡ شَآءَ فَلۡیَکۡفُرۡ ۔[1] پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

لہٰذا اس آیت سے جبر ثابت نہیں ہوتا۔ واضح رہے یہ کہنا کہ انسان کے تمام افعال خیر و شر اللہ کی طرف سے ہیں، بندے کا اس میں اختیار نہیں ہے، شان خداوندی میں گستاخی اور اللہ پر افترا ہے کہ اللہ جرم کے ارتکاب پر مجبور کرے، پھر اسے سزا بھی دے۔

امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کی روایت ہے:

من قال بالجبر فلا تعطوہ من الزکوۃ شیئا و لا تقبلوا لہ شھادۃ ابداً ان اللّٰہ عز وجل قال: لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا و لا یحملھا فوق طاقتھا و لا تکسب کل نفس الا علیھا وَ لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی ۔[2]

کوئی جبر کا قائل ہے تو اس کو زکوۃ نہ دو، نہ اس کی گواہی کبھی بھی قبول کرو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کسی شخص پر اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالتا اور اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ نہیں ڈالتا۔ ہر شخص اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے اور کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

چنانچہ اس آیت سے نہ جبر ثابت ہوتا ہے جو جبریہ کا نظریہ ہے، نہ تفویض جو معتزلہ کا نظریہ ہے۔ نہ ہی وہ نظریہ ثابت ہوتا ہے جو فرقہ مفوضہ کا نظریہ ہے، جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے امور ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے سپرد کیے ہیں۔ اس فرقہ کا نظریہ صریحاً شرک ہے۔

چنانچہ مروی ہے کہ حضرت امام مہدی عجل اللہ فرجہ نے کامل ابن ابراہیم مدنی سے فرمایا:

جئت تسألہ عن مقالۃ المفوضۃ کذبوا بل قلوبنا اوعیۃ لمشیۃ اللّٰہ فاذا شاء شئنا و اللّٰہ یقول: وَ مَا تَشَآءُوۡنَ

تو مجھ سے مفوضہ کے نظریہ کے بارے میں پوچھنے آیا ہے وہ جھوٹ بولتے ہیں بلکہ ہمارے قلوب اللہ کی مشیت کی جگہ ہیں۔ جب اللہ چاہتا ہے تو ہم چاہتے ہیں

[1] ۱۸ کھف: ۲۹ [2] عیون اخبار الرضا ۱: ۱۴۳

اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ ۔[۱] پھر وَمَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ کی تلاوت فرمائی۔

حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے:

الغلاۃ کفار والمفوضہ مشرکون...[۲] غالی کافر اور مفوضہ مشرک ہیں۔

یُّدۡخِلُ مَنۡ یَّشَآءُ فِیۡ رَحۡمَتِہٖ ؕ وَ الظّٰلِمِیۡنَ اَعَدَّ لَہُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا ﴿۳۱﴾ ع۲

۳۱۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور اس نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

تفسیر آیات

اللہ صرف اس کو اپنی رحمت میں داخل کرنا چاہتا ہے جو اس پر ایمان لے آتا ہے۔ قرآن کی مجموعی تعلیم سے ہم پر یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کہاں ہوتی ہے اور کہاں نہیں ہوتی۔ چنانچہ آیت میں فرمایا: ظالموں کو اپنی رحمت میں داخل نہیں کرے گا۔

---

۱ بحار الانوار ۲۵: ۳۳۶۔ الخرائج و الجرائح للراوندی ۱: ۴۵۸۔ الغیبۃ الطوسی فصل دوم ص۲۲۹۔ کشف الغمۃ ۲: ۴۹۹۔ منتخب الانوار ص۱۳۹، فصل ۱۰۔ دلائل الامامۃ طبری ص۲۷۳۔ الصراط المستقیم ۲: ۲۱۰

۲ ملاحظہ ہو بحار الانوار ۲۵: ۲۷۳۔ عیون اخبار الرضا ۲: ۲۰۳

سورۃ المرسلات

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اس سورۃ کا نام اَلۡمُرۡسَلٰتِ پہلی آیت میں یہ لفظ مذکور ہونے کی وجہ ہوا۔

یہ سورۃ مکی ہے اور عبد اللہ بن مسعود کی روایت کے مطابق یہ سورۃ منیٰ میں ایک غار میں نازل ہوئی۔ یہ غار منیٰ میں کوہ ثبیر کے بالمقابل موجود ہے۔ آیات کی تعداد سب کے نزدیک پچاس ہے۔

اس سورۃ میں قیامت کے اثبات کی دلیل متعدد اسلوب میں قائم کی ہے اور آیہ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ کی دس بار تکرار کی گئی ہے۔

اس سورۃ مبارکہ کے مضمون سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت تصور معاد پر اعتراض شدید ہو رہا تھا اور اسے ایک واہمہ تصور کیا جاتا تھے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ	بنام خدائے رحمٰن رحیم
وَالۡمُرۡسَلٰتِ عُرۡفًا ۙ﴿۱﴾	۱۔ قسم ہے ان (فرشتوں) کی جو مسلسل بھیجے جاتے ہیں
فَالۡعٰصِفٰتِ عَصۡفًا ۙ﴿۲﴾	۲۔ پھر تیز رفتاری سے چلنے والے ہیں،
وَّالنّٰشِرٰتِ نَشۡرًا ۙ﴿۳﴾	۳۔ پھر (صحیفوں کو) کھول دینے والے ہیں،
فَالۡفٰرِقٰتِ فَرۡقًا ۙ﴿۴﴾	۴۔ پھر (حق و باطل کو) جدا کرنے والے ہیں،
فَالۡمُلۡقِيٰتِ ذِكۡرًا ۙ﴿۵﴾	۵۔ پھر یاد (خدا دلوں میں) ڈالنے والے ہیں،
عُذۡرًا اَوۡ نُذۡرًا ۙ﴿۶﴾	۶۔ حجت تمام کرنے کے لیے ہو یا تنبیہ کے لیے۔

تشریح کلمات

عُرۡفًا: (ع ر ف) عرف الفرس گھوڑے کے ایال۔ عرف الديك مرغ کی کلغی۔ کہتے ہیں:

جاء القطا عرفاً۔ قطا پرندے یکے بعد دیگرے آئے۔

تفسیر آیات

ان آیات میں جو اوصاف بیان ہوئے ہیں، پھر ان کی قسمیں کھائی ہیں، وہ بعض کے نزدیک ہوا اور بعض کے نزدیک فرشتے ہیں۔ ہمارے نزدیک ان سے مراد فرشتے ہی ہو سکتے ہیں۔ اس پر آیات ۵ اور ۶ قرینہ ہیں۔ فَالۡمُلۡقِیٰتِ ذِکۡرًا ذکر سے مراد جو بھی ہو اسے لانے والی ہوا نہیں ہو سکتی۔

ا۔ وَالۡمُرۡسَلٰتِ: فرشتے بھی اللہ کی طرف سے رسول ہوتے ہیں:

اَللّٰہُ یَصۡطَفِیۡ مِنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ...[1] اللہ فرشتوں اور انسانوں میں سے پیغام پہنچانے والا منتخب کرتا ہے۔

یُنَزِّلُ الۡمَلٰٓئِکَۃَ بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِہٖ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖۤ ...[2] وہ اپنے حکم سے فرشتوں کو روح کے ساتھ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے نازل کرتا ہے۔

عُرۡفًا: قسم ہے ان فرستادگان کی جو پے در پے حکم خدا لے کر اطراف کائنات کی طرف روانہ کیے جاتے ہیں۔

۲۔ فَالۡعٰصِفٰتِ: پس یہ فرشتے اطاعت حکم الٰہی میں تیزی دکھاتے ہیں:

وَیَفۡعَلُوۡنَ مَا یُؤۡمَرُوۡنَ ○[3] اور انہیں جو حکم دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔

۳۔ وَّالنّٰشِرٰتِ: اطراف کائنات میں اللہ تعالیٰ کے احکام پھیلاتے ہیں یا اللہ کی رحمتیں پھیلانے والے ہیں۔

وَیَنۡشُرُ رَحۡمَتَہٗ ؕ وَ ہُوَ الۡوَلِیُّ الۡحَمِیۡدُ ○[4] اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے اور وہی کارساز، قابل ستائش ہے۔

۴۔ فَالۡفٰرِقٰتِ: حق و باطل میں تمیز پیدا کرنے میں فرشتوں کا ایک اہم کردار ہے اسی طرح حلال وحرام کو واضح کرنے میں بھی۔

۵۔ فَالۡمُلۡقِیٰتِ ذِکۡرًا: ذِکۡرًا سے مراد اگر قرآن لیا جائے تو معنی یہ ہوں گے: قسم ہے ان فرشتوں کی جو قرآن کو بذریعہ وحی انبیاء کے قلوب میں ڈالنے والے ہیں۔ اگر ذِکۡرًا سے مراد نصیحت ہے تو بھی مراد وہ وحی الٰہی ہو سکتی ہے جو لوگوں کی نصیحت پر مشتمل ہے۔

۶۔ عُذۡرًا اَوۡ نُذۡرًا: یہ ذکر عذر اور تنبیہ کے طور پر دلوں پر نازل کرتے ہیں۔ عُذۡرًا ان لوگوں کے بارے میں جو اس قرآن یا نصیحت کو نہیں مانتے اور اس کی تکذیب کرتے ہیں ان پر حجت پوری کرنے کے لیے ہے جیسا کہ فرمایا:

---

[1] ۲۲ حج: ۷۵ [2] ۱۶ نحل: ۲ [3] ۱۶ نحل: ۵۰ [4] ۴۲ شوریٰ: ۲۸

وَ اِذۡ قَالَتۡ اُمَّۃٌ مِّنۡہُمۡ لِمَ تَعِظُوۡنَ قَوۡمَا ۙ اللّٰہُ مُہۡلِکُہُمۡ اَوۡ مُعَذِّبُہُمۡ عَذَابًا شَدِیۡدًا ؕ قَالُوۡا مَعۡذِرَۃً اِلٰی رَبِّکُمۡ وَ لَعَلَّہُمۡ یَتَّقُوۡنَ ﴿۱۶۴﴾ [1]

اور جب اس میں سے ایک فرقے نے کہا: ان لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ ہلاکت یا شدید عذاب میں ڈالنے والا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: (ہم یہ نصیحت) تمہارے رب کی بارگاہ میں عذر پیش کرنے کے لیے کرتے ہیں اور (اس لیے بھی کہ) شاید وہ تقویٰ اختیار کریں۔

اِنَّمَا تُوۡعَدُوۡنَ لَوَاقِعٌ ؕ﴿۷﴾

۷۔ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ یقیناً واقع ہونے والی ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ اِنَّمَا تُوۡعَدُوۡنَ لَوَاقِعٌ: جس قیامت اور روز آخرت کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ واقع ہونے والا ہے۔ قسم اور مضمون میں ربط اس طرح ہوگا: گویا فرمانا چاہتا ہے میرے اس مذکورہ نظام کی قسم! قیامت ضرور واقع ہوگی یعنی میرے اس نظام کے لیے روز جزا کا ہونا لازمی ہے ورنہ یہ پورا نظام عبث ہو جائے گا۔

فَاِذَا النُّجُوۡمُ طُمِسَتۡ ۙ﴿۸﴾

۸۔ پس جب ستارے بے نور کر دیے جائیں گے،

وَ اِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتۡ ۙ﴿۹﴾

۹۔ اور جب آسمان میں شگاف ڈال دیا جائے گا،

وَ اِذَا الۡجِبَالُ نُسِفَتۡ ۙ﴿۱۰﴾

۱۰۔ اور جب پہاڑ اڑا دیے جائیں گے،

وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتۡ ﴿۱۱﴾

۱۱۔ اور جب رسولوں کو مقررہ وقت پر لایا جائے گا۔

تشریح کلمات

طُمِسَتۡ: (ط م س) طمس کے معنی کسی چیز کا نام و نشان مٹا دینے کے ہیں: وَ لَوۡ نَشَآءُ لَطَمَسۡنَا عَلٰۤی اَعۡیُنِہِمۡ ....[2]

نُسِفَتۡ: (ن س ف) نسفت الریحُ الشیء کے معنی ہوا کے کسی چیز کو جڑ سے اکھاڑ کو پھینک دینے کے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ فَاِذَا النُّجُوۡمُ طُمِسَتۡ: ستاروں کا نور اگر سورج سے ہے تو سورج کا نور ختم ہونے پر ان ستاروں

---

[1] ۷ اعراف: ۱۶۴
[2] ۳۶ یٰسٓ: ۶۶

کا نور بھی ختم ہو جائے گا:

اِذَا الشَّمۡسُ کُوِّرَتۡ ۞[۱]　　　جب سورج لپیٹ دیا جائے گا۔

اور اگر یہ ستارے خود سے روشن ہیں تو قیامت کے دن یہ ستارے ایک دوسرے سے ٹکرانے کی وجہ سے بکھر کر اپنی روشنی کھو دیں گے۔

۲۔ وَ اِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتۡ: آسمان سے مراد اجرام سماوی (جن کا ذکر النُّجُوۡمُ طُمِسَتۡ میں آیا ہے) کے علاوہ ہے تو ممکن ہے آسمان سے مراد فضائی عناصر ہوں جن میں رخنہ پڑ جائے گا۔ جیسے اوزون میں رخنہ پڑ گیا ہے۔ چنانچہ آسمان کے شگافتہ ہونے کا ذکر قرآن میں متعدد مقامات پر آیا ہے جیسے:

اِذَا السَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ ۞[۲]　　　جب آسمان پھٹ جائے گا۔

۳۔ وَ اِذَا الۡجِبَالُ نُسِفَتۡ: پہاڑوں کے پراگندہ ہونے کا بھی ذکر قرآن میں متعدد مقامات پر آیا ہے بلکہ پوری کرۂ ارض کی تبدیلی کا ذکر ہے:

یَوۡمَ تُبَدَّلُ الۡاَرۡضُ غَیۡرَ الۡاَرۡضِ ...[۳]　　　یہ (انتقام) اس دن ہوگا جب یہ زمین کسی اور زمین سے بدل دی جائے گی۔

ان آیات میں اس بات کی صراحت ہے کہ موجودہ کائنات اور اس کا زوال پذیر نظام ختم ہو جائے گا اور ایک ایسی کائنات تخلیق ہوگی یا ایسی کائنات موجود رہے گی جو زوال پذیر نہیں ہے۔

۴۔ وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتۡ: اُقِّتَتۡ اصل میں وُقِّتت ہے۔ واو ہمزہ میں بدل گئی ہے۔ کہتے ہیں جب بھی واو مضموم ہو اور اس کا ضمہ لازمی ہو، وہ واو ہمزہ میں بدل جاتی ہے۔ رسولوں کو اپنی امت پر گواہی دینے کے لیے مقررہ وقت یعنی قیامت کے دن لایا جائے گا:

یَوۡمَ یَجۡمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ فَیَقُوۡلُ مَاذَاۤ اُجِبۡتُمۡ ...[۴]　　　(اس دن کا خوف کرو) جس دن اللہ سب رسولوں کو جمع کر کے ان سے پوچھے گا: (امتوں کی طرف سے) تمہیں کیا جواب ملا؟

نیز فرمایا:

وَ یَوۡمَ نَبۡعَثُ مِنۡ کُلِّ اُمَّۃٍ شَہِیۡدًا ...[۵]　　　اور اس روز ہم ہر امت میں سے ایک گواہ اٹھائیں گے۔

لِاَیِّ یَوۡمٍ اُجِّلَتۡ ﴿۱۲﴾　　　**۱۲۔ کس دن کے لیے ملتوی رکھا ہوا ہے؟**

لِیَوۡمِ الۡفَصۡلِ ﴿۱۳﴾　　　**۱۳۔ فیصلے کے دن کے لیے۔**

تفسیر آیات

۱۔ یہ مقررہ وقت، کس دن کے لیے ملتوی رکھا ہوا ہے؟ جملہ سوالیہ استعمال ہوا ہے اس یوم کی اہمیت

[۱] ۸۱ تکویر: ۱　[۲] ۸۴ انشقاق: ۱　[۳] ۱۴ ابراھیم: ۴۸　[۴] ۵ مائدہ: ۱۰۹　[۵] ۱۶ نحل: ۸۴

کی طرف متوجہ کرنے کے لیے۔

۲۔ لِیَوۡمِ الۡفَصۡلِ: یہ مؤمن کو کافر سے، اطاعت گزاروں کو فاسقوں سے، حق والوں کو باطل والوں سے، ظالموں کو مظلوموں سے اور اہل ثواب کو اہل عذاب سے جدا کرنے والا دن ہے۔

وَمَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا یَوۡمُ الۡفَصۡلِ ﴿۱۴﴾ ۱۴۔ اور آپ کو کس چیز نے بتایا کہ فیصلے کا دن کیا ہے؟

تفسیر آیات

کس چیز نے آپ کو بتایا کہ یَوۡمُ الۡفَصۡلِ کیا چیز ہے یا آپ کیا جانے یَوۡمُ الۡفَصۡلِ کیا چیز ہے۔ وَمَاۤ اَدۡرٰىکَ کی تشریح کے لیے ملاحظہ ہو سورہ حاقہ آیت ۳۔

وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۱۵﴾ ۱۵۔ اس دن تکذیب کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔

۱۔ وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ: یَوۡمُ الۡفَصۡلِ کے موقع پر تکذیبی عناصر کا ہلاکت کے سوا اور کیا انجام ہوسکتا ہے۔ خاص کر یہاں تکذیب کا ذکر فرمایا چونکہ تمام گناہوں کی جڑ تکذیب انبیاء علیہم السلام ہے اور تمام جرائم تکذیب کا نتیجہ ہیں۔ چنانچہ آنے والی آیات میں ہر عذاب کے بعد وَیۡلٌ کا ذکر ہے۔

اَلَمۡ نُہۡلِکِ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۱۶﴾ ۱۶۔ کیا ہم نے اگلوں کو ہلاک نہیں کیا تھا؟

ثُمَّ نُتۡبِعُہُمُ الۡاٰخِرِیۡنَ ﴿۱۷﴾ ۱۷۔ پھر بعد والوں کو بھی ہم ان کے پیچھے لائیں گے۔

کَذٰلِکَ نَفۡعَلُ بِالۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۱۸﴾ ۱۸۔ مجرموں کے ساتھ ہم ایسا ہی کرتے ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ کیا ہم نے قدیم تکذیبی اقوام کو، جیسے قوم نوح، عاد اور ثمود ہیں، ہلاکت میں نہیں ڈالا۔

۲۔ جیسے اولین کو ان کے جرم کی سزا میں تباہ کیا، آخرین کو بھی ہم اسی قسم کے جرم میں تباہ کریں گے۔ آخرین سے مراد گزشتہ اقوام میں سے آخرین نہیں ہو سکتے چونکہ اولین کے لیے ماضی کا لفظ استعمال ہوا ہے اور آخرین کے لیے مستقبل کا لفظ استعمال ہوا ہے جو آنے والی قوموں کی تباہی کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے۔

۳۔ کَذٰلِکَ نَفۡعَلُ: ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا جرم ایک ہو، بعض کو سزا

ملے اور بعض کو نہ ملے۔ لہٰذا جس تکذیبی جرم میں سابقہ اقوام کو سزا ملی ہے اسی جرم میں آنے والی قوموں کو بھی سزا ملے گی۔

وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۱۹﴾ ۱۹۔اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔

قیامت کے دن جب انہیں ان کے جرم کی سزا سنائی جائے گی اس وقت ان کی ابدی ہلاکت سامنے آئے گی۔

اَلَمۡ نَخۡلُقۡكُّمۡ مِّنۡ مَّآءٍ مَّهِيۡنٍ ﴿۲۰﴾ ۲۰۔کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے خلق نہیں کیا؟

تفسیر آیات

تکذیب کرنے والوں سے سوال ہے کہ تم حیات بعد الموت اور آخرت کی دوبارہ زندگی کو نہیں مانتے اور اس حیات کی خبر لانے والوں کی تکذیب کرتے ہو۔ یہ خیال کرو کہ ہم نے تمہیں ایک حقیر بوند سے خلق نہیں کیا۔ جس سے انسان کی تخلیق ہوتی ہے اس بوند کو دیکھا جائے تو یہ نہایت حقیر اور بے قیمت چیز ہے۔

جیسا کہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے مروی ہے:

مَا لِابْنِ آدَمَ وَ الْفَخْرِ اَوَّلُهُ نُطْفَةٌ وَ آخِرُهُ جِيفَةٌ...۔[1] فرزند آدم کو فخر و مباہات سے کیا ربط، جب کہ اس کی ابتدا نطفہ اور انتہا مردار ہے۔

فَجَعَلۡنٰهُ فِيۡ قَرَارٍ مَّكِيۡنٍ ﴿۲۱﴾ ۲۱۔ پھر ہم نے اسے ایک محفوظ مقام میں ٹھہرائے رکھا۔

تفسیر آیات

مَّكِيۡنٍ: کے معنی یا تو تحفظ دینے والا ہوں گے چونکہ اس حقیر اور ناتواں بوند کو تحفظ صرف رحم مادر میں مل سکتا ہے یا مَّكِيۡنٍ کے معنی توانا اور قدرت مند کے ہیں۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ ہم نے اس نطفے کو ایسی قرار گاہ میں قرار دیا جو ایک بوند کو انسان میں تبدیل کرنے کی توانائی رکھتی ہے۔

رحم مادر اس کائنات کی عجیب ترین چیزوں میں سے ہے کہ ایک بوند جب اس گوشت کے تھیلے کے حوالے ہو جاتی ہے، وہ اپنے دامن میں اسے جگہ دیتا ہے۔ اس کے لیے حیات آفرین فرش بچھاتا ہے جس

---

[1] نہج البلاغہ۔ کلمات قصار نصیحت ۴۵۴

سے تحفظ بھی ملتا ہے اور غذا بھی اور اس ایک بوند کو انسان بننے کے لیے ضرورت کی تمام چیزیں فراہم کرتا ہے۔

اِلٰی قَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ ﴿۲۲﴾ ۲۲۔ ایک معین مدت تک کے لیے۔

تفسیر آیات

اس سے مراد مدت حمل ہے جو عموماً نو ماہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس مدت میں ایک حقیر بوند سے ایک انسان تیار ہو جاتا ہے۔

فَقَدَرۡنَا ٭ۖ فَنِعۡمَ الۡقٰدِرُوۡنَ ﴿۲۳﴾ ۲۳۔ پھر ہم نے ایک انداز سے منظم کیا پھر ہم بہترین انداز سے منظم کرنے والے ہیں۔

تفسیر آیات

ہم نے اس مخلوق کی تقدیر سازی کی اور اس تقدیر کے تحت اس کی زندگی کے نقوش کا تعین کیا جن پر اس نے آئندہ اپنی زندگی گزارنا ہے۔

فَنِعۡمَ الۡقٰدِرُوۡنَ: ہم بہترین تقدیر ساز ہیں کہ اس کی زندگی کا بہترین نقشہ تیار کرتے ہیں۔ تفسیر طبری کے مطابق مدینہ کے قراء فقدّرنا، شد کے ساتھ پڑھتے ہیں اور کوفہ و بصرہ کے قراء بغیر شد کے پڑھتے ہیں۔ بعض اہل لغت کے مطابق دونوں قرائتوں کے معنی ایک یعنی تقدیر سازی ہو سکتے ہیں۔

دوسری تفسیر یہ کی جاتی ہے کہ اس حقیر بوند سے ایک توانا انسان بنانے پر ہم قادر ہیں اور قدرت کے اعتبار سے ہم بہترین قدرت مند ہیں۔ ہمارے لیے اس انسان کا بوسیدہ ہونے کے بعد دوبارہ بنانا مشکل نہیں ہے۔

روح المعانی کے مطابق حضرت علی علیہ السلام کی قرائت فقدّرنا دال پر شد کے ساتھ ہے اس کے مطابق پہلی تفسیر کو ترجیح ملتی ہے۔

وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۲۴﴾ ۲۴۔ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔

جب قیامت ہوگی تو قیامت کی تکذیب کرنے والوں پر ہلاکت ہوگی۔

اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ کِفَاتًا ﴿ۙ۲۵﴾ ۲۵۔ کیا ہم نے زمین کو قرار گاہ نہیں بنایا،

اَحۡیَآءً وَّ اَمۡوَاتًا ﴿۲۶﴾ ۲۶۔ زندوں کے لیے اور مردوں کے لیے۔

تشریح کلمات

الکفتُ: (ك ف ت) کے معنی کسی چیز کو جمع کر کے قبضے میں لے لینے کے ہیں۔ کفات کے معنی تیزی سے پرواز کرنے کے بھی کیے گئے ہیں۔ اسی طرح تیزی سے ہانکنے کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔

تفسیر آیات

ا۔ اَلَمۡ نَجۡعَلِ: اللہ تعالیٰ نے زمین کو جائے قرار بنایا ہے۔ زندوں کے لیے جائے قرار اس طرح ہے کہ یہ زمین مہربان ماں کی طرح اپنے دامن میں انسان کو پالتی ہے، زندگی کے سارے وسائل فراہم کرتی ہے اور جب انسان مر جاتا ہے تو زمین انسان کو اپنے شکم میں لے لیتی ہے اور اسے اپنے میں چھپا کر اس کے مرنے کے بعد احترام کو برقرار رکھتی ہے۔ ورنہ اگر زمین اپنے شکم میں انسان کو چھپا نہ لیتی تو مرنے کے بعد اس کا احترام برقرار نہ رہتا۔ مرنے کے بعد زمین کا انسان کو اپنے شکم میں قبول کرنا احترام ہے۔

ایک عبرت انگیز واقعہ

سنہ ۲۰۰۵ء میں جب کشمیر میں زلزلہ آیا افواج پاکستان مرنے والوں کو دفن کر رہی تھی۔ مولانا سبحانی صاحب ناقل ہیں کہ ان کے برادر بزرگ فوج میں افسر ہیں۔ مُردوں کو دفن کر رہے تھے۔ ایک جنازے کو دفن کیا تو زمین نے اسے قبول نہ کیا۔ قبر سے باہر پھینک دیا۔ دوبارہ قبر میں رکھا پھر باہر پھینک دیا۔ انہوں نے اس جنازے کو دریا میں پھینک دیا تو دریا نے بھی قبول نہ کیا۔ پاس ایک عورت رو رہی تھی۔ اس سے پوچھا یہ جنازہ کس کا ہے؟ اس عورت نے بتایا: یہ میرا باپ ہے۔ اس کے میرے ساتھ ناجائز تعلقات تھے۔ اس سے تین بچے ہیں۔ اس واقعہ کے مطابق زمین اس شخص کو احترام دینے کے لیے آمادہ نہ تھی۔

کفات کے ایک معنی تیزی سے پرواز کرنے کے بھی ہیں۔ لہٰذا اس آیت سے حرکت زمین کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ زمین فضا میں محو پرواز ہے لیکن یہ معنی مراد لینا درست نہ ہوگا کیونکہ زمانۂ نزول قرآن، جو زمانہ خطاب ہے، میں لوگ حرکت زمین سے واقف نہ تھے کہ ان سے کہا جائے: کیا ہم نے زمین کو حالت حرکت و پرواز میں قرار نہ دیا؟ نیز اَحۡیَآءً وَّ اَمۡوَاتًا بھی قرینہ ہے کہ اس سے ''حرکت'' مراد نہیں ہے۔

وَّ جَعَلۡنَا فِیۡہَا رَوَاسِیَ شٰمِخٰتٍ وَّ اَسۡقَیۡنٰکُمۡ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾	۲۷۔ اور ہم نے اس میں بلند پہاڑ گاڑ دیے اور ہم نے تمہیں شیریں پانی پلایا۔

تشریح کلمات

رَوَاسِیَ : (ر س و) رسا الشیء کے معنی کسی چیز کے کسی جگہ پر ٹھہرنے اور استوار ہونے کے ہیں۔

شٰمِخٰتٍ : (ش م خ) بلند اور اونچے کے معنوں میں ہے۔

فُرَاتًا: (ف ر ت) الفرات کے معنی شیریں یا نہایت شیریں پانی کے ہیں اور یہ واحد جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

تفسیر آیات

۱۔ وَّ جَعَلۡنَا فِیۡہَا رَوَاسِیَ شٰمِخٰتٍ: زمین میں سر بفلک بلند و بالا پہاڑ گاڑ دیے۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے ایک تو یہ کام لیا کہ زمین کو ڈولنے سے محفوظ کر دیا۔

۲۔ وَّاَسۡقَیۡنٰکُمۡ مَّآءً: اور دوسرا یہ کہ ان پہاڑوں پر وافر مقدار میں پانی ذخیرہ فرمایا۔ سمندر کے کھارے پانی کو بخارات میں تبدیل فرما کر بادلوں کی شکل پہاڑوں کی طرف روانہ کر دیا جاتا ہے۔ پہاڑوں پر برف کی صورت میں پانی کو ذخیرہ کیا جاتا ہے اور تدریجاً یہ شیریں پانی میدانوں کی طرف رواں دواں ہوتا رہتا ہے۔

وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۲۸﴾ ۲۸۔ اور اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔

انسان اور دیگر جانداروں کے لیے سامان حیات فراہم کر کے اپنی ربوبیت پر واضح اور غیر مبہم دلائل قائم کرنے کے باوجود ان آیات کی تکذیب کرتے ہیں۔ ان آیات کی تکذیب کرنے والوں کے لیے قیامت کے دن ہلاکت کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے۔

اِنۡطَلِقُوۡۤا اِلٰی مَا کُنۡتُمۡ بِہٖ تُکَذِّبُوۡنَ ﴿۲۹﴾ ۲۹۔ اب تم لوگ جاؤ اس چیز کی طرف جسے تم جھٹلاتے تھے۔

تفسیر آیات

۱۔ اِنۡطَلِقُوۡۤا: چل پڑو اس جہنم کی طرف جسے تم مانتے نہیں تھے اور رسولوں نے جب جہنم کی خبر دی تو تم نے اسے جھٹلا دیا تھا۔ یہاں ''چل پڑو'' کا حکم تکوینی ہے جہاں اللہ تعالیٰ کا ارادہ فوری نافذ ہوتا ہے اور جہنمی لوگ محشر سے جہنم کی طرف چل پڑیں گے۔

انۡطَلِقُوۡۤا اِلٰی ظِلٍّ ذِیۡ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ ۳۰۔ چلو اس دھویں کی طرف جو تین شاخوں والا ہے۔

تفسیر آیات

چل پڑو، جہنم سے اٹھنے والے اس دھواں کی طرف جو اپنی ضخامت کی وجہ سے کئی شاخوں میں منقسم ہونے والا ہے۔ جسے دیکھ کر اس آتش کا اندازہ ہوگا کہ وہ کس قدر بڑی آگ ہوگی جس کا یہ دھواں ہے۔ اکثر مفسرین نے کہا ہے: تین شاخوں سے مراد تین اطراف ہیں۔ یعنی اوپر، دائیں اور بائیں ہر سہ طرف سے گھیر لے گا۔

لَّا ظَلِیۡلٍ وَّ لَا یُغۡنِیۡ مِنَ اللَّہَبِ ﴿۳۱﴾ ۳۱۔ نہ وہ سایہ دار ہے اور نہ آگ کے شعلوں سے بچانے والا ہے۔

تفسیر آیات

اس دھویں کی وہ نوعیت نہ ہوگی جسے ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ دھواں سایہ دار ہوتا ہے لیکن قیامت کا دھواں آتش کی سوزش سے سایہ نہیں کرے گا، نہ یہ آگ کے شعلوں سے بچائے گا بلکہ یہ دھواں خود ایک عذاب ہوگا۔

اِنَّہَا تَرۡمِیۡ بِشَرَرٍ کَالۡقَصۡرِ ﴿ۚ۳۲﴾ ۳۲۔ یقیناً یہ دھواں ایسی چنگاریاں اڑائے گا جو محل کے برابر ہیں۔

کَاَنَّہٗ جِمٰلَتٌ صُفۡرٌ ﴿ؕ۳۳﴾ ۳۳۔ گویا وہ زرد رنگ کے اونٹ ہیں۔

تفسیر آیات

۱۔ یہ دھواں اس قدر شدید ہوگا جس کے اندر آتش جہنم کی چنگاریاں ہوں گی جو ایک محل کے برابر بڑی ہوں گی۔

ابن عباس کی ایک روایت کے مطابق عربوں میں لفظ قصر لکڑی کے ٹال کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے لیکن قرآن مجید میں لفظ قصر دیگر آیات میں محلات کے معنوں میں ہی استعمال ہوا ہے:

وَ بِئۡرٍ مُّعَطَّلَۃٍ وَّ قَصۡرٍ مَّشِیۡدٍ ۝[1] اور کتنے کنوئیں اور اونچے قصر بیکار پڑے ہیں۔

---

[1] ۲۲ حج: ۴۵

۲۔ کَاَنَّہٗ: گویا کہ یہ محلات اپنی آتشین رنگت میں زرد رنگ کے اونٹوں کی طرح ہوں گے۔ سابقہ آیت میں ان چنگاریوں کا حجم بتایا کہ ایک چنگاری محل کے برابر بڑی ہوگی۔ دوسری آیت ان چنگاریوں کا رنگ بتایا۔

وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۳۴﴾ ۳۴۔اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔

اس دن ان مکذبین کا کیا حال ہوگا جب ایسی چنگاریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

ہٰذَا یَوۡمُ لَا یَنۡطِقُوۡنَ ﴿۳۵﴾ ۳۵۔ یہ وہ دن ہے جس میں وہ بول نہیں سکیں گے۔

وَلَا یُؤۡذَنُ لَہُمۡ فَیَعۡتَذِرُوۡنَ ﴿۳۶﴾ ۳۶۔ اور انہیں اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ عذر پیش کریں۔

تفسیر آیات

۱۔اہل جہنم کومختلف حساب کے لیے مختلف مرحلوں میں روکا جائے گا۔بعض مراحل میں انہیں بولنے، عذر پیش کرنے کی اجازت دی جائے گی:

وَقَالُوۡا رَبَّنَاۤ اِنَّاۤ اَطَعۡنَا سَادَتَنَا وَکُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوۡنَا السَّبِیۡلَا ۝[۱] اور وہ کہیں گے: ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی اطاعت کی تھی پس انہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا۔

بعض مراحل میں ان کے اعضائے بدن ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ ان تمام مراحل سے گزرنے کے بعد ایک مرحلہ ایسا آئے گا کہ اب نہ تو وہ بول سکیں گے، یعنی ان کے خلاف حجت پوری ہونے کی وجہ سے ان کے منہ بند ہو جائیں گے، نہ کوئی عذر پیش کر سکیں گے۔

وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۳۷﴾ ۳۷۔اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔

جب انہیں بولنے اور عذر پیش کرنے کی اجازت تک نہیں ملے گی اس دن ان تکذیبی عناصر کا حال کتنا برا ہوگا۔

ہٰذَا یَوۡمُ الۡفَصۡلِ ۚ جَمَعۡنٰکُمۡ ۳۸۔ یہ فیصلے کا دن ہے، ہم نے تمہیں اور پہلوں

[۱] ۳۳ احزاب:۶۷

وَالۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۳۸﴾ کو جمع کیا۔

تفسیر آیات

یہ دن مکذبین اور مؤمنین کو جدا کر کے ان میں سے ہر ایک کی ابدی قسمت کا فیصلہ کرنے کا ہے۔

جَمَعۡنٰکُمۡ اے ہمارے آخری رسول کی تکذیب کرنے والو! تمہیں اور سابقہ امتوں میں سے تکذیب کرنے والوں کو ایک جگہ جمع کریں گے اور تمام تکذیبی عناصر کی ایک ہی قسمت کا فیصلہ سنا دیا جائے گا۔

فَاِنۡ کَانَ لَکُمۡ کَیۡدٌ فَکِیۡدُوۡنِ ﴿۳۹﴾ ۳۹۔ اب اگر تم حیلہ کر سکتے ہو تو میرے مقابلے میں حیلہ کرو۔

تفسیر آیات

اللہ کے فیصلے کے مقابلے میں تمہارے بس میں کوئی حیلہ بازی ہے تو کر کے دکھاؤ۔ اللہ کا فیصلہ تو یہ ہے کہ تم ہمیشہ کے لیے آتش جہنم میں رہو گے۔ اس فیصلے کے خلاف تمہارے پاس کوئی چارہ کار ہے تو کرو۔

ع ۱ ۲۱ وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۴۰﴾ ۴۰۔ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔

اللہ کے اس فیصلے کے مقابلے میں جب ان جھٹلانے والوں کے پاس کوئی چارہ کار نہ ہو گا تو ان کی ہلاکت کا کیا عالم ہو گا۔

اِنَّ الۡمُتَّقِیۡنَ فِیۡ ظِلٰلٍ وَّ عُیُوۡنٍ ﴿۴۱﴾ ۴۱۔ تقویٰ اختیار کرنے والے یقیناً سایوں اور چشموں میں ہوں گے۔

وَّ فَوَاکِہَ مِمَّا یَشۡتَہُوۡنَ ﴿۴۲﴾ ۴۲۔ اور ان پھلوں میں جن کی وہ خواہش کریں گے۔

تفسیر آیات

دوسری طرف اہل تقویٰ جن سایوں اور چشموں سے لطف اندوز ہوں گے۔ ان سایوں کے مقابلے میں تین شاخوں والا سایہ ہو گا جس سے چنگاریاں اٹھ رہی ہوں گی۔ یہاں اہل جنت اپنی خواہش کے میووں سے لطف اندوز ہوں گے۔ مِمَّا یَشۡتَہُوۡنَ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میووں کے حصول کے لیے ایک خواہش سے زیادہ کچھ کرنا نہ پڑے گا۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۴۳ ۴۳۔ اب تم اپنے اعمال کے صلے میں خوشگواری کے ساتھ کھاؤ اور پیو۔

تفسیر آیات

۱۔ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا: جنت کے کھانے اور پینے کی چیزوں میں خوشگواری کے علاوہ کسی اور بات کا کوئی شائبہ نہ ہوگا۔

۲۔ بِمَا كُنْتُمْ: اور یہ سب نعمتیں صرف تمنا اور آرزوؤں سے نہیں تَعْمَلُوْنَ دنیا کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرنے کی وجہ سے ملیں گے۔

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِيْنَ ۝۴۴ ۴۴۔ہم نیکی کرنے والوں کوایسا ہی صلہ دیتے ہیں۔

تفسیر آیات

یہ جزا ان لوگوں کو ہم دیا کرتے ہیں جو تقویٰ اور اطاعت الٰہی کی وجہ سے نیکی کرنے والوں کی منزل پر فائز ہوں۔ اس طرح ممکن ہے الْمُتَّقِيْنَ، تَعْمَلُوْنَ اور الْمُحْسِنِيْنَ کا تعلق ایک ہی گروہ سے ہو۔ یعنی اہل تقویٰ ہی اہل عمل ہیں اور تقویٰ اور عمل والے ہی نیکی کرنے والے ہیں۔ یہ سب اہل جنت ہیں۔ اگرچہ اہل جنت کے درجات مختلف ہوں گے تاہم ان کے آپس کے درجات کا ذکر نہیں ہے۔ صرف اہل جہنم کے عذاب کے مقابلے میں اہل جنت کا اجمالی ذکر ہے۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۴۵ ۴۵۔اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔

اللہ کے رسول کی تصدیق کر کے تقویٰ کی منزل پر فائز ہونے والوں کو جنت کی نعمتوں سے محظوظ ہوتے دیکھ کر تکذیب کرنے والے اپنی ہلاکت پر کس قدر کف افسوس مل رہے ہوں گے۔

كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ۝۴۶ ۴۶۔ کھاؤ اور تھوڑے دن مزے کرو، یقیناً تم مجرم ہو۔

تفسیر آیات

۱۔ یہ کھانا پینا اور مزے لوٹنا عذاب ابدی کا پیش خیمہ ہونے کی طرف اشارہ اور دھمکی ہے۔ جیسے سورۃ حٰمٓ سجدہ آیت۴۰ میں اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ۔ ''تم جو چاہو کرتے رہو'' دھمکی ہے۔

۲۔ اِنَّكُمۡ مُّجۡرِمُوۡنَ: تم مجرم ہو۔ یہ فقرہ قرینہ ہے کہ پہلے جو کھانے، پینے اور مزہ لینے کا حکم ہے وہ عذاب کا پیش خیمہ ہونے کی خبر ہے۔ مجرموں کے لیے اللہ کی طرف سے بڑی سزا یہ ہے انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ چشم ظاہر بین کے لیے كُلُوۡا وَتَمَتَّعُوۡا کھاؤ اور مزے اڑاؤ، نہایت پرکشش ہے لیکن حقیقت میں یہ ان کے لیے بڑی سزا ہے۔

وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۴۷﴾ ۴۷۔ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔

تفسیر آیات

دنیا میں جرائم کے ارتکاب سے مزہ لوٹنے والوں کے لیے ابدی عذاب سے زیادہ ہلاکت اور کیا ہو سکتی ہے۔

وَ اِذَا قِيۡلَ لَهُمُ ارۡكَعُوۡا لَا يَرۡكَعُوۡنَ ﴿۴۸﴾ ۴۸۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ رکوع کرو تو رکوع نہیں کرتے۔

تفسیر آیات

دنیا میں جب ان تکذیبی لوگوں کو اللہ کی بندگی اور نماز قائم کرنے کا حکم دیا جاتا تو وہ اللہ کی بندگی نہیں کرتے تھے۔ یہاں رکوع سے مراد نماز ہے جو دین کا ستون ہے۔ نماز کو قرآن نے متعدد مقامات پر رکوع کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے:

وَارۡكَعُوۡا مَعَ الرّٰكِعِيۡنَ ○ [۱] اور (اللہ کے سامنے) جھکنے والوں کے ساتھ جھکا کرو۔

چنانچہ ان جہنمیوں سے جب پوچھا جائے گا:

مَا سَلَكَكُمۡ فِيۡ سَقَرَ ○ [۲] کس چیز نے تمہیں جہنم میں پہنچایا؟

جواب دیں گے:

لَمۡ نَكُ مِنَ الۡمُصَلِّيۡنَ ○ [۳] ہم نماز گزاروں میں سے نہ تھے۔

وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۴۹﴾ ۴۹۔ اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔

وحی الٰہی کی تکذیب کر کے نماز نہ پڑھنے والوں کو جب جہنم میں جھونک دیا جائے گا اس وقت ان کی ابدی ہلاکت اور تباہی وصف و بیان سے بڑھ کر ہو گی۔

۱؎ ۲ بقرہ: ۴۳ ۲؎ ۷۴ مدثر: ۴۲ ۳؎ ۷۴ مدثر: ۴۳

فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَہٗ یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۰﴾ ع ۲/۲۲

۵۰۔ پس اس (قرآن) کے بعد کس کلام پر ایمان لائیں گے؟

تفسیر آیات

اگر وہ اس قرآن کی تکذیب کرتے ہیں اور اس میں بیان شدہ حقائق کو نہیں مانتے، اگر وہ ضمیروں کو جھنجوڑنے والے اس معجزے کو تسلیم نہیں کرتے، اگر پہاڑوں کو ہلا دینے والے اس ملکوتی کلام سے متاثر نہیں ہوتے، اس قرآن کے واضح اور غیر مبہم حقائق سمجھنے کے لیے آمادہ نہیں ہیں تو پھر وہ اس کے بعد کس کلام کو مانیں گے؟ ان کے پاس مان لینے کا کیا معیار ہے جو اس قرآن میں نہیں ہے۔ اگر تم اس کلام کو نہیں مانتے جس کی مثل پیش کرنے سے تمام فصحاء و بلغاء قاصر ہیں، جس نے انسان کو تہذیب دی، تمدن دیا، ایک جامع دستور حیات دیا تو پھر تم کس کلام، کس منطق، کس دلیل کو مانتے ہو؟

فہرست مطالب

سورۃ الواقعہ
تعارف سورۃ ________ ۹
وقوع قیامت کی صورت میں
اس کی تکذیب ممکن نہیں ________ ۱۱
قیامت کے دن قسمتوں کا فیصلہ ہوگا ________ ۱۲
قیامت کے دن اصحاب یمین،
اصحاب شمال اور سابقین کا ذکر ________ ۱۳
مقربین کا ذکر۔ اولین کی نسبت آخرین
تھوڑے ہوں گے ________ ۱۵
مقربین کی جنت کی زندگی اور نعمتوں کا ذکر ________ ۱۶
اصحاب یمین کی جنت میں نعمتوں کا ذکر ________ ۱۹
اصحاب شمال کی جہنم کی زندگی اور عذاب کا ذکر ________ ۲۳
اصحاب شمال کے جرائم کا ذکر کہ وہ قیامت
کے منکر تھے ________ ۲۶
انسان کی خلقت اور اعادہ خلقت کے بارے
میں چند ایک سوالات اور اہم نکات کا ذکر ________ ۲۸
ابتدائی تخلیق میں راز خلقت سمجھنے کے لیے
بہت کچھ موجود ہے ________ ۲۹
دیکھو زمین میں روئیدگی تم نے رکھی ہے یا ہم
نے؟ میری رازقیت کا انکار کرنے والو بتاؤ
بادل سے پانی ہم برساتے ہیں یا تم؟ ________ ۳۱
تمہاری زندگی کی اہم ترین چیز آتش تم نے
پیدا کی ہے یا ہم نے؟ ________ ۳۲
ستاروں کے مقامات کے ساتھ قسم کی عظمت ________ ۳۳
قرآن کی عظمت و عصمت کا بیان ________ ۳۴
قرآن کی تکذیب والوں کو جان کنی
کے وقت حق معلوم ہوگا ________ ۳۶
مقربین، اصحاب یمین اور تکذیبی عناصر میں سے
ہر ایک کا جان کنی کے وقت کے احوال کا بیان ________ ۳۷

سورۃ الحدید
تعارف سورۃ ________ ۴۳
اللہ تعالیٰ کے اول، آخر، ظاہر اور باطن
ہونے کا مطلب ________ ۴۴
اللہ کے مقام تدبیر (عرش) اور علم کی
جامعیت کا ذکر ________ ۴۶
اللہ کی طرف سے ملنے والے مال کو اللہ کی راہ
میں خرچ کرنے کا حکم ________ ۴۹
ایمان یعنی اطاعت کی دعوت ________ ۵۰
اسلام کے اہم مراحل میں انفاق کی زیادہ
فضیلت ہے ________ ۵۱
اللہ کو قرض حسنہ دینے کا تصور ________ ۵۲
اللہ کو قرض حسنہ دینے والوں کا قیامت کے
دن مقام ________ ۵۳
قیامت کے دن منافقین مؤمنوں سے روشنی
طلب کریں گے ________ ۵۴
مؤمنین اور منافقین میں ایک دیوار حائل ہوگی ________ ۵۴
منافقین دنیا میں مومنوں کی صحبت میں رہنے کا
حوالہ دے کر مدد مانگیں گے ________ ۵۶

مؤمنین منافقین سے کہیں گے آج تمہارے اور
کفار کے لیے نجات کا کوئی راستہ نہیں ہے ____ ۵۶
اہل ایمان کی قساوت قلبی کا ذکر جب کہ
رسولؐ ان میں موجود ہیں ________ ۵۷
صدیقین اور گواہوں کی منزلت کا ذکر اور حضرت
علی علیہ السلام کا مقام ________ ۶۰
آخرت سے متصادم دنیا کی بے وقعتی کا ذکر ____ ۶۱
مغفرت کی طرف سبقت لے جانے کا حکم
اور جنت کی وسعت کا ذکر ________ ۶۳
مقدرات الٰہی کا ذکر ________ ۶۴
مقدرات الٰہی پر ایمان رکھنے کے ثمرات کا ذکر _ ۶۵
انبیاء کی تعلیم کے ذریعے لوگ عدل و انصاف کا
نظام قائم کرنے کے اہل بن جاتے ہیں ____ ۶۷
انبیاء علیہم السلام کے مبعوث ہونے کا ذکر اور رہبانیت
کی نفی ________ ۶۹
اہل ایمان کو تجدید ایمان کا حکم
کِفلَین حسنین، نور علی علیہم السلام ہیں ____ ۷۱

سورۃ المجادلۃ

تعارف سورۃ ________ ۷۵
ظہار کا حکم ________ ۷۶
اللہ اور رسولؐ کی مخالفت کرنے والے ذلیل
ہوں گے ________ ۷۸
اللہ کسی مکان میں محدود نہیں، ہر جگہ موجود ہے _ ۸۰
یہود اور منافقین کی اسلام کے خلاف
سرگوشیوں کا ذکر ________ ۸۱
سرگوشی نیک مقصد کے لیے ہونی چاہیے ____ ۸۲
آداب محفل کا بیان اور علم کی فضیلت ____ ۸۴
رسول اللہؐ سے سرگوشی سے پہلے صدقہ
دینے کا حکم ________ ۸۵
صرف حضرت علی علیہ السلام نے اس حکم پر
عمل کیا ________ ۸۶
صدقہ دینے سے گریز کرنے والوں کی سرزنش __ ۸۷
منافقین کے بعض جرائم کا ذکر ________ ۸۸
منافقین کا ذکر ________ ۸۹
اللہ اور رسولوں کے غالب آنے کا ذکر ____ ۹۰
مومن کے دل میں دشمن خدا کی محبت نہیں ہوتی
خواہ وہ اس کا قریبی رشتہ ہی کیوں نہ ہو ____ ۹۲

سورۃ الحشر

تعارف سورۃ ________ ۹۷
غزوہ بنی نضیر اور یہودیوں کی جلاوطنی کا ذکر۔
فیٔ مال غنیمت جو بغیر جنگ کے ہاتھ آتا ہے
وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت ہے ۱۰۲
مال فیٔ کی تقسیم کے بارے میں اہم بحث ____ ۱۰۵
اللہ اور رسولؐ کے حصے کے بارے میں موقف __ ۱۰۷
تقسیم دولت میں مراعات یافتہ طبقے کی نفی ____ ۱۰۸
جاگیر فدک کی تاریخ ________ ۱۰۹
حدیث انا معاشر الانبیاء لا نورث پر جرح ____ ۱۱۳
مال غنیمت سے مہاجرین کے حصے کا ذکر ____ ۱۱۵
انصار کے ایثار کا ذکر ________ ۱۱۷
مہاجرین و انصار کے بعد آنے والے مؤمنین کے
ایمان کے بارے میں موقف کا ذکر ____ ۱۱۹
منافقین کا یہودیوں کا ساتھ دینے کا جھوٹا وعدہ _ ۱۲۱
منافقین کی وعدہ خلافی کی پیشگوئی ____ ۱۲۲
تقویٰ اختیار کرنے اور قیامت
کے لیے آمادگی کا حکم ________ ۱۲۴
قرآن کا بار امانت پہاڑوں کے لیے
قابل تحمل نہیں ہے ________ ۱۲۷
غیب اور شہود کی تعریف ________ ۱۲۷
چند ایک اسماء اللہ کا ذکر ________ ۱۲۹

سورۃ الممتحنۃ

تعارف سورۃ۔ ________ ۱۳۳
حاطب بن ابی بلتعہ کی خیانت کا ذکر کہ
اس نے کفار مکہ کو اطلاع بھیجی کہ تم پر

حملہ ہونے والا ہے ____ ۱۳۴
صحابی حاطب کی سرزنش ____ ۱۳۷
مشرکین کا مقابلہ کرنے کے لیے حضرت ابراہیم
نمونہ عمل ہیں ____ ۱۳۸
پرامن کافروں پر احسان کرنے
سے اللہ نہیں روکتا ____ ۱۴۲
ان عورتوں کا حکم جو کافر شوہروں کو چھوڑ کر
اسلام کی طرف آتی ہیں ____ ۱۴۵
مسلمان عورت مرتد ہونے کی صورت کا حکم ____ ۱۴۶
عورتوں سے بیعت لینے اور شرائط کا ذکر ____ ۱۴۷

سورۃ الصف
تعارف سورۃ ____ ۱۵۱
کردار اور گفتار میں تضاد کا ذکر خصوصاً جنگ میں ۱۵۳
بہادری کے ساتھ جہاد کرنے والوں کا ذکر ____ ۱۵۳
حضرت عیسیٰ کی طرف سے رسول اسلام (احمدؐ)
کی بشارت کا ذکر ____ ۱۵۵
دشمنوں کی پھونکوں سے اسلام کی روشنی
نہیں بجھے گی بلکہ زیادہ ہو رہی ہے ____ ۱۵۷
اللہ کے ساتھ نہایت منافع بخش تجارت کا ذکر ____ ۱۵۸
انصار اللہ بننے کا حکم ____ ۱۶۰

سورۃ الجمعۃ
تعارف سورۃ ____ ۱۶۳
ایک ناخواندہ قوم میں معلم انسانیت مبعوث
کرنے کا ذکر ____ ۱۶۶
یہودی اس گدھے کی طرح ہیں جس پر کتابوں
کا بوجھ لدھا ہوا ہے ____ ۱۶۸
یہود اگر اللہ کے چہیتے ہیں تو موت کی تمنا کریں ۱۶۹
نماز جمعہ میں اہتمام سے شرکت کرنے کا حکم ____ ۱۷۱
عبادتوں میں صرف ذکر خدا کے لیے
کثیراً فرمایا ہے ____ ۱۷۲
اصحاب کا رسولؐ کا خطبہ چھوڑ کر تجارت اور
لہویات کی طرف جانے کا ذکر ____ ۱۷۳

سورۃ المنافقین
تعارف سورۃ ____ ۱۷۷
منافقین کی کلمہ شہادت کی تکذیب ____ ۱۷۸
منافقین کے بعض حالات کا ذکر ____ ۱۸۰
مسلمانوں کے خلاف رئیس المنافقین
عبداللہ بن ابی کی چند دھمکیوں کا ذکر ____ ۱۸۳
مال اور اولاد ذکر خدا میں رکاوٹ نہ بنیں ____ ۱۸۴
راہ خدا میں مال خرچ کرنے کا
رتبہ موت کے وقت معلوم ہوگا ____ ۱۸۴

سورۃ التغابن
تعارف سورۃ ____ ۱۸۹
کائنات کی حکمرانی صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ۱۹۰
اللہ کی طرف سے انسان کی بہتر صورت کشی ____ ۱۹۱
اللہ کے رسولوں کی تکذیب کا انجام ____ ۱۹۲
دوبارہ زندہ کرنا اللہ کے لیے آسان کام ہے ____ ۱۹۳
قیامت کا دن فائدے یا
خسارے کے فیصلے کا دن ہے ____ ۱۹۴
جو بھی حادثہ پیش آتا ہے وہ اللہ کے وضع کردہ
نظام تکوینی (اذن) کے تحت ہوتا ہے ____ ۱۹۶
اولاد و ازواج میں تمہارے دشمن
ہو سکتے ہیں۔ آگاہ رہو! ____ ۱۹۸
اموال و اولاد انسان کے لیے آزمائش ہیں ____ ۱۹۹
ہر ممکن تقویٰ اختیار کرنے اور بخل سے بچنے کا حکم ۱۹۹

سورۃ الطلاق
تعارف سورۃ ____ ۲۰۳
احکام و شرائط طلاق ____ ۲۰۴
طلاق کے موقع پر دو عادل گواہ ضروری ہیں ____ ۲۰۷
تقویٰ سے آسانیاں پیدا ہوتی ہیں ____ ۲۰۸
مختلف عدتوں کا ذکر ____ ۲۱۰

مطلقہ عورت کو عدت کے دنوں میں ملنے والے
حقوق کا ذکر، حاملہ ہونے، بچے کو دودھ پلانے
کے بارے میں احکام کا ذکر ____ ۲۱۰
خرچ فراہم کرنا گنجائش کے مطابق واجب ہے _ ۲۱۳
زمین آسمانوں کی مثل، کی تشریح ____ ۲۱۶

سورۃ التحریم
تعارف سورۃ ____ ۲۲۱
بعض ازواج کی ناپسندی کی وجہ سے رسول اللہؐ
نے اس چیز کو ترک کرنے کی قسم کھائی ____ ۲۲۲
قسم کھولنے کا حکم ____ ۲۲۳
حفصہ نے رسول اللہؐ کا راز فاش کیا ____ ۲۲۵
حفصہ اور عائشہ کے دلوں کی حالت کا ذکر ____ ۲۲۶
دونوں ازواج کی رسول اللہؐ کے خلاف
مہم کا ذکر ____ ۲۲۷
صالح المؤمنین سے مراد حضرت
علی علیہ السلام ہیں ____ ۲۲۸
ازواج کو طلاق دے کر ان سے بہتر
ازواج کی دھمکی ____ ۲۲۹
اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو
آتش سے بچاؤ ____ ۲۳۰
خالص توبہ اور اس کے اثرات کا ذکر ____ ۲۳۱
حضرت نوح اور لوط کی علیہا السلام کی بیویاں
مثال ہیں کافروں کی اور فرعون کی عورت مثال
ہے مومنوں کی ____ ۲۳۳
حضرت مریم (س) عفت و پاکدامنی
میں مثال ہیں ____ ۲۳۴

سورۃ الملک
تعارف سورۃ ____ ۲۳۹
کائنات اور موت وحیات پر
اللہ کی بادشاہی ہے ____ ۲۴۰
غرض تخلیق، احسن عمل ہے ____ ۲۴۰
اللہ کی تخلیق میں کوئی خلل نہ نکال سکو گے ____ ۲۴۱
ستارے آسمان اول میں ہیں اور شیطانوں
کو بھگانے کا ذریعہ بھی ____ ۲۴۲
کافروں کے لیے عذاب جہنم کا ذکر ____ ۲۴۳
اہل جہنم سے داروغوں کا سوال اور جواب ____ ۲۴۴
خالق اپنی مخلوق کے رازوں سے ناواقف
نہیں ہوسکتا ____ ۲۴۶
اللہ نے زمین کو انسان کے لیے
رام و مسخر بنایا ہے ____ ۲۴۷
کیا انسان کو اس بات کا خوف لاحق نہیں
ہے کہ یہ رام و مسخر زمین قدرت خدا سے
تہ و بالا ہو جائے ____ ۲۴۹
پرندوں کا پرواز کرنا اللہ کی تدبیر کی نشانی ہے __ ۲۵۰
جس ذات نے تمہیں سماعت، بصارت
اور عقل دی، کیا وہ تمہارا رب نہیں ہے؟ ____ ۲۵۱
قیامت کب برپا ہوگی؟ صرف
اللہ کے علم میں ہے ____ ۲۵۲
قیامت آنے پر کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے۔
احادیث میں یہ آیت، علی علیہ السلام کے فضائل
دیکھ کر کچھ لوگوں کے چہرے بگڑ جائیں گے ____ ۲۵۳
کافروں کو ہر حالت میں عذاب
سے دوچار ہونا ہوگا ____ ۲۵۴
اللہ ہی زیر زمین پانی کو ذخیرہ کرتا ہے ____ ۲۵۵

سورۃ القلم
تعارف سورۃ ____ ۲۵۹
انسانی تہذیب وتمدن میں قلم کا کردار ____ ۲۶۰
رسول اللہؐ کے خلق عظیم کا بیان ____ ۲۶۱
لوگوں کو عنقریب پتہ چلے گا
کہ کون مجنون ہے؟ ____ ۲۶۲
رسولؐ کو بتایا کن لوگوں کی بات نہیں سننا ہے _ ۲۶۳
باغ کے مالکوں کا قصہ ____ ۲۶۷
مشرکین کے اس عقیدے کی رد کہ اگر

قیامت ہوئی تو بھی وہاں ہم مسلمانوں
سے بہتر حالت میں ہوں گے ___ ۲۷۱
کشف ساق (پنڈلی کھولنے) کی غلط تفسیر کی رد ___ ۲۷۳
منکرین کے پاس انکار کے لیے کوئی عذر نہیں ___ ۲۷۵
یونسؑ کی طرح بے صبری نہ کرنے کی نصیحت ___ ۲۷۶

سورۃ الحاقۃ

تعارف سورۃ ___ ۲۸۱
قیامت کی حتمی وقوع پذیری کا ذکر ___ ۲۸۲
و ما ادراك کی تشریح ___ ۲۸۲
قوم عاد اور قوم ثمود کی ہلاکت کا ذکر ___ ۲۸۳
کشتی نوح کا تذکرہ ___ ۲۸۵
اُذُنٌ وَّاعِیَةٌ حضرت علی علیہ السلام کی شان
میں نازل ہونے کا ذکر ___ ۲۸۵
صور پھونکنے اور نظام عالم کی تباہی کا ذکر ___ ۲۸۶
عرش الٰہی اٹھانے والوں کا ذکر ___ ۲۸۷
اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونے کا ذکر ___ ۲۸۸
اپنا نامہ اعمال دیکھ کر خوش ہونے والوں کا ذکر ___ ۲۸۹
نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں آنے والوں کا حشر ___ ۲۹۰
اہل جہنم کے طعام کا ذکر ___ ۲۹۳
مشاہداتی وغیر مشاہداتی دنیا کی قسم
کہ یہ شاعر اور کاہن کا کلام نہیں ہے ___ ۲۹۴
کوئی نبی اگر اپنی طرف سے کوئی بات گھڑ کر
اللہ کی طرف نسبت دے تو اللہ اسے زندہ
نہیں چھوڑے گا ___ ۲۹۶

سورۃ المعارج

تعارف سورۃ ___ ۳۰۱
واقعہ غدیر میں عذاب مانگنے والے
پر عذاب کا ذکر ___ ۳۰۲
چند اعتراضات کے جوابات ___ ۳۰۳
قیامت کی منزلوں کا ذکر ___ ۳۰۴
قیامت کے دن مجرموں کی بری حالت کا
ذکر کہ اپنے قریبی لوگوں کا فدیہ دے کر اپنے
آپ کو بچانا چاہیں گے ___ ۳۰۶
انسان بے حوصلہ خلق ہوا ہے سوائے
نماز گذاروں کے ___ ۳۰۸
نمازی کی شخصیت مضبوط ہوتی ہے ___ ۳۰۹
سائل اور محروم پر مال خرچ کرنے
والے بھی مضبوط شخصیت کے مالک ہیں ___ ۳۱۰
روز جزا پر ایمان، عذاب کا خوف بھی
انسانی شخصیت کو مضبوط بناتا ہے ___ ۳۱۱
مضبوط شخصیت کے مالک درج ذیل ہیں:
جنسی بے راہ روی سے پرہیز کرنے والے ___ ۳۱۲
امانتوں اور معاہدوں کی پاسداری کرنے والے ___ ۳۱۲
گواہی پر قائم رہنے والے ___ ۳۱۳
اپنی نماز کی محافظت کرنے والے ___ ۳۱۳
رسول اللہؐ کا استہزاء کرنے والوں
کے انجام کا ذکر ___ ۳۱۵

سورۃ النوح

تعارف سورۃ ___ ۳۲۱
حضرتؑ کی رسالت کے اہم نکات ___ ۳۲۲
دعوت نوحؑ پر عمل کرنے کی صورت
میں بہتر نتائج کا ذکر ___ ۳۲۲
حضرت نوحؑ کی طویل اور ہمہ پہلو
دعوت کا ذکر ___ ۳۲۴
سات آسمانوں سے مراد کیا ہے؟ ___ ۳۲۶
حضرت نوحؑ کا اللہ کی ربوبیت پر استدلال ___ ۳۲۷
حضرت نوحؑ اپنی قوم کی ہدایت سے
مایوسی کا اظہار کرتے ہیں ___ ۳۲۸
ان بتوں کا ذکر قوم جن کی پوجا کرتی تھی ___ ۳۲۹
حضرت نوحؑ کی بددعا کا ذکر ___ ۳۳۰

سورۃ الجن

تعارف سورۃ ___ ۳۳۵

جنات کے بارے میں چند حقائق ____ ۳۳۶
جنات کے ایمان لانے کا ذکر ____ ۳۳۹
راز چرانے اور شہاب کا ذکر ____ ۳۴۱
جنات اپنے گذشتہ حالات وعقائد
بیان کرتے ہیں ____ ۳۴۲
سات اعضائے سجدہ کا ذکر ____ ۳۴۵
خاک پر سجدے کا ذکر ____ ۳۴۶
اللہ کے علاوہ کوئی جائے پناہ نہیں ہے ____ ۳۴۸
غیب بذات خود صرف اللہ جانتا ہے اور اللہ
اپنے برگزیدہ رسول پر غیب ظاہر کرتا ہے ____ ۳۵۰
تبلیغ رسالت کی اللہ کی طرف
سے حفاظت ہوتی ہے ____ ۳۵۱

سورۃ المزمل

تعارف سورۃ ____ ۳۵۵
رسول ﷺ کو بار نبوت اٹھانے کے لیے رات کو
عبادت کرنے کا حکم ____ ۳۵۶
رات کی عبادت میں بہتر تاثیر ہے ____ ۳۵۷
اے رسولؐ! دن میں آپ کی مصروفیات ہیں تاہم
ذکر خدا سے غافل نہ رہیں ____ ۳۵۸
مشرکین کی بدکلامی پر صبر کرنے اور اسے
نظرانداز کرنے کا حکم ____ ۳۵۹
ان مشرکوں کا انجام فرعون کی طرح ہوگا
اور عذاب الٰہی ان کے لیے تیار ہے ____ ۳۶۲
رسولؐ کے تہجد اور ان کی معیت میں نماز
پڑھنے والوں کا ذکر۔ اول من صلی،
جس نے سب سے پہلے رسولؐ کے ساتھ
نماز پڑھی وہ حضرت علی علیہ السلام ہیں ____ ۳۶۴
نماز شب میں مقدور بھر قرآن پڑھنے کا حکم ____ ۳۶۵

سورۃ المدثر

تعارف سورۃ ____ ۳۶۹
رسول اللہؐ کو شرک کے خلاف قیام کرنے کا حکم ۳۷۰
اللہ اکبر کی تشریح ____ ۳۷۱
رسولؐ کے لیے ہر قسم کی ناپاکی سے
دور رہنے کا حکم ____ ۳۷۱
اپنی عبادت کو جتلا کر اسے کثیر تصور نہ کرو ____ ۳۷۲
ولید بن مغیرہ نے مشورہ دیا تھا کہ
رسول اللہؐ کو ساحر کہا جائے ____ ۳۷۲
جہنم کے داروغوں کی تعداد ۱۹ بتانے میں حکمت ۳۷۸
ہر شخص اپنے عمل کا گروی ہے سوائے
اصحاب یمین کے ____ ۳۸۱
مجرمین سے سوال ہوگا کہ کس چیز نے تمہیں
جہنم تک پہنچایا؟ ____ ۳۸۲
مجرمین کے جوابات ____ ۳۸۳
مشرکین کی نصیحت سے نفرت کا ذکر ____ ۳۸۴
ہدایت دینے میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کی تشریح ____ ۳۸۵

سورۃ القیامۃ

تعارف سورۃ ____ ۳۸۹
قیامت اور نفس لوامہ کی قسم کھانے کی وجہ ____ ۳۹۰
منکرین قیامت کا یہ خیال ہے کہ اللہ بوسیدہ
ہڈیوں کو کیسے جمع کرے گا ____ ۳۹۰
جواب میں فرمایا: اللہ پوروں کی لکیروں کے ذریعے
ہر شخص کی شناخت کرا سکتا ہے تو کیا قیامت کے
دن ہر شخص کی ہڈیوں کی شناخت نہ ہوگی؟ ____ ۳۹۱
قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر ____ ۳۹۳
قیامت کے دن کوئی جائے پناہ نہ ہوگی ____ ۳۹۳
قیامت کے دن ان تمام اعمال کا سامنا کرنا
ہوگا جو مرنے سے پہلے آگے بھیج چکا ہے اور
مرنے کے بعد پیچھے چھوڑ آیا ہے ____ ۳۹۴
انسان جتنا عذر پیش کرے، اس کا ضمیر جانتا
ہے اس نے کیا جرم کیا ہے ____ ۳۹۵
قرآن کو یکجا رکھنا اور لوگوں تک پہنچانا اللہ
کے ذمے ہے ____ ۳۹۷
قرآن وحدیث ناقابل تفریق ہیں ____ ۳۹۷

اللہ تعالیٰ کا حاسۂ بصر کی محدودیت میں (نظر)
آنا ممکن نہیں ____ ۳۹۹
کافر کی حالت نزع کا بیان ____ ۴۰۱
جو ذات پہلی تخلیق پر قادر ہے وہ اعادۂ تخلیق
پر قادر نہیں ہے؟ ____ ۴۰۴

سورۃ الانسان

تعارف سورۃ ____ ۴۰۷
انسان عدم کی وادی میں گم تھا ____ ۴۰۹
انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا ____ ۴۱۰
انسان ہدایت وضلالت میں سے کسی ایک
کو اختیار کرنے میں خودمختار ہے ____ ۴۱۱
آیت ۵ سے ۲۲ تک کا شان نزول کہ یہ آیات
حضرت علی و فاطمہ علیہا السلام کی شان میں
نازل ہوئیں ____ ۴۱۲
شان نزول کی روایت کے طرق کا ذکر ____ ۴۱۳
سورۃ کے مدنی ہونے کے شواہد ____ ۴۱۴
تفہیم القرآن کے اعتراضات کے جوابات ____ ۴۱۵
سورۃ ھل اتیٰ عربی ادب میں ____ ۴۱۶
اس چشمے کا ذکر جو اہل بیت کے ارادے
سے پھوٹ پڑے گا ____ ۴۱۷
وفا بہ نذر کا ذکر ____ ۴۱۷
اپنی خواہش کے باوجود اطعام کا ذکر ____ ۴۱۸
اہل بیت علیہم السلام کا اخلاص اللہ تعالیٰ بیان
فرما رہا ہے ____ ۴۱۹
محروم لوگوں کی کمک، آخرت کی ہولناکیوں کے
لیے ڈھال ہے ____ ۴۲۰
اہل بیت علیہم السلام کے لیے اس ایثار کی جزا
کا ذکر ____ ۴۲۰
جنت کے خوشگوار موسم کا ذکر ____ ۴۲۱
اہل بیت علیہم السلام کے لیے جنت کے پھلوں
اور مشروبات کا ذکر ____ ۴۲۲
اہل بیت علیہم السلام کے خدمت گزار حسن و جمال
کے مالک کم عمر ہوں گے ____ ۴۲۳
اہل بیتؑ کے لیے عظیم سلطنت پر مشتمل
جنت ہوگی ____ ۴۲۳
اہل بیتؑ کے لیے جنت میں عمدہ ترین
لباس کا ذکر ____ ۴۲۵
رسول اللہؐ کو عبادت کا حکم ____ ۴۲۷
انسان کی مشیت، اللہ کی مشیت کی تابع ہے ____ ۴۲۹

سورۃ المرسلات

تعارف سورۃ ____ ۴۳۳
مختلف مسئولیتوں پر مؤکل فرشتوں کی قسم! جس
قیامت کا تم سے وعدہ ہے وہ برپا ہو کر
رہے گی ____ ۴۳۵
قیامت کے قیام کی صورت حال ____ ۴۳۶
تکذیب انبیاء کرنے والے اولین اور آخرین
سب کو ہلاکت میں ڈالیں گے ____ ۴۳۷
اعادۂ حیات کے منکروں کو دعوت فکر کہ تمہاری
تخلیق ایک حقیر بوند سے ہوئی، اسے رحم مادر
جیسی قدرت مند جگہ میں انسان بنایا ____ ۴۳۸
پھر اللہ نے انسان کی تخلیق کے ساتھ تقدیر بھی
بنائی۔ اس کی تمام خاصیتیں اس کی (جین) میں
ودیعت فرمائی ____ ۴۳۹
زمین کو جس نے قرارگاہ بنایا، پہاڑ گاڑ دیے،
شیریں پانی فراہم کیا، وہی رب ہے ____ ۴۴۱
منکرین کو جہنم کی طرف چلنے کا حکم ملنے کا ذکر ____ ۴۴۲
ایک موقع ایسا آئے گا منکر نہ بول سکیں گے نہ
عذر پیش کر سکیں گے ____ ۴۴۳
دوسری طرف متقین کے لیے جنت کی نعمتوں
کا ذکر ____ ۴۴۴